داستانِ مُغلیہ
نکولاؤ مانوچی کی سرگزشت
استوریا دی موگور سے انتخاب،
ترجمہ: سجاد باقر رضوی
نگارشات
۱۷۶ — انارکلی — لاہور

فہرست

۱۶۵۲ء میں نکولاؤ مانوچی ابھی چودہ برس کا تھا کہ وہ اپنے آبائی شہر وینس سے دنیا دیکھنے کی
زبردست آرزو لے کر بھاگ نکلا اور چھپ کر سمرنا جانے والے جہاز پر سوار ہوگیا۔ جہاز پر اس کی ملاقات ہنری
لارڈ بیلامانٹ سے ہوئی۔ جو جلاوطن بادشاہ چارلس دوم کے سفیر کی حیثیت سے شاہ عباس کے دربار
میں حاضری دینے ایران جا رہا تھا۔ اس نے مانوچی کو ملازم رکھ لیا۔ سفارت مالی اعانت کے لئے تھی
جو ناکام ہوئی اور غالباً بادشاہ چارلس کی ہدایات کے مطابق بیلامانٹ ہندوستان میں وارد ہوا جنوری
۱۶۵۶ء میں وہ سورت پہنچا اور کچھ مدت قیام کے بعد دہلی کی سمت روانہ ہوا۔ آگرے سے روانگی
کے تین دن بعد بیلامانٹ یک بیک بیمار ہوگیا اور اس بیماری سے جانبر نہ ہوسکا۔ اس کے مرنے کے بعد
مانوچی دہلی پہنچا۔ یہاں اس کا تعارف دارا سے ہوا جس نے اسے توپ خانے میں ملازم رکھ لیا۔

۱۶۵۸ء میں دارا اور اورنگ زیب کے درمیان سامو گڑھ کی لڑائی ہوئی مانوچی اس جنگ
میں شریک تھا۔ دارا کو شکست دے کر اورنگ زیب آگرے پہنچا جہاں اس نے شاہجہان کو قید کر لیا۔
مانوچی جو اپنی جان بچا کر آگرے بھاگ آیا تھا بھیس بدل کر اورنگ زیب کی فوج کے ساتھ شہر سے باہر

نکلا اور خیرات مانگنے والے پادری کے بھیس میں دلی پہنچا ۔ وہاں سے چل کر لاہور میں دوبارہ دارا سے آملا ۔ دارا کے ساتھ وہ بھکر آیا اور جب دارا گجرات کی طرف روانہ ہوا تو مانوچی بھکر کے قلعے میں اس کے توپ خانہ کا سربراہ تھا۔ بھکر کے محاصرے کے وقت قلعہ والوں نے بہادری سے قلعہ کی حفاظت کی مگر بالآخر دارا کی گرفتاری کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ قلعہ خالی کر دینے کے بعد مانوچی قلعہ کے حاکم خواجہ سرا بسنت کے ہمراہ لاہور آیا جہاں بسنت پر حملہ ہوا اور وہ مارا گیا۔ مگر مانوچی بال بال بچ گیا۔ لاہور سے وہ توپ خانے کے دیگر افراد کے ساتھ دلی آیا چونکہ وہ اورنگ زیب سے سخت متنفر تھا لہٰذا اس کی ملازمت اختیار نہ کی۔ اس مقام کے بعد مانوچی کی کہانی مانوچی کی زبانی مرقوم ہے ۔

۱۶۸۶ء میں مانوچی مدراس میں وارد ہوا جہاں اس نے ایک بیوہ خاتون سے شادی کی اور وہیں سکونت اختیار کی۔ مدراس کے گورنر ولیم گائفورڈ نے مانوچی سے اورنگ زیب کے ساتھ خط وکتابت کرنے کا کام لیا۔ مگر ۱۶۹۰ء میں نئے گورنر ایلی ہو ییل سے اس کی نہ بنی۔ ۱۶۹۸ء میں تھامس پٹ گورنر ہو کر آیا تو مانوچی ایک بار پھر سرفراز ہوا۔ جب ۱۷۰۲ء میں مغل فوجیں شہر کی طرف بڑھیں تو گورنر پٹ نے مانوچی اور ایک برہمن کو محاصرہ کرنے والوں سے گفت و شنید کے لئے بھیجا۔ ۱۷۰۳ء سے ۱۷۰۹ء تک مانوچی مذہبی معاملات میں مشغول رہا۔ ۱۷۰۲ء میں اس کی بیوی مر گئی۔ ۱۷۰۶ء اور ۱۷۱۲ء کے درمیان وہ کچھ وقت پانڈیچری چلا گیا۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جب شاہ عالم بادشاہ ہوا۔ تو اس کی دعوت پر مانوچی نے لاہور جانے کا قصد کیا۔ مگر شاہ عالم کے انتقال کی خبر سن کر اس نے سفر کا ارادہ ترک کر دیا۔ ۱۷۰۷ء کے بعد سے مانوچی کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں۔ قیاس یہ ہے کہ وہ ۱۷۱۷ء میں مر گیا۔

(۲)

ذاتی تعصبات اور افواہوں میں دلچسپی، مانوچی کے کردار کا خاصہ ہے۔ اس کی گھڑی ہوئی بہت سی باتیں تاریخی اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہوتیں۔ ہندوستان میں اپنی رہائش کے دوران میں وہ سپاہی، سفیر، حکیم، مذہب آزمائی سبھی کچھ نظر آتا ہے۔ اکثر اوقات غلو اور افترا پردازی سے بھی گریز نہیں کرتا۔ روشن آرا بیگم کے بیان میں وہ مبالغہ اور تعصب سے کام لیتا ہے۔ اسے زہر دیئے جانے کی کہانی بھی صحیح نہیں ہے کہ یہ واقعہ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ ذاتی شمولیت کے

سبب اس کی تحریروں میں متعصب ذہن جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ دربار سے وابستگی اسے معروضی مشاہدے کا اہل نہیں رہنے دیتی۔ ان تمام باتوں کے باوجود چونکہ مانوچی ہم عصر مورخ ہے، اس لئے اس عہد کی معاشرت، دربار کے حالات، سازشیں اور سیاست، مقامی جنگوں کے واقعات اور خواص و عوام کے رہن سہن، عادات و اطوار، رسم و رواج، ان تمام باتوں پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔ اس کی تحریر کا امتیازی اسلوب، دلچسپ واقعات کا انتخاب، متحرک اور چلتی پھرتی زندگی کو پیش کرنے کا سلیقہ، اس کتاب کو دلآویز بنا دیتا ہے۔ زندہ کرداروں اور زندہ واقعات کے ساتھ ایک پورا عہد جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔

یہ کتاب ولیم اروِن کے انگریزی ترجمے سے انتخاب پر مشتمل ہے جو ۱۹۰۰ء میں حکومت ہند کے لئے چار جلدوں میں شائع کی گئی۔

۲۲ نومبر ۶۷ء

سجاد باقر رضوی

باب اوّل

اپنی ہر آرزو کی تکمیل، باپ کی قید اور بھائیوں کی موت کے بعد اورنگ زیب نے ۱۵ جون ۱۶۵۹ء کو نو دن جشن منانے کا حکم صادر کیا، جس کے دوران امرائے سلطنت نے اسے مبارکبادیں دیں اور بیش قیمت نذرانے پیش کئے۔ اس نے مرچ سے نظر اتارنے کی رسم جو شہزادگی کے ایام میں دکن میں شروع کی تھی، جاری رکھی۔ یہ رسم اس طرح ادا کی جاتی تھی کہ ایک مشت مرچ پر وہ کچھ دعائیں پڑھتا اور انھیں انگاروں پر ڈال دیتا، یہاں تک کہ کچھ دیر اس میں سے دھواں نکلتا رہتا۔ بعدازاں اس آگ اور دھواں دیتی ہوئی مرچوں کو باہر کسی ٹیلے پر پھینک دیا جاتا جہاں ساری مرچیں جل جاتی تھیں۔

اسے یہ علم تھا کہ لوگ اس کی ناجائز تخت نشینی پر خفا تھے، لہٰذا جشن کے خاتمے پر اس نے سلطنت کے نظم و نسق کی جانب توجہ دی تاکہ وہ یہ جتا سکے کہ اس کا مقصد محض ملک گیری نہیں ہے بلکہ وہ ہندوستان کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا چاہتا ہے جسے شاہ جہاں کی لاپرواہی اور دارا کی ناسمجھی نے تباہی و بربادی کے قریب پہنچا دیا تھا۔ پس اس نے سب سے پہلے ان امیروں کو انعام و اکرام سے نوازا جنھوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ جے سنگھ پر بہصر کے صوبے کی توثیق کی گئی۔ دیگر امرا کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا۔ ہر امیر کو خلعت ملی، اور سب سے برگزیدہ امیر کو نہایت خوبصورت قبضہ والا جڑاؤ خنجر، ایک ہاتھی، اور ایک گھوڑا ملا۔ اُسے یہ خوب معلوم تھا کہ بادشاہ کے لئے کشادہ دلی اور سخاوت لازمی اوصاف ہیں لیکن اگر ان کے ساتھ عدل اور

قوت نہ ہو تو وہ بیکار ہیں بلکہ یہ کہ بدمعاش آدمی انہیں مزید برائیوں کے لئے استعمال کرتا ہے جیسا کہ اس بیت میں ہے :

نیکوں کو ہے گنہ سے نفرت خواہش جزا
نافر ہیں بدگنہ سے کہ ہیں خائف از سزا

پس جشن کے بعد اس نے یہ حکم صادر کیا کہ پانچ سو چوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تاکہ بدمعاشوں کو عبرت ہو۔ یہ سزا انہیں اس مسجد کے سامنے دی جانے والی تھی جو "قدم رسول" کے نام سے موسوم ہے۔ اس مسجد میں ایک پتھر پر دو پیروں کے نشانات کندہ ہیں جنھیں مسلمان بہت محترم خیال کرتے ہیں۔ اس نے محض شہر دلّی کے انتظامات درست کرنے پر اکتفا نہ کی جو اس کا پایۂ تخت تھا بلکہ تخت کے ناجائز حصول پر پردہ ڈالنے کے لئے مختلف صوبوں میں قدیم اہلکاروں کی جگہ نئے صوبیداروں اور نائبین کا تقرر بھی کیا۔ ان نئے حاکموں کو اس نے بہترا احکامات دیئے مگر اس کے ساتھ ہی اس نے ایسے احکامات بھی دیئے جو اس کی فریب کاریوں اور سازشوں کے مقاصد پورے کرتے تھے۔ ان میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ وہ جھوٹے عہدنامے کر کے لوگوں کو اپنی جانب کریں اور پڑوسی ملکوں میں بغاوت کرائیں۔ اگر ان کی کوششیں بارآور ہو جائیں تو وہ دس فقیروں کو کھانا کھلادیں۔ اس طرح ان کے جھوٹے عہد و پیمان اور گناہ کا کفارہ ادا ہو جائے گا خواہ انھوں نے قرآن کو درمیان میں لاکر ہزار عہد کیوں نہ کئے ہوں۔

اورنگ زیب نے یہ محسوس کیا کہ دیگر بدنظمیوں میں ایک بدنظمی ہندوستان میں، بالخصوص شہر دلّی میں یہ تھی کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو شراب نوشی کی کھلی آزادی تھی۔ چونکہ وہ خود کو قرآن کا سخت پابند کہتا تھا اس نے شراب سے سخت نفرت کرتا تھا۔ یہ آزادی جہانگیر کے زمانے میں حاصل ہوئی گو اکبر نے سب سے پہلے عیسائیوں کو یہ اجازت دی کہ وہ شراب کشید کریں اور اُسے استعمال کریں لیکن اس کے زمانے میں مسلمانوں میں شراب نوشی کی رسم نہ تھی۔ جہانگیر کی بری مثال کے سبب یہ لعنت مسلمانوں میں بھی عام ہو گئی۔ شاہجہاں کے زمانے میں مُسلمان شراب اتنی آزادی سے پیتے تھے جیسے پانی۔ دارا کی مثال سے انہیں اور تقویت ملی۔ شاہجہاں نے بھی جو خود شراب نہیں پیتا تھا اس بدنظمی کو دُور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے ہر ایک کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا اور خود عورتوں کے درمیان زندگی گذار کر خوش رہتا تھا۔

اورنگ زیب کی تخت نشینی کے وقت شراب نوشی اتنی عام تھی کہ ایک دن اس نے مشتعل ہو کر

یہ کہا کہ سارے ہندوستان میں محض دو اشخاص ایسے ملیں گے جو شراب نہیں پیتے، ایک تو وہ خود اور دوسرے قاضی القضاۃ عبدالوہاب۔ لیکن عبدالوہاب کی بابت اُسے غلط فہمی تھی اس لئے کہ میں خود انھیں شراب کی ایک بوتل روزانہ بھیجتا تھا جسے وہ اتنا چھپ کر پیتے تھے کہ بادشاہ کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ اورنگ زیب نے اس بدنظمی کو ختم کرنے کے لئے یہ احکامات نافذ کئے کہ طبیبوں اور جراحوں کے علاوہ سارے عیسائی شہر چھوڑ کر توپ خانے کے پاس جا بسیں جو نواحی علاقوں سے دور شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں انھیں اس بات کی اجازت تھی کہ وہ شراب کشید کریں اور پئیں بشرطیکہ اُسے فروخت نہ کریں۔

ان احکامات کے بعد اس نے کوتوال کو یہ حکم دیا کہ وہ ان ہندوؤں اور مسلمانوں کا سراغ لگائے جو شراب فروخت کرتے ہوں اور اس کی سزا میں ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا جائے۔ کوتوال نے فوری طور پر تفتیش شروع کر دی حالانکہ وہ خود بھی شراب پیتا تھا۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ اس نے کچھ ہندوؤں اور کچھ مسلمانوں کو سزا دی۔ اس کے بعد اس نے یہ حکم دیا کہ انھیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا جائے جہاں بالآخر وہ مر گئے۔ یہ تعزیراتی حکم کچھ مدت تک جاری رہا۔ اس دوران میں کوئی شخص شراب نہ فروخت کرتا تھا۔ جب کبھی کوتوال کو یہ شک ہوتا کہ کسی گھر میں شراب کشید کی جاتی ہے تو وہ سپاہیوں کو وہاں بھیجتا جو سارے گھر کو تہس نہس کر دیتے تھے۔ اول اول تو یہ قانون سختی سے نافذ کیا گیا مگر آہستہ آہستہ اس کی سخت گیری میں کمی آتی گئی۔ قانون کی سخت پابندی کے زمانے میں بھی وہ امرا جو شراب کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اپنے گھروں میں کشید کرتے تھے۔ ایسے بہت کم امیر تھے جو خفیہ طور پر نہ پیتے ہوں۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ عیسائیوں کو اپنے استعمال کے لئے شراب کشید کرنے کی اجازت تھی مگر فروخت کرنا ممنوع تھا۔ اس لئے ان پر پہرے دار مقرر کئے گئے تاکہ وہ ان پر نگاہ رکھیں کہ وہ شراب نہ فروخت کرنے پائیں۔ اس کے باوجود چونکہ اس میں منافع بہت تھا اس لئے وہ باز نہ آتے تھے اور ہزار بہانوں سے خفیہ طور پر فروخت کرتے تھے، گو جب کوتوال کو خبر ہوتی تو وہ آدمیوں کو بھیج کر گھر لٹوا لیتا۔ مجرم کے گلے میں آہنی کڑی ڈال دیا جاتا اور زنجیروں میں جکڑ کر برسر عام تھپڑ مارتے ہوئے اُسے کوتوال کے گھر لے جایا جاتا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے وہ اُدھ موا ہو چکا ہوتا، پھر اُسے بندی خانے میں قید کر دیا جاتا۔ کئی ماہ بعد جرمانے اور زد و کوب کی سزا کے بعد اس کی رہائی ممکن ہوتی۔

لیکن عیسائیوں کی بے شرمی اور گستاخی اس حد تک تھی کہ وہ باز نہ آتے تھے۔ یہ لوگ مختلف اقوام سے تعلق رکھتے تھے اور بیشتر چور اور مجرم تھے۔ میں یہ بات ایمانداری سے کہہ سکتا ہوں کہ مغلوں کے توپ خانے میں کام کرنے والے عیسائی محض برائے نام عیسائی رہ گئے تھے۔ ان میں عیسائیت کی رمق تک نہ تھی۔ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں سے بدتر تھے۔ خوفِ خدا ان میں مطلق نہ تھا۔ دس دس بارہ بارہ بیویاں رکھتے تھے۔ ہر وقت نشہ میں رہتے تھے۔ جوا کھیلنے کے علاوہ کچھ نہ کرتے اور ہر کس و ناکس کو دھوکا دینے کی فکر میں رہتے تھے۔ ان وجوہات کے سبب مغلوں کے ملک میں عیسائیوں کی اب وہ وقعت نہیں جو پہلے تھی۔ اکثر تھوڑی سی تنخواہ کے لالچ میں اپنے عقائد ترک کر کے مسلمان ہو جاتے ہیں گویا یہ بات بخشش کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی کہ آدمی عیسائی ہے یا مسلمان

مسلمان نشہ کے اتنے عادی ہیں کہ اُن غریب آدمیوں نے جن کے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی کہ وہ شراب حاصل کر سکیں، ایک اور مشروب دریافت کر لی ہے جسے اس ملک کی زبان میں بھنگ کہتے ہیں۔ یہ محض خشک برگ حشیش کو پیس کر بناتے ہیں جو پیتے کے ساتھ ہی نشہ دیتی ہے۔ اس برائی کو بھی اورنگ زیب نے کچلنا چاہا۔ اس سے اس نے محتسب نام کے ایک عہدیدار کا تقرر کیا جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اس مشروب یا اس قسم کی دیگر مشروبات کے استعمال کو روکے۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا جب صبح سویرے اٹھ کر ہمیں اُن برتنوں اور تسلوں کے توڑنے پھوڑنے کی آواز آتی جن میں ان مشروبات کو تیار کیا جاتا تھا۔ لیکن اس بات کے پیش نظر کہ وزراء خود پیتے تھے اور نشہ میں رہنا پسند کرتے تھے، آہستہ آہستہ اس ممانعت میں بھی لچک آتی گئی۔

اورنگ زیب نے یہ دکھانے کے لئے کہ وہ مذہب کا سختی سے پابند ہے ایک اور مضحکہ خیز حرکت کی اس نے یہ احکام جاری کئے کہ کوئی مسلمان چار انگل سے زیادہ لمبی داڑھی نہ رکھے۔ مغل امراء اپنی لمبی لمبی داڑھیوں کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑی احتیاط کرتے تھے۔ اور ان کے لئے بہتیرے روغنوں کا استعمال کرتے تھے۔ اب ایک ایسے عہدیدار کا تقرر ہوا جو اپنے ماتحتوں اور سپاہیوں کے ساتھ بیچ سڑک پر لوگوں کی داڑھیاں ناپتا اور حسب ضرورت انہیں مختصر کر دیتا۔ معمولی لوگوں کے علاوہ اوروں پر یہ احکام نافذ نہ ہو سکے، اس لئے کہ وہ عہدیدار جسے یہ کام سپرد تھا، امراء اور سپاہیوں پر معترض ہوتے ڈرتا تھا کہ کہیں خود اُسے نقصان نہ پہنچے۔ بہرحال یہ ایک مضحکہ خیز صورت حال تھی کہ امورِ ریش کا متعلقہ عہدیدار ادھر اُدھر بھاگتا اور غریب غرباء کی داڑھیاں پکڑتا پھرتا تھا تاکہ مقررہ مقدار سے زیادہ کو تراش دے اور مونچھوں کو صاف کر دے کہ لب نمایاں

ہو جائیں۔ مونچھوں کی صفائی اس لئے ضروری تھی کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو اس آواز کے آسمان تک براہ راست پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ یہ منظر بھی عجیب تھا کہ سپاہی اور دوسرے لوگ جب اس عہدیدار کو دور سے دیکھتے تو اپنے چہروں کو چادروں سے چھپا لیتے تھے تاکہ بے ملاقاتیں نہ ہو۔

ان احکامات سے اورنگ زیب کی تسلی نہ ہوئی اور اب اس نے موسیقاروں کی ایک کثیر جماعت کے خلاف قدم اٹھایا۔ ہندوستان میں مسلمان اور ہندو دونوں ہی گانوں اور سازوں کی موسیقی کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ پس اس نے اسی عہدیدار کو یہ حکم دیا کہ وہ موسیقی کو بند کرے اور اگر کسی گھر سے یا کہیں اور اُسے گانوں کی یا سازوں کی آواز سنائی دے تو وہ فوراً موقع پر پہنچ کر جتنے لوگوں کو گرفتار کر سکتا ہے گرفتار کرے اور سازوں کو توڑ دے۔ اس طرح بہت بڑی تعداد میں ساز تباہ کر دیئے گئے۔ موسیقاروں نے جب یہ دیکھا کہ وہ مصیبت میں ہیں، ان کی وافر آمدنی ختم ہو گئی ہے اور اب ان کے پاس روزی کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور بادشاہ کو اس طرح منانے کی کوشش کی: ایک جمعہ کو جب اورنگ زیب مسجد کو جا رہا تھا تو تقریباً ایک ہزار موسیقار جمع ہوئے۔ وہ ملک کے رواج کے مطابق تقریباً بیس زرق برق جنازے لئے شدید رنج و غم میں روتے چلاتے اور اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے، گویا وہ کسی بڑی ممتاز مرحوم شخصیت کو دفنانے جا رہے ہوں۔ اورنگ زیب نے دور سے اس مجمع کو دیکھا، ان کی گریہ و زاری سنی، اور متعجب ہو کر اس آہ و بکا کا سبب دریافت کیا۔ موسیقاروں نے اپنے رنج و غم اور اشکباری کو یہ سمجھ کر دوناکر دیا کہ شاید بادشاہ کو ان پر رحم آ جائے۔ گریہ و زاری کے درمیان انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ کے احکام نے موسیقی کو مار ڈالا ہے اس لئے ہم اسے دفن کرنے لے جا رہے ہیں۔ بادشاہ کو یہ خبر ملی تو اس نے نہایت سکون سے جواب دیا کہ سب لوگ موسیقی کی روح کی بخشش کے لئے دعا کریں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ اُسے اچھی طرح دفنایا جائے۔ اس کے باوجود امراء نے پوشیدہ طور پر گانا سننا بند نہ کیا۔ یہ احکام بھی محض خاص خاص شہروں میں ہی نافذ کئے گئے۔

شاہ جہاں کے زمانے میں رقاصاؤں اور طوائفوں کو بہت زیادہ آزادی حاصل تھی اور شہروں میں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اپنے دورِ حکومت کے آغاز میں تو اورنگ زیب نے ان سے کوئی تعارض نہ کیا مگر بعد ازاں اس نے یہ حکم دیا کہ یا تو وہ شادیاں کر لیں یا پھر حدودِ سلطنت سے باہر نکل جائیں۔ اس سبب سے ان کی رہائش گاہیں آہستہ آہستہ ویران ہو گئیں۔ کچھ نے شادیاں کر لیں، کچھ چلی گئیں یا کم از کم پوشیدہ ہو گئیں۔

کا انتقال ہُوا ہاتھی بھی اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

سب سے بڑی لعنت جو مغلیہ سلطنت میں پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے وہ پاکباز درویشوں کی فریب کاری اور منافقت ہے۔ یہ لوگ خود کو اولادِ محمدؐ یعنی سید کہتے ہیں اور لوگوں کو اپنی منافقت اور جھوٹے کرشموں سے دھوکا دیتے ہیں۔ لوگ انھیں ولی اللہ سمجھ کر ان کے پاس اولاد، بیوی یا شوہر کے حصول کے لئے آتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کے توسل سے ملازمت یا دربار میں حیثیت چاہتے ہیں، کچھ عشق میں کامیابی تو کچھ دشمنوں پر فتح یا تجارت میں منفعت چاہتے ہیں۔ گویا ہر آدمی اپنی مخصوص حاجت کی برآوری کے لئے آتا ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس کوئی خالی ہاتھ نہیں آتا۔ کچھ نہ کچھ نذرانہ ضرور لاتا ہے۔ اس طرح یہ پاکباز لوگ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انھیں یہ معلوم ہے کہ اپنے جعل فریب کو کسی طرح منافقت سے چھپایا جائے۔ شیطانی امداد سے یہ لوگوں پر دعا تعویذ کے ذریعے اپنا اثر قائم کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ عورتوں کو جو ان کے پاس کثیر تعداد میں آتی ہیں، اپنے حلقہ عقیدت میں رکھتے ہیں۔ وہ موقع سے فائدہ اٹھانا خوب جانتے ہیں اور اگر عورت حسین ہو تو کیا مسلمان، کیا ہندو، کیا عیسائی وہ کسی کو نہیں بخشتے۔ مزید براں اپنے گھروں میں وہ بہت سی بیویاں اور لونڈیاں رکھتے ہیں۔ انھیں وہ رات کو ہر چہار جانب بھیجتے ہیں جو خود کو ان کا معتقد بتا کر ان کے لئے حرام کی روزی کا بندوبست کرتی ہیں، یا پھر اپنے مالک اور اس عورت کے درمیان جس پر اس کی نظر ہوتی ہے کٹنیوں کا کام کرتی ہیں تاکہ اسے اپنے گھر لا سکیں۔ یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہوتا ہے۔ یہ عورتیں اس بات کا بھی پتہ چلاتی ہیں کہ جو لوگ مرادیں مانگنے آتے تھے ان کی مرادیں پوری ہوئیں یا نہیں۔ یہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ پہلے ہی سے معلومات حاصل ہو جائیں۔ یہ عورتیں ان لوگوں کے سامنے جن کی مرادیں بر نہ آئیں مختلف توجیہات بھی پیش کرتی ہیں، یا پھر وہ لوگوں کو یقین دلاتی ہیں کہ فلاں درویش سے مانگی ہوئی مرادیں بالخصوص پوری ہوتی ہیں۔ یہ اس بات کا بھی پتہ لگتی ہیں کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے اور اس طرح اپنے مالک کو یہ موقع فراہم کرتی ہیں کہ وہ مختلف رازوں کو منکشف کریں کہ پاکباز درویشوں کو علمِ غیب ہونا لازمی ہے۔

الغرض ان تمام طریق کار کا شمار ممکن نہیں جن کا استعمال ان درویشوں کی مقبولیت کے لئے کیا جاتا ہے۔ بالفرض اگر وہ کوئی قابلِ تعریف کام سرانجام دیتے ہیں تو وہ شیطان کی اعانت سے ہوتا ہے۔ وہ جب اپنے گھروں سے نکلتے ہیں تو پیدل نہیں چلتے بلکہ گاڑی یا گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور اپنے دلی ترین

خادموں کو بھی ہمراہ رکھتے ہیں تاکہ ان کے مقلدوں اور ماننے والوں کی کثرت ظاہر ہو۔ وہ راہ میں انتہائی انکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سڑکوں پر راہ چلتے مرد اور عورتیں زمین پر گر کر اور ہاتھوں کو بلند کر کے التجائیں کرتی ہیں گویا وہ کسی جنتی اور خدا رسیدہ بزرگ سے مخاطب ہوں۔ ایسے موقعوں پر ہر شخص اپنی آرزوؤں کا اظہار کرتا ہے خواہ تندرستی کے لئے یا دردوں سے نجات کے لئے، غرض اپنی اپنی ضروریات کے مطابق۔ یہ منافق شخص نہایت سنجیدگی اور وقار کے ساتھ ہر ایک کو اشارہ کرتا جاتا ہے گویا وہ ہر ایک کو آس دلاتا ہے اور ہر کس و ناکس کو تسلی دینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

میں ان لوگوں کی غلاظتوں کا سارا احوال بیان نہیں کرنا چاہتا اور جو کچھ بھی میں کہوں گا وہ کم ہوگا۔ میں اس غلطی کا شکار ہونا نہیں چاہتا جس کے متعلق سینٹ پال نے اشارہ کیا ہے: "فریب سے بچو، بدی کا اظہار نیک سیرتی کے زوال کا سبب بنتا ہے۔" تاہم ان منافقوں کی گستاخیوں اور شرمناک حرکات کا حتی الامکان اظہار ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود مغل سلطنت کے عوام اور امراء دونوں ان لوگوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ وہ انھیں قیمتی تحفے بھیجتے ہیں۔ مالی بہترین پھل اور ترکاریاں، گڈریئے بکریاں اور دودھ ان کی نذر کرتے ہیں۔ اس طرح یہ بدقماش کسی امیر سے زیادہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مزید براں شہزادے اور عمائدِ سلطنت بھی ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

اورنگ زیب نے اس بدعنوانی کو دُور کرنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ وہ خود ایسے آدمیوں کا ساتھی، منافق اور دھوکے باز تھا۔ کرشموں اور فریب کاریوں کی ایجاد میں ان کا ہم پلہ تھا۔ تاہم اس نے ایسے بارہ آدمیوں سے جو دل میں ہی رہتے تھے انتقام لینا چاہا۔ انھوں نے دارا کے متعلق یہ پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ساری مغل سلطنت کا شاہنشاہ ہوگا اور حاکمِ مطلق کی حیثیت سے تمام لوگوں پر فتح پائے گا۔ اس لئے کہ وہ محمدؐ سے یہ دعا کریں گے کہ وہ اس کی مدد فرمائیں اور پیغمبرؐ ان کی التجاؤں کو نہیں ٹھکرائیں گے۔

دیگر امورِ سلطنت کو سرانجام دینے کے بعد اورنگ زیب نے ان لوگوں کو بلوایا۔ جب سب اس کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے بظاہر ان کی پاکیزگی اور اعلیٰ مقبولیت کو سراہا۔ اس بنا پر اس نے ان تمام حضرات سے یہ التجا کی کہ وہ اس کے سامنے کوئی کرامت دکھائیں تاکہ ان کا مقلد بننے کے لئے خود اُسے بھی کوئی جواز مل سکے۔ اور اگر وہ یہ کر دکھائیں تو وہ یہ ثابت کر دے گا کہ ہندوستان کا شہنشاہ، پاکبازوں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو کتنا محترم سمجھتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے ان لوگوں کو تین

دنوں کی مہلت دی جس کے دوران میں انھیں بادشاہ کی خواہشات کو پورا کرنا تھا۔

یہ سن کر وہ پکباز لوگ تذبذب میں مبتلا ہو گئے۔ ان پر یہ منکشف ہو گیا کہ سادہ لوح انسانوں کے ساتھ مذاق کرنے کا وقت چلا گیا اور اورنگ زیب دارا کی طرح ہنسی مذاق کا آدمی بھی نہیں تھا۔ اس لئے انھیں سخت پریشانی دامن گیر ہوئی۔ مختصراً یہ کہ ان میں سے دو نے فوراً یہ اقرار کر لیا کہ وہ بلخ کے ایک مشہور ولی اللہ کی اولاد میں سے ہیں اور اس لئے لوگ ان کا احترام ولیوں کی طرح کرتے ہیں گو وہ خود کو دنیا کا گنہگار ترین شخص تصور کرتے ہیں۔ پس ان سے کسی قسم کی کرامت کی توقع لاحاصل ہے۔ اورنگ زیب نے ان کے اس جواب کو نظر انداز کر دیا اور ان سب کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تین دنوں کے اندر اندر ان کے لئے یہ لازم ہے کہ اس کے سامنے کوئی کرشمہ دکھائیں۔

وہ بہت مایوسی کے عالم میں واپس آئے اور اپنی عادت کے مطابق انھوں نے اپنی مہربان روحوں سے رجوع کیا اور اس خیال سے بہت سی نذریں گذاریں کہ کم از کم خواب ہی میں وہ اورنگ زیب کو یہ جتا دیں کہ یہ لوگ واقعی ولی اللہ ہیں۔ اس طرح بادشاہ انھیں تھوڑی بہت حرمت کے قابل ضرور سمجھے گا۔ بہرحال تیسرے دن اورنگ زیب نے انھیں بلوا لیا۔ جب وہ اس کے حضور میں پہنچے تو اس نے نہایت درشت الفاظ میں انھیں یہ کہا کہ مہلت گذر چکی ہے اور اب ان کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ کوئی کرامت دکھائیں ورنہ انھیں کوڑے مارے جائیں گے اور سب کو اکٹھا بر سرِ عام ذلیل کیا جائے گا۔ اس طرح ان لوگوں کی نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے گا جو اب تک ان کی فریب کاریوں اور دغا بازیوں سے گمراہ ہوتے رہے ہیں۔ اب نہ تو وہ کچھ کہہ سکتے تھے اور نہ ہی کوئی کرامت دکھا سکتے تھے۔ اس لئے ان میں سے کچھ کو جلاوطن کر دیا گیا اور کچھ قلعوں میں اس وعدے پر قید میں ڈال دیئے گئے کہ جب وہ کوئی کرامت دکھائیں گے تو انھیں رہا کر دیا جائے گا۔ بلخ کے دونوں اشخاص کو سخت سست کہہ کر اس نے یہ حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں کو واپس جائیں اور پھر کبھی اپنی بزرگی اور برتری کا دعویٰ نہ کریں ورنہ انھیں فوری طور پر سزا دی جائے گی۔

اکبر نے ایک رسم قائم کی تھی اور اس کے جانشینوں نے بھی اسے جاری رکھا کہ اگر شاہِ ایران کسی شخص کو جائز یا ناجائز طور پر کوئی ایذا پہنچاتا اور وہ وہاں سے بھاگ کر مغل بادشاہ کی پناہ میں آتا تو وہ اس کی تواضع اور سرپرستی کرتے۔ ہر آدمی کی حیثیت کے مطابق اس کی تنخواہ مقرر کی جاتی۔ سپاہی پیشہ

لوگوں کو عہدیدار اور سپاہی، طبیبوں کو طبیب اور علمائے دین کو قضا کے منصب پر فائز کیا جاتا تھا۔ انھیں منصب داروں کی حیثیت سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ چونکہ یہ لوگ مغلوں کے کام کے نہ ہوتے تھے، اس لئے کہ مغل ایک دوسرے فرقے سے تعلق رکھتے تھے، اور ایرانیوں کی طرح علیؓ کے ماننے والے نہ تھے، لہذا انھیں کشمیر بھیج دیا جاتا تھا جہاں وہ اپنی آمدنی میں بلا کسی پریشانی کے آرام سے گذارا کرتے تھے۔ چونکہ مسلمان بھی انھیں قیود کے پابند ہیں جن کے دوسرے لوگ مثلاً اپنی زندگی کے دن پورے کرکے مرجاتا ——— لہذا جب ان میں سے کوئی ختم ہوجاتا تو دوسرے اس کی آمدنی کو آپس میں تقسیم کرلیتے۔

اورنگ زیب نے اس بدعنوانی کی اصلاح کرنی چاہی اور اس لئے کشمیر کے تمام منصب داروں کو یہ حکم دیا کہ وہ دربار میں حاضر ہوں۔ ان سب کی ایک کثیر تعداد تھی۔ مجھے ان میں سے ایک شخص محمد زمان سے شناسائی حاصل کرنے کا موقع ملا۔ یہ شخص بہت ذہین تھا جسے شاہ عباس بادشاہ ایران نے اپنی حکومت کے آغاز میں بحیثیت طالب علم روم بھیجا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ وہاں جاکر ہمارے پادریوں کا جواب دینا سیکھے جو ایران کے ملاؤں اور مسلمان مجتہدین سے مناظرے کرتے تھے۔ محمد زمان جو اپنے عقائد سے بخوبی واقف تھا مطالعے کے باعث صداقت کو پاگیا اور بجائے اس کے کہ محمدؐ اور علیؓ کے بتائے ہوئے عقائد میں راسخ ہوتا، انھیں خیرباد کہہ کر عیسائی ہوگیا، اور پال کا نام قبول کرکے خود کو پالوزمان کہنے لگا۔ اب وہ ایران واپس آیا۔ یہاں ایرانی علمأ نے اس سے بات چیت کرکے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ اسلام سے زیادہ عیسائیت کی طرف مائل ہے۔ (حالانکہ وہ اپنے عیسائی ہونے کو پوشیدہ رکھتا تھا) انھوں نے اس کے خلاف باتیں کرنی شروع کردیں اور وہ، اس بات سے خوفزدہ ہوکر کہ مبادا اُسے کوئی نقصان پہنچے، ایران سے بھاگ نکلا، اور شاہ جہاں سے امان چاہی۔ منصب دار کی حیثیت سے اس کی تنخواہ مقرر ہوئی اور اُسے کشمیر میں دوسرے ایرانیوں کے پاس بھیج دیا گیا۔ جب اورنگ زیب نے ان لوگوں کو بلایا تو وہ بھی دلی آیا۔ یہاں اس نے عیسائیوں سے ربط ضبط قائم کیا۔ اس کے پاس لاطینی کی چند کتابیں تھیں اور وہ آپس میں دینی مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔ گو وہ عیسائی تھا اور خود کو عیسائی کہتا تھا مگر اس کا طرز زندگی مسلمانوں سے کسی طرح مختلف نہ تھا۔

منصب داروں کے وجود کے بارے میں اطمینان کرکے اورنگ زیب نے انھیں کشمیر واپس بھیج دیا۔ پھر اس نے یہ احکامات نافذ کئے کہ ہندوستان میں جو شخص بھی کسی مکان یا باغ کا مالک ہے حق ملکیت کی دستاویز

پیش کرے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ آیا وہ ملکیت کسی شاہی فرمان کے تحت ہے یا نہیں، اس لئے کہ کوئی شخص بلا کسی سند یا فرمان کے اُن اشیاء کے حقوقِ ملکیت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ایسے فرمانوں کو جنھیں اس نے صحیح سمجھا منظور کر لیا اور جو جعلی تھے انھیں رَد کر دیا۔

بادشاہوں کے پاس امورِ سلطنت کو درست رکھنے کا سب سے بہتر ذریعہ قابلِ اعتماد جاسوس ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بادشاہوں کو ملک کے بارے میں بالخصوص عہدیداروں کے بارے میں اطلاعات فراہم کرتے ہیں۔ یہ بات پوری ایمانداری سے کہی جا سکتی ہے کہ مغل حکومت ایسے لوگوں کو رکھتے میں کبھی پیچھے نہیں جن سے یہ معلوم کیا جائے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اپنے پورے دورِ حکومت میں اورنگ زیب کے پاس ایسے اچھے جاسوس رہے کہ وہ یہاں تک جانتے تھے (اگر اس بات کو اس طرح کہا جا سکتا ہے) کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ نہ ہی پوری سلطنت میں بالخصوص شہروں میں کوئی ایسی بات ہوتی تھی جس کی اطلاع اُسے نہ ہو سکے۔

اس طرح اُسے ایک رات یہ علم ہوا کہ مغل دربار کی خاں کی بیوی اپنے گھر سے چلی گئی ہے۔ بلا تاخیر اس نے شوہر کو یہ حکم دیا کہ اُسے واپس لائے۔ ایسے ہی جاسوسوں کے ذریعے ایک رات اُسے یہ پتہ چلا کہ ایک دوکان کی محراب عین سڑک پر گر گئی جس کے ملبے کے نیچے تین فقیر دب گئے۔ صبح سویرے اورنگ زیب اپنی سواری پر اس کا پتہ چلانے نکلا۔ اس نے گری ہوئی دوکان کو دیکھ کر اپنا ہاتھی وہاں روکا اور یہ حکم دیا کہ دبے ہوئے فقیروں کو نکالا جائے۔ درباری امرا اس حکم پر بہت متعجب ہوئے اس لئے کہ انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ ملبے کے نیچے کچھ مردہ جسم پڑے ہوئے ہیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور مردہ فقیروں کو باہر نکالا گیا۔ بادشاہ اس وقت تک وہیں ٹھہرا رہا جب تک کہ لاشیں برآمد نہ ہو لیں اور پھر اس کے احکام کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین ہوئی۔ اس نے جنازے کے اخراجات کے لئے کچھ رقم بھی دی۔ اس واقعے کے بعد لوگ اورنگ زیب کو ولی سمجھنے لگے اور سب نے بآوازِ بلند یہ نعرہ لگایا: "ولی بادشاہ کی عمر دراز"۔ آج تک اسے لوگ یا تو محض خوش آمد سے یا پھر اس لئے کہ اس نے ٹونے منتر سے بعض عجیب و غریب کام کئے، "ولی باکرامت" کہتے ہیں۔

معاملاتِ سلطنت کو منظم کرنے اور جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، ان برائیوں کو دُور کرنے کے بعد جو اس کے باپ شاہجہاں کی لاپرواہی کی بدولت مملکت میں پیدا ہو گئی تھیں، اورنگ زیب خود یہ بہت

نازاں تھا۔ اب وہ محض اچھے کام کر کے ہی آسودہ نہ ہوتا بلکہ انتھک کوشش اس امر کی کرنے لگا کہ امرأ اس کی تعریف اور اس کے باپ کی برائیاں کریں۔ اس نے شاہ جہاں کی شہرت کم کرنے اور اُسے ہر ممکن طریق سے بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

علاوہ ازیں محض اس لئے کہ بوڑھے باپ کو اور زیادہ غصہ آئے اور اس کی قید اس پر اور زیادہ بارگذرے، وہ اُسے اکثر خطوط لکھا کرتا تھا، جن میں وہ ان کارگذاریوں کو گنواتا جو پچھلی بدعنوانیوں کو دُور کرنے کے لئے عمل میں لائی گئی تھیں اور ہر اس قانون کو مطعون کرتا جو شاہ جہاں کے زمانے میں رائج تھا۔ اس نے شاہ جہاں پر عوام کے ساتھ بے انصافی، وزرا کے ساتھ لاپرواہی، دوسروں کی بیویوں سے بدکرداری، مینا بازار لگانے کی بدعنوانی، شیش محل میں عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت میں فضول خرچی اور محل میں ایک عام رقاصہ کو ٹھہرانے پر عیاشی کے الزامات لگائے۔ اس کے برعکس وہ اپنی کارگذاریوں کی تحسین کرتا اور اپنے انتظامات کو شاندار طور پر بیان کرتا۔ پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ اورنگ زیب اس یہودی کا پکا شاگرد تھا جس کا ذکر مسیح نے کتاب مقدس میں کیا ہے جو بجائے اس کے کہ خدا سے رحم کا طالب ہو اپنے اچھے کاموں کو گنوانے کے علاوہ اور کچھ نہ کرتا تھا۔ مزید برآں وہ اس بات پر بھی ناز کرتا تھا کہ لوگوں کی شکایتیں سننے اور مملکت کی برائیاں دور کرنے کی کوشش میں وہ بیشتر وقت دیوانِ عام میں ہی گذارتا تھا۔

شاہ جہاں بھی ان خطوط کا جواب نہ دینے اور بیٹے کی بات کو درگذر کرنے کی کوشش نہ کرتا تھا۔ وہ اُسے یہ بتاتا کہ جس شخص نے باپ سے بغاوت کی ہو، بھائیوں پر ظلم کیا ہو، یہاں تک کہ بیٹوں کو بھی نہ چھوڑا ہو، وہ دوسروں کے لئے کبھی نیک کام نہیں کر سکے گا۔ جہاں تک اس تعریف کا تعلق ہے کہ وہ دن کے کئی کئی گھنٹے دیوانِ عام میں گذارتا ہے تو اس سے بڑھ کر اس بات کا بیّن ثبوت اور کیا ہوگا کہ امورِ سلطنت صحیح طور پر سرانجام نہیں پاتے۔ اس لئے کہ جب وہ خود (شاہ جہاں) ناظمِ امورِ سلطنت تھا تو عہدیدار اتنے مستعد تھے کہ روزانہ نقارہ بجوانے کے باوجود کہ اگر کسی کے ساتھ کوئی بے انصافی ہوئی ہے تو وہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو، کئی کئی ماہ گذر جاتے اور کوئی شخص عرضی نہ گذارتا۔

ان کی یہ لڑائی ایک مدت تک جاری رہی یہاں تک کہ شاہ جہاں نے نہایت غضبناک ہو کر اورنگ زیب کو یہ لکھا کہ تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بہر صورت جو کچھ بھی تم نے کیا وہ اس قوت کا نتیجہ ہے جو اولاً اس شخص میں تھی جس نے تمہیں پیدا کیا۔ ان تمام دلائل کے علاوہ جو شاہ جہاں نے خود اپنے طور پر پیش؛

کابل کے گورنر نے بھی ایک طویل فہرست شاہ جہاں کی خوبیوں اور اورنگ زیب کی کارروائیوں کے متعلق روانہ کی جس میں اس نے بیٹے کے خلاف باپ کی پُرزور حمایت کی۔ ان خطوط سے متاثر ہو کر اورنگ زیب نرم پڑ گیا اور باپ سے نرم دلی کا اظہار کرنے لگا۔ دیگر خطوط کے ذریعے اس نے اس کی دلجوئی کی۔ اسے بہت سے تحفے تحائف بھیجے، پہلوان روانہ کئے کہ اس کا وقت اچھا گذرے، موسیقار بھیجے تاکہ قید کی کوفت کم ہو، اور ایسی اقسام کی دیگر تفریحات کا سامان کیا جنہیں شاہ جہاں اپنی آزادی اور بادشاہت کے زمانے میں مرغوب رکھتا تھا۔

اتنے پیار کے مظاہرے کے بعد اورنگ زیب نے باپ سے ان جواہرات کی فرمائش کی جو اب بھی اس کی تحویل میں تھے۔ شاہ جہاں نے جواب میں ایک سخت خط لکھا کہ اگر دوبارہ تم نے اس قسم کی بات کی تو میں ان جواہرات کو کھرل میں پیس کر سفوف بنا دوں گا، اور تمہیں وہ محض اسی صورت میں مل سکیں گے۔ لیکن جواہرات کے بدلے میں اس نے اورنگ زیب کے پاس وفادار اسد خاں کو بھیجا اور اپنی پُرزور سفارش کے ساتھ یہ کہلوایا کہ یہ شخص ہر ذی حیات انسان سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ دوسرے اشخاص باپ کے خلاف باغی ہوئے اور جب موقع آئے گا تو بیٹے کے خلاف بھی بغاوت کریں گے۔ اس کے برخلاف اسد خاں نے اپنے بادشاہ کا ساتھ چھوڑنا کبھی نہ چاہا اور اس لئے بلاشک وہ بیٹے کے ساتھ بھی وفاداری برتے گا۔

اورنگ زیب نے اسد خاں کو ملازم رکھ لیا اور اسے دربار میں ایک خاص عہدے پر فائز کیا اور بالآخر جعفر خاں کی موت کے بعد اُسے پوری مملکت کا وزیر اعلیٰ بنا دیا۔ اسد خاں آج دس مارچ ۱۶۹۹ء تک اسی منصب پر مکمل وفاداری کے ساتھ فائز ہے۔ اورنگ زیب نے ان جواہرات کے بارے میں جن کے متعلق اس نے اتنی حرص کا مظاہرہ کیا تھا، شاہ جہاں کو پھر کبھی کچھ نہ لکھا۔ اس نے فولاد خاں خزانچی سے ایک حکم کے ذریعہ یہ معلوم کرایا کہ کتنے عرصے میں وہ سارے جواہرات کو دیکھ کر ان کی قیمت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ فولاد خاں نے اس تخمینہ کے لئے وقت مانگا اور چھ ماہ کی مدت کے بعد یہ جواب بھیجا کہ سارے جواہرات کو دیکھنے اور ان کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے چودہ سال کی مدت درکار ہوگی۔ اس جواب کو سن کر اورنگ زیب نے اتنا وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس خیال کو ترک کر دیا ٭

———— ⁘ ————

باب دوم

جب اورنگ زیب نظامِ مملکت کو درست کر رہا تھا کہ رعایا امن و امان اور بہتر حکومت سے دوچار ہو، تو ہندو راجہ کچھ تو اس کی دوستی اور اپنی حیثیت بڑھانے کی خاطر اور کچھ فوج میں عہدوں کے حصول کے لئے دربار میں حاضری دینے لگے۔ اورنگ زیب نے ان کی تواضع میں کبھی کوئی کمی نہ کی مگر وہ ہر ایک کو آسودہ بھی نہ کر سکتا تھا، تاہم ہم انسانوں کی فطرت میں یہ خرابی ہے کہ ہم ہمیشہ خود کو زیادہ کا مستحق خیال کرتے ہیں۔

پس ان میں سے تین راجا ان عہدوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے جو فاتح بادشاہ نے انہیں پیش کئے۔ ان کا عذر یہ تھا کہ وہ اعلیٰ درجے کے راجہ ہیں اس لئے اس عہدے اور تنخواہ کو قبول نہیں کر سکتے جس کی پیش کش انھیں ہوئی ہے۔ یہ سن کر اورنگ زیب خاموش ہو گیا اور اس نے اپنی ناراضی کا کوئی اظہار نہ کیا۔ اس بات سے ان راجاؤں نے یہ فرض کر لیا کہ اُسے ان کی بہت سخت ضرورت ہے لہذا اپنے جواب سے وہ اور زیادہ مغرور اور بر خود غلط ہو گئے۔ لیکن تین دن بعد اس نے خفیہ احکامات صادر کئے کہ اُن کے سر قلم کر دیئے جائیں۔ پس بلا کسی شک و شبہ میں مبتلا ہوئے انھوں نے ننگی تلواروں کو اپنی گردن پر دیکھا۔ تمام معذرتیں اور معافیاں ان کے کسی کام نہ آئیں۔ اُن تینوں کا سر

کاٹ دیا گیا اور انھیں شاہی قلعے کے پھاٹک پر نصب کر دیا گیا۔ اس عمل سے دوسرے راجہ چوکنے ہو گئے اور انھوں نے ان تمام شرائط کو بلا عذر قبول کر لیا جو اورنگ زیب نے انھیں پیش کیں۔

اس نے یہ حکم دیا کہ فوری طور پر بیس ہزار سوار اور پچاس ہلکی توپیں بیکانیر کے حاکم راجہ کرن کے خلاف بھیجی جائیں۔ اس مہم کا سالار رضا نازخان تھا۔ اورنگ زیب کی تاجپوشی کے بعد اس راجہ نے دربار میں حاضری سے انکار کر دیا تھا، اور اس کے لئے نہایت واضح احکامات یہ تھے کہ نافرمانی کے بدلے اس کا سر لایا جائے۔ جب راجہ جے سنگھ کو جو راجہ کرن کا رشتہ دار تھا یہ علم ہوا تو اس نے بادشاہ سے تھوڑی سی مہلت مانگی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اس اثنا میں راجہ کرن کو دربار میں کورنش بجا لانے کے لئے پیش کرے گا۔

اس بات کے پیش نظر، راجہ جے سنگھ نے متذکرہ راجہ کو یہ لکھ بھیجا کہ اورنگ زیب جیسے زبردست اور فتح مند حکمران سے کر لینی خلاف مصلحت ہے لہذا تم میرا یہ مشورہ جو میں عزیز اور دوست کی حیثیت سے دے رہا ہوں مان لو اور فوراً یہاں آ جاؤ۔ جنگ مت کرو، اس لئے کہ اورنگ زیب بہت طاقتور ہے۔ اور اگر بادشاہ نے تمھارے خلاف جنگ کی تو میں نہ تو تمھارا دوست رہ سکتا ہوں اور نہ کسی طور تمھاری مدد کر سکتا ہوں۔ اس کے برعکس میں اس بات پر مجبور ہو جاؤں گا کہ تمھارے خلاف جنگ کروں۔

راجہ کرن نے جو نہایت طاقتور ہندو راجہ تھا، راجہ جے سنگھ کو یہ جواب دیا کہ میں آپ کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن اپنے آبا و اجداد کی قائم کردہ رسم کے خلاف عمل نہیں کر سکتا۔ ان میں سے کبھی کسی نے دربار کی حاضری قبول نہیں کی۔ اس لئے میرا فیصلہ یہ ہے کہ قدیم رسم سے منحرف ہونے کے بجائے میں ایک ہزار مرتبہ اپنی جان دینے کو ترجیح دوں۔ میری صدق دل سے یہ خواہش ہے کہ بادشاہ کے ساتھ کوئی معاملہ ہو جائے مگر اس طرح کہ مجھے دربار میں حاضری پر مجبور نہ کیا جائے۔ راجہ جے سنگھ نے سارا معاملہ اورنگ زیب کے سامنے رکھا، جس نے راجہ کرن کے مضبوط ارادے کے پیش نظر درگذر سے کام لیا لیکن راجہ کو یہ حکم دیا کہ وہ دکن میں بیجاپور کے ایک باغی شیواجی کے خلاف مہم پر روانہ ہو۔ اس مہم کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔ راجہ کرن احکام بجا لایا مگر اس طرح گویا وہ جنگی مہم پر جانے کے بجائے محض سیر و تفریح کے لئے نکلا ہو۔ وہ محض رات کو سفر کرتا اور وہ بھی بمشکل چند میل۔ اورنگ زیب نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی درگذر کرنا مناسب سمجھا۔ عقلمند حکمران اکثر اوقات بناوٹ سے کام

لیتے ہیں اور تھوڑے پر اس لئے اکتفا کرتے ہیں کہ مستقبل میں زیادہ سمیٹ سکیں۔ وہ شخص جو اپنے اقتدار کے شروع میں بڑوں سے برتاؤ کرتے ہوئے بزدلی سے کام لیتا ہے، بعد ازاں وقت نکل چکنے کے بعد اپنی بزدلی پر کف افسوس ملتا ہے۔

اورنگ زیب اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وعدے وعید کرنے میں بہت فراخدل تھا لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی طے کر لیتا تھا کہ اپنے الفاظ پر قائم نہیں رہے گا۔ اس کا اصول جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں یہ تھا کہ قسم کو محض دھوکا دینے کے لئے استعمال کرنا چاہیے اور قارئین اس بات کی صداقت کا اندازہ میری تاریخ سے لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح اس نے شیواجی سے عہد توڑا مگر یہ سودا اُسے مہنگا پڑا، اس لئے کہ آج تک، جبکہ میں یہ لکھ رہا ہوں وہ حتی المقدور اسی ایک راجہ سے لڑنے میں مصروف رہا ہے۔

اپنی بادشاہت کو مکمل طور پر مستحکم دیکھ کر (۱۶۵۹ء) اورنگ زیب نے اپنے ماموں شائستہ خاں کو ایک لشکر جرار کے ساتھ بھیجا کہ وہ شیواجی کو خراج دینے پر مجبور کرے اور اُسے وہ مالیانہ وصول کرنے سے روک دے جس کی مراعات اسے شاہ جہاں کے خلاف بغاوت کے آغاز میں ملی تھیں۔ اس کی نظر میں اس اقرار نامے کی کوئی وقعت نہ تھی جو تانبے کی تختی پر لکھوا کر خود اس نے اُسے بخشا تھا اور جس پر یہ مراعات مرقوم تھیں۔ شائستہ خاں کو یہ حکم بھی ملا کہ بیجاپور اور گولکنڈہ کے حکمرانوں کو بھی دھمکائے اور انہیں زیادہ خراج دینے پر مجبور کرے۔ ان قابلِ رحم اور ڈرپوک مخلوقوں نے تو وہی کیا جو اورنگ زیب چاہتا تھا مگر شیواجی کا عمل مختلف تھا۔ وہ جنگ پر ڈٹ گیا اور کبھی اِس سمت سے کبھی اُس سمت سے حملے کر کے مغل سلطنت اور بیجاپور میں لوٹ مار شروع کر دی اور بہت سے قلعوں اور علاقوں کو تسخیر کر لیا۔

اورنگ زیب کی تاجپوشی کے بعد جن لوگوں نے فوری طور پر دربار کا رُخ کیا ان میں اورنگ زیب کا ایک سابق اتالیق مُلا صالح بھی تھا۔ یہ شخص اس آمدنی پر جو شاہ جہاں نے اس کے لئے مقرر کی تھی کابل میں گزر اوقات کرتا تھا۔ اپنے شاگرد کو مبارکباد دینے کے لئے روانہ ہونے سے پہلے اس نے کچھ توقف کیا پھر مسلمان علماء کے عام لباس سے زیادہ پُر تکلف لباس زیب تن کر کے وہ اپنے سفر پر روانہ ہوا یہاں تک کہ دلّی پہنچ گیا۔

یہاں آکر اوّل اوّل اس نے امراء کے یہاں حاضری دینی شروع کی اور ہر ایک کی اعانت اس مقصد کے لئے چاہی کہ اس پر بادشاہ کا التفات زیادہ ہو اور وہ عطیات میں زیادہ فیاضی دکھائے۔

اورنگ زیب کو اپنے استاد کی آمد کی اطلاع ملی مگر وہ ٹال گیا تاکہ اس دوران میں وہ اس سے گفتگو کرنے کے لئے خود کو تیار کر سکے، اور اسی بہانے اپنے بیٹوں کے اتالیقوں کو یہ سبق دے سکے کہ شہزادوں کی تربیت کس نہج پر ہونی چاہیئے۔

پس اس طرح تین ماہ کی مدت گذر چکنے کے بعد مُلا صالح کو اپنے شاگرد کی زیارت نصیب ہوئی۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب مُلا صالح کو بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونا تھا۔ اورنگ زیب نے مخصوص امراء علمائے دین اور اپنے بیٹوں کے اتالیقوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اس تقریب میں حاضر ہوں۔ اس خبر پر بہت خوش ہو کر اور کسی بڑے انعام کی توقع کے ساتھ مُلا صالح دربار میں حاضر ہوا اور درباری رسوم کے مطابق کورنش بجا لایا۔ تب بادشاہ نے مُلا کو اپنا منہ کھولنے کا موقع دیئے بغیر یوں کہنا شروع کیا:

"استاد محترم! اس دنیا کے کسی صاحب اولاد یا بادشاہ یا شاہزادے کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ کسی مضبوط صحت مند اعضا والی اَنّا کی تلاش کرے جو بچے کو دودھ پلائے تاکہ اس کے کمزور اعضا مضبوط اور توانا ہوں۔ بچہ دودھ کے ساتھ اپنی اَنّا کی صحت بھی قبول کرے گا اور یوں شاہی توقعات کے مطابق وہ اپنی رعایا کے لئے اچھا حکمران بننے کی قوت حاصل کرے گا۔ لیکن بادشاہ کی پریشانیاں یہیں ختم نہیں ہوتیں بلکہ اس کے برعکس جتنی پریشانی اُسے دودھ پلانے والی اَنّا کی تلاش میں ہوئی ہوگی اس سے زیادہ فکر ننھے شہزادے کی تربیت کے لئے اتالیق کی جستجو میں کرنی ہوگی۔ اس لئے جس طرح دودھ پر بچے کی صحت کا دارومدار ہے اسی طرح اس کی ذہنی زندگی کا انحصار اچھی تعلیم پر ہے اور یہ چیز محض جسمانی وجود سے زیادہ اہم ہے: یہی وجہ ہے کہ تمام شہنشاہوں، بادشاہوں اور راجاؤں نے حتی الامکان کوشش اپنے بیٹوں کے واسطے اچھے اتالیق کے حصول کے لئے کی ہے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے رہے ہیں کہ اس شیر روحانی کے بغیر بچے میں باپ کی خصوصیات مکمل نہیں ہوں گی، نہ ہی وہ اپنی رعایا کی توقعات کے مطابق کامیاب حکمران ثابت ہوگا۔"

"یہ ممکن ہے کہ بالغ ہو کر شہزادہ اوائل عمر کے اچھے درس کو بھول جائے اور خود کو عام انسانی برائیوں کے سپرد کر دے مگر یہ ناممکن ہے کہ غیر تربیت یافتہ بچہ بڑا ہو کر خوبیوں کا حامل بن جائے۔ اسی باعث حکیم ارسطو یہ کہتا ہے کہ جس قدر بچے باپ کے مرہونِ منت ہوتے ہیں اسی قدر استاد کے۔ ایک کا کام جسمانی زندگی عطا کرنا ہے اور دوسرے کا روحانی۔ لیکن ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ

سمجھتا ہوں کہ شاگرد اپنے والدین کے مقابلے میں اُستادوں کے احسان کش زیادہ ہوتے ہیں، یوں کہ جسمانی زندگی روحانی زندگی کے بغیر کسی قدر کی حامل نہیں ہوتی اور اگر کسی شخص کو روحانی زندگی نصیب ہو تو اُس کیلئے یہ بہتر ہے کہ وہ مادی زندگی بھی قبول نہ کرے۔ یہی وہ خوبی ہے جو اعلیٰ تربیت کا نتیجہ ہوتی ہے اور جس کے بغیر کوئی شخص بھی اچھا حکمران نہیں بن سکتا۔

"علم کے بغیر انصاف ممکن نہیں، نہ ہی عدل کے بغیر رعایا کے لئے امن و امان کا امکان ہے۔ علم عقل کا قابلِ اعتماد ترازو، خود فریبی کا علاج، ستم زدوں کا ہامی، مظلوموں کی پناہ گاہ اور بدوں کے لئے دہشت ہے۔ ہوشمندی ریاست اور معاشرے کا ضمیر اور اعتدال کا راستہ ہے۔ اس کی حیثیت اندھیرے میں روشنی اور ستاروں کے درمیان آفتاب کی ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شہزادہ جسے کوئی عالم مل جائے جو اسے پوری وفاداری اور محبت سے ان اعلیٰ صفات اور خوبیوں کا حامل بنائے جو کسی بادشاہ کے لئے مناسب ہوتی ہیں اور میں قصہ کہانیوں اور دنیا کی تاریخوں میں ایسے بے شمار شہزادوں، بادشاہوں اور حکمرانوں کے تذکرے سے خوش ہوتا ہوں جنہیں یہ خوش نصیبی حاصل ہوئی۔

"لیکن اے ملا صالح! میں اس بات کو یاد کرکے نہ روؤں تو کیا کروں کہ اپنی کم عمری میں آپ کی زیرِ نگرانی آگیا۔ اور آپ نے میرے اس اعلیٰ ذہن کو نظر انداز کرتے ہوئے جو قدرت کی جانب سے ودیعت ہُوا تھا مجھے ایسی فضول اور لایعنی باتیں سکھائیں جن کا مجھ سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس طرح میرا وقت ضائع کیا یا کم از کم مجھے وہ باتیں بتائیں جو علماء کے گفتگو میں زیورِ سخن بن سکتی تھیں اور ان باتوں سے درگذر کیا جو کسی شہزادے کی تربیت کے لئے ضروری تھیں۔ مثال کے طور پر کیا آپ نے مجھے دنیا کی سلطنتوں کے متعلق، یعنی آشوریوں، ایرانیوں یا سیتھیوں کے بارے میں کچھ بتایا جو چمڑے کھالوں کا لباس زیب تن کرتے تھے، پہاڑوں میں رہتے تھے اور تعداد میں بہت کم تھے، مگر آج ترکوں کے نام سے سارے ایشیا اور افریقہ پر مسلط ہیں اور حکومت کی باگ ڈور اپنے مضبوط ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے ہیں؟ آپ نے مجھے یورپیوں کی شجاعت اور قوتِ ایجاد و اختراع کے بارے میں کب بتایا، جنھوں نے اپنی مختصر قوت سے عثمانیوں کی زبردست طاقت کا مقابلہ کیا اور انھیں پسپا کر دیا؟ یا کم از کم آپ چین کی عظمت و دولت کے بارے ہی میں مجھے مطلع کرتے یہ تمام معلومات آپ نے مجھ تک کبھی نہ آنے دیں۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا علم مملکت ہندوستان اور اس کے حکمرانوں تک ہی محدود ہو، اس لئے کہ آپ نے مجھے یہ بتایا تھا کہ دنیا میں اور سلاطین ہیں ہی نہیں اور جو ہیں وہ کم مایہ اور بے حیثیت حکمران ہیں۔ آپ نے

مجھے ان کی افواج، ان کی جنگوں، ان کی رسوم، ان کے مذہب، ان کی طرزِ حکومت اور تجارت کے متعلق کچھ نہ بتایا۔ مجھے آپ سے خود اپنے اجداد یعنی مشہور زمانہ تیمور یا چنگیز بابر کا نام تک بہ مشکل معلوم ہو سکا جو اس سلطنت کے بانی تھے۔ آپ نے مجھے ان کے سوانح حیات، ان کی حیرت انگیز فتوحات، طریقِ حرب صف بندیٔ افواج یا سالاریٔ سپاہ کے بارے میں کچھ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ آپ کی ساری کوشش کا مقصود محض یہ رہا کہ مجھے اچھا خاصا عرب بنا ڈالیں اور یوں میرا سارا وقت ایسی زبان کے سیکھنے میں برباد کرا دیا جس میں تھوڑی بہت مہارت حاصل کرنے کے لئے دس بارہ سال کی مدت درکار ہوتی ہے۔ اس دوران میں میری نوجوانی اور اعلیٰ خیالات کے حصول کی صلاحیت ختم ہو گئی۔

اگر میں واقعی کسی شخص کا مرہونِ منت ہوں تو وہ شیخ میر ہیں، جن کا میں بے حد شکر گزار ہوں اور جنہیں میں اپنا اتالیق کہہ سکتا ہوں۔ انہوں نے مجھے فنِ حرب سکھایا۔ وہ ایسا شخص تھا جس نے میری محبت میں اجمیر کے نزدیک دارا کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جان تک دے دی۔ اگر آپ کو فنِ حرب سے واقفیت نہ تھی تو کم از کم ایسے موقع کے لئے جب کہ میرے والد مجھے کسی صوبے کی حکومت سونپتے، آپ مجھے طریقِ حکمرانی ہی سکھا سکتے تھے۔ آپ عدل وانصاف کے قوانین رقم کر سکتے تھے۔ یہ بتا سکتے تھے کہ عوام میں کس طرح مقبولیت حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ کہ کن حالات میں امرا کی سرکشی اور وزرا کی بدنظمیوں کے پیشِ نظر سختی یا درگذر سے کام لیا جائے، اور بے ضابطگیوں کو دُور کرنے کے لئے کیا کیا جائے؟ آپ کو مجھے یہ سب کچھ سکھانا چاہیے تھا لیکن اس قسم کی باتوں کے بارے میں آپ نے مجھے ایک لفظ بھی نہ بتایا۔

پس آپ سے مجھے کچھ نہیں ملا بلکہ آپ نے مجھے گمراہ ہی کیا۔ لہذا اب آپ جائیں اور جو کچھ میرے باپ نے آپ کو بخشا ہے اسی پر اکتفا کریں۔ میرے سامنے کبھی نہ آئیں، اس لئے کہ آپ نے میرا بہت وقت ضائع کیا ہے اور آپ ہی کی غلطی کے باعث آج کا دن بھی برباد گیا ہے۔

اس تقریر کے بعد اورنگ زیب محل سرا میں واپس چلا گیا اور امرا کو ورطۂ حیرت میں ڈال گیا۔ علماً اور زیادہ متفکر ہوئے، بالخصوص وہ جو اس کے بیٹوں کے اتالیق تھے اور وہاں موجود تھے۔ مُلّا صالح بہ حالت مایوسی، منہ لٹکائے دربار سے چلا گیا اور جلد ہی لاپتہ ہو گیا۔ اس کے بعد سے اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا گیا۔

جب شاہ جہاں بادشاہ تھا اور دلّی میں رہتا تھا تو بیگم صاحب کی رہائش اپنے محل میں تھی جو قلعہ

محل سے باہر واقع تھا۔ روشن آرا بیگم بھی اُسی قسم کی آزادی اور تفریح کے لئے بے چین تھیں۔ اورنگ زیب کی محبت اور احساس ممنونیت پر بھروسہ کرتے ہوئے انہوں نے یہ درخواست گذاری کہ انھیں وہی محل دے دیا جائے تاکہ وہ قلعہ معلّیٰ سے باہر رہ سکیں اور اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گذاریں۔ اورنگ زیب اس التجا کے مفہوم کو سمجھ گیا لیکن عمداً اس بات کو درگذر کرتے ہوئے اس نے یہ جواب دیا: "میری پیاری بہن روشن آرا بیگم میں صدق دل سے تمھاری خواہش ماننے کو تیار ہوں مگر تمھارے لئے جو بے پناہ محبت میرے دل میں ہے اس کے پیشِ نظر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تمھاری رفاقت سے محروم ہو جاؤں۔ رواج کے مطابق شہزادیاں اپنے باپ کے محل سے باہر نہیں رہ سکتیں اور میری بیٹیاں تمہارا فراق برداشت نہیں کر سکتیں۔ بس اسی وجہ کی بنا پر یہ بہتر ہوگا کہ تم ان کے ساتھ ہی رہو اور انھیں شاہزادیوں کے مناسب حال تربیت دو۔ کیا کسی وجہ سے محل میں جہاں تم رہتی ہو کسی شے کی کمی ہے؟ یا تمھاری املاک بیگم صاحبہ کی املاک سے کم ہیں؟ تمھیں یہ بخوبی معلوم ہے کہ میری ساری ملکیت اور مغلوں کی ساری دولت، سب کچھ تمھارا ہے۔"

شاہی محل کے بارے میں یہ اور اسی قسم کی دیگر اطلاعات مجھے ایک پرتگالی خاتون تومانہ یا مارگیٹر سے ملا کرتی تھیں، جسے ہگلی کی فتح کے وقت مسلمانوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ شاہی دسترخوان کی ذمہ داری اس کے سپرد تھی اور روشن آرا بیگم اُسے بہت عزیز رکھتی تھیں۔ اُس قاعدے کے مطابق جو محلسرا میں رہائش پذیر سپاہیوں کی بیویوں پر منطبق ہوتا تھا، اُسے یہ اجازت تھی کہ وہ ایک ماہ میں سات دن اپنے شوہر کے گھر رہے۔ ان دنوں میں، اس ربط کے سبب جو وہ مجھ سے رکھتی تھی، ان تحائف کے علاوہ جو وہ میری نذر کرتی، محلسرا کے بارے میں ایسی اطلاعات بھی مجھے بہم پہنچاتی تھی۔

چند ماہ بعد ماتحت خواجہ سراؤں نے بادشاہ کے خاص خواجہ سرا کو یہ اطلاع دی کہ کس طرح دو اشخاص روشن آرا بیگم کی رہائش گاہ میں داخل ہوتے دیکھے گئے۔ چونکہ یہ معاملہ نازک تھا اس لئے خواجہ سرا چُپ ہو رہا اور بلا کسی تنبیہ کے اس نے دو معتبر چوکیداروں کے ذمے یہ کام کیا کہ وہ حقیقت کا پتہ چلائیں۔ چند دنوں میں ان محافظوں نے باغ میں دو نوجوانوں کو پکڑ لیا جنھیں روشن آرا بیگم نے مطلب براری کے بعد فارغ کیا تھا۔ انھیں بادشاہ کے پاس لے جایا گیا جس نے فوراً یہ بھانپ لیا کہ وہ وہاں کیوں گئے تھے اور بلا کسی تحقیق کے یہ حکم دیا کہ بیقیدی جس راہ سے آئے ہیں اسی سے واپس چلے جائیں۔ ایک نے یہ کہا کہ وہ دروازے سے آیا تھا اور اسے دروازے سے واپس جانے کی اجازت دی گئی۔ دوسرا بے احتیاطی سے یہ کہہ گزرا کہ وہ باغ کی دیوار پھاند کر آیا تھا۔ شاہی

خواجہ سرا نے جسے یہ فکر دامن گیر تھی کہ وہ خود پر عائد شدہ لاپرواہی کے الزام کا بدلہ لے، اس شخص کو باغ کی دیوار پر سے نیچے پھینکوا دیا جس کے باعث وہ مرگیا۔ اورنگ زیب خواجہ سرا کی اس حرکت سے بہت پریشان ہوا اس لئے کہ وہ اس نازک معاملے کو، جس سے شہزادی کی عزت وابستہ تھی، پوشیدہ رکھنا ہی قرینِ مصلحت تصور کرتا تھا۔ اس واسطے خواجہ سرا کو چند یوم کے لئے اس کے عہدے سے معزول کر دیا گیا اور اس کی توجیہہ یوں کی گئی کہ وہ محلسرا کے ملازموں پر معمول سے زیادہ سختی کرتا ہے۔ یوں خواجہ سرا نے مجبوراً روشن آرا بیگم کے گناہ اپنے سر لے لئے مگر شہزادی کے لئے اورنگ زیب کی گرمجوشی میں کچھ کمی آگئی اور کچھ دنوں بعد اسی قسم کے اسباب کی بنا پر اُسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے جس کا ذکر میں مناسب مقام پر کروں گا۔

بالعموم محلسرا میں مختلف نسلوں کی دو ہزار عورتیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا منصب اور مخصوص فرائض ہوتے ہیں۔ یا تو وہ بادشاہ کی حضوری میں ہوتی ہیں یا پھر اس کی بیویوں، بیٹیوں یا داشتاؤں کی حضوری میں۔ اس آخری طبقے میں نظم قائم رکھنے کے لئے ہر ایک کی رہائش گاہیں ہوتی ہیں اور ہر ایک کی نگران اُردا بیگنیاں ہوتی ہیں۔ ہر ایک کے لئے دس دس بارہ بارہ خادمائیں ہوتی ہیں جنھیں مندرجہ بالا عورتوں میں سے منتخب کیا جاتا ہے۔ نگران عورتوں کے علاوہ ناظم موسیقی اور ان کے ساتھ سازندہ خواتین بھی ہوتی ہیں۔ ان عورتوں میں کچھ شہزادیوں کو پڑھنا لکھنا بھی سکھاتی ہیں اور بالعموم وہ انھیں عشقیہ اشعار ہی لکھواتی ہیں۔

محلسرا میں عورتیں جس طور بادشاہ کی حضوری میں رہتی ہیں وہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ جس طرح بادشاہ کے مختلف عہدیدار باہر ہوتے ہیں اسی طرح محل کے اندر بھی صنفِ نازک کو مختلف عہدوں پر مقرر کیا جاتا ہے۔ ان خواتین میں بعض ان اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتی ہیں جن پر باہر امرا ہوتے ہیں۔ اور جب بادشاہ خود باہر نہیں آتے تو انھیں ممتاز عورتوں کے ذریعے باہر کے عہدیداروں کو وہ احکامات ملتے ہیں جو محلسرا کے اندر سے دیئے جاتے ہیں۔ ان عہدوں پر جو خواتین فائز ہوتی ہیں ان کا انتخاب بڑی احتیاط سے کیا جاتا ہے۔ ان میں حاضر دماغی اور معاملہ فہمی کی صلاحیت بدرجہ اتم ہوتی ہے اور وہ پوری سلطنت کے حالات سے بخوبی واقف ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ جب باہر کے عہدیدار بادشاہ کے لئے ضروری اطلاعات تحریری صورت میں محل سرا میں بھیجتے ہیں تو یہ عہدیدار خواتین ہی بادشاہ کے ایما پر ان کے جوابات بھیجتی ہیں۔ ان سربمہر خطوط کو لانے لے جانے کے لئے خواجہ سرا ہوتے ہیں جو ان معاملات کے متعلق ایک جانب سے

دوسری جانب لکھے جاتے ہیں۔

بادشاہ نصف شب تک جاگتا ہے اور مسلسل کام میں مشغول رہتا ہے۔ وہ محض تین گھنٹے سوتا ہے اور نیند سے فارغ ہو کر فریضۂ نماز ادا کرتا ہے جس میں ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوتا ہے۔ سال کے چالیس دن توبہ کے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے فتحمندی اور حکمت عملی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے وہ زمین پر سوتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور خیرات کرتا ہے۔ لیکن آج کل جب کہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے اور دشمن اُسے اس قسم کے کام نہیں کرنے دیتے تو وہ مجبوراً آرام کرتا ہے۔ اس کے باوجود کوئی صبح ایسی نہیں ہوتی کہ وہ امورِ سلطنت پر غور و فکر کرنے کے بعد احکامات صادر نہ کرے۔ پس چوبیس گھنٹوں میں وہ محض ایک وقت کا کھانا کھاتا ہے اور تین گھنٹے سوتا ہے۔ بوقتِ خواب اس کی حفاظت کا کام ان کنیزوں کے سپرد ہوتا ہے جو بہت بہادر ہوتی ہیں اور تیر کمان اور دیگر ہتھیاروں کے استعمال میں طاق ہوتی ہیں۔

شاہی باورچی خانے کے اخراجات کے لئے روزانہ ایک ہزار روپے کی رقم دی جاتی ہے۔ ملازم اس رقم میں سے اشیائے ضرورت کا بندوبست کرتے ہیں۔ انھیں مقررہ تعداد میں مختلف اقسام کے گوشت اور کھانے شاہی دسترخوان پر چینی کے برتنوں میں سونے کی تپائیوں پر سجا کر رکھنے پڑتے ہیں۔ ازراہِ عنایت بادشاہ ان میں سے کچھ بچا ہوا، بیگمات، شہزادیوں اور محافظ دستے کے سالاروں کو بھجوا دیتا ہے۔ اس عزت افزائی کی مہنگی قیمت ادا کرنی ہوتی ہے اس لئے کہ وہ خواجہ سرا جو کھانا لے جاتے ہیں اچھا خاصا انعام لے کر ہی ٹلتے ہیں۔ جب بادشاہ کسی دشمن کے ملک میں ہو جہاں چیزیں گراں ہوں تو اس مقررہ رقم کا چنداں خیال نہیں کیا جاتا۔ کھانے پر مقررہ اقسام کے گوشت ہونے ضروری ہیں۔ یہاں تک کہ کسی مہم کے موقع پر اخراجات پر کوئی پابندی ہوتی ہی نہیں۔ لیکن محلسرا میں بیگمات، شہزادیوں اور تمام دیگر عورتوں کے اخراجات کے لئے علیحدہ علیحدہ رقوم مقرر ہوتی ہیں۔

گو اورنگ زیب نے موسیقی کو ممنوع قرار دیا ہے مگر محلسرا میں بیگمات اور بیٹیوں کی تفریحِ طبع کے لئے بہت سی رقاصاؤں اور طوائفوں کو طلب کیا جاتا ہے۔ اس نے ان طوائفوں کی نائکاؤں کو مختلف خطابات سے بھی نوازا ہے۔

محل کے اخراجات غیر معمولی ہیں، وہ کسی طور ایک کروڑ روپے سے کم نہیں ہوتے جو تورین کے

سکے کے مطابق ڈیڑھ کروڑ لیورس کے برابر ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں ان سرا پاؤں خلعتوں کی رقم بھی شامل ہے جو بادشاہ سپہ سالاروں اور عہدیداروں کو بخشتا ہے۔ ان اخراجات پر یقین محض اس صورت میں کیا جا سکتا ہے جب ہم یہ جان لیں کہ ہندوستان میں ہر شخص عطر اور پھولوں کا حد سے زیادہ شائق ہے۔ یہ لوگ مختلف اقسام کے عطر، عرق گلاب اور مختلف پھولوں سے کشید کردہ خوشبودار تیلوں پر بہت زیادہ رقم خرچ کرتے ہیں۔ ان اخراجات کے علاوہ پان کا خرچا ہے جو ہمیشہ ان کے منہ میں ہوتا ہے۔ یہ بات بھی مدِنظر رکھنی چاہیے کہ یہ اخراجات روزمرہ کے ہیں۔ ان میں بیش قیمت پتھروں کی خرید کا خرچ بھی شامل کر لیجیے۔ اس سبب سے سنار زیورات بنانے میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ ان سناروں کے بہترین اور بیش قیمت کام وہ ہوتے ہیں جو وہ بادشاہ کی بیگمات اور شہزادیوں کے لئے کرتے ہیں۔

بیگمات اور شہزادیوں کا محبوب مشغلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زیورات کو دیکھتی اور دوسروں کو دکھاتی رہتی ہیں۔ لیکن اس کی وجوہات ہیں۔ مجھے خود کئی بار ان خواتین کی رہائش گاہوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے کسی نہ کسی طور مجھ سے مشورہ کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ انھوں نے متعدد بار اپنے زیورات اور ہیرے جواہرات محض اس لئے منگوائے ہیں کہ آغاز کلام ہو سکے۔ انھیں سونے کے طباقوں میں لایا جاتا ہے۔ وہ مجھ سے ان کی خوبیاں اور خصائص دریافت کرتی ہیں اور اسی قسم کی دوسری باتیں کرتی ہیں۔ اس دوران میں مجھے ان کے بغور معائنے کا موقع ملا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ہر طرح کے پتھر دیکھے ہیں۔ بعض غیر معمولی طور پر بڑے ہوتے ہیں۔ یکساں پیمائش کے بڑے موتیوں کے ہار، جنھیں پہلے پہل دیکھ کر تو مجھے مختلف اقسام کے پھلوں کا شبہ ہوا۔ میں مختلف اقسام کے پھل اس لئے کہتا ہوں کہ لعلوں میں اس طرح سوراخ کر کے گوندھا گیا تھا جیسے موتیوں کو گوندھتے ہیں اور وہ اخروٹ کے برابر تھے۔ ان کے سرخ رنگ کی چمک سے موتیوں کے رنگ بھی مختلف ہو گئے تھے اور مجھے سب کے سب پھل معلوم ہوتے تھے۔

یہ خواتین اپنے لعل اس طرح یوں رکھتی ہیں کہ ان کے وزن اور پیمائش میں فرق نہ آنے پائے۔ انھیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کے علاوہ اور کوئی انھیں نہ پہنے گا۔ علاوہ ازیں وہ یہ ضرورت محسوس نہیں کرتیں کہ انھیں فروخت کریں۔ اس لئے وہ ان میں سوراخ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتیں۔ وہ جواہرات کی ان مالاؤں کو دونوں کندھوں پر ڈالتی ہیں اور اس کے ساتھ دونوں جانب موتیوں کی تین تین

لڑیاں ہوتی ہیں۔ بالعموم موتیوں کی تین یا پانچ مالائیں گلے میں بھی ڈالتی ہیں جو پیٹ کے نچلے حصے تک لٹکتی ہیں اور سر کے درمیان موتیوں کا ایک گچھا ہوتا ہے جو ماتھے کے درمیان تک آتا ہے جس کے ساتھ ایک قیمتی زیور ہوتا ہے جس میں قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں اور جو سورج یا چاند یا کسی ستارے کی شکل کا ہوتا ہے اور اکثر اوقات مختلف پھولوں سے مشابہہ بھی ہوتا ہے۔ یہ ان پر بہت سجتا ہے۔ داہنی طرف ایک چھوٹا سا گول زیور ہوتا ہے جس میں دو موتیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا لعل جڑا ہوتا ہے۔ کانوں میں قیمتی پتھر اور گلے کے چاروں طرف بڑے موتیوں یا قیمتی پتھروں کی مالا ہوتی ہے اور ان پر ایک اور قیمتی زیور ہوتا ہے جس کے درمیان ایک بڑا ہیرا یا لعل یا زمرد یا نیلم اور چاروں طرف بڑے بڑے موتی ہوتے ہیں۔

وہ کہنی سے اوپر بازوؤں پر دو انچ چوڑے قیمتی بازو بند پہنتی ہیں جن پر قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں اور ان میں موتیوں کے چھوٹے چھوٹے گچھے لٹکتے ہوتے ہیں۔ کلائیوں پر قیمتی پہنچیاں ہوتی ہیں یا موتیوں کی لڑیاں جو نو یا بارہ بار لپیٹی جاتی ہیں۔ اس طور اکثر اوقات ان کی نبض اتنی چھپ جاتی ہے کہ مجھے نبض پر ہاتھ رکھنے میں وقت محسوس ہوتی ہے۔ انگلیوں میں قیمتی انگوٹھیاں ہوتی ہیں اور داہنے انگوٹھے میں ہمیشہ ایک ایسی انگوٹھی ہوتی ہے جس میں پتھر کے بجائے چھوٹا سا گول آئینہ جڑا ہوتا ہے جس کے چاروں طرف موتی ہوتے ہیں۔ اس آئینہ کو وہ اپنی صورت دیکھنے کے لئے استعمال کرتی ہیں اور یہ وہ کام ہے جس کا شوق انہیں ہمہ وقت رہتا ہے۔ علاوہ ازیں کمر کے گرد دو انگل چوڑا سونے کا کمر زیب ہوتا ہے جس پر بڑے بڑے قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں۔ ازار بند کے سرے پر لعلوں کے گچھے ہوتے ہیں جن کی پندرہ لڑیاں ہوتی ہیں اور جن کی لمبائی پانچ انگل ہوتی ہے۔ پیروں میں دھات کے کڑے یا موتیوں کی لڑیاں ہوتی ہیں۔

ساری شہزادیوں کے پاس جواہرات کے چھ یا آٹھ مجموعے ہوتے ہیں، دوسرے اور بھی ہوتے ہوں گے جن کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ ان جواہرات کو یہ اپنی مرضی کے مطابق پہنتی ہیں۔ ان کے لباس اعلیٰ اور قیمتی ہوتے ہیں جنہیں عطر گلاب سے معطر کیا جاتا ہے۔ موسم کے تغیرات کے باعث جو مغل مملکت کی خصوصیت ہیں وہ اپنے لباس دن میں کئی کئی بار تبدیل کرتی ہیں۔

ہندوستان کی ساری عورتیں اپنے ہاتھ پیروں کو ایک خاص مٹی سے معطر کرتی ہیں جسے مہندی کہتے ہیں، جو ان کے ہاتھ پیر ایسے سرخ کر دیتی ہے گویا وہ دستانے پہنے ہوں۔ وہ اس لئے ایسا کرتی ہیں

کہ ہندوستان کی شدید گرمی کے سبب وہ نہ تو دستانے پہن سکتی ہیں اور نہ موزے۔ اسی سبب سے وہ اتنے باریک کپڑے پہنتی ہیں کہ ان کا جسم دکھائی دیتا ہے وہ اس کپڑے کو ساری کہتی ہیں اور دوسرے ملبوس بالعموم وہ دو یا تین کپڑے پہنتی ہیں جن میں سے ہر ایک کا وزن آدھی چھٹانک سے زائد نہیں ہوتا اور جس کی قیمت چالیس پچاس روپے ہوتی ہے۔ یہ قیمت اس بیل کے علاوہ ہوتی ہے جو وہ بالعموم ان پر ٹانکتی ہیں۔ وہ انہیں کپڑوں کو پہن کر سوتی ہیں اور چوبیس گھنٹوں کے بعد انہیں تبدیل کر لیتی ہیں پھر انہیں دوبارہ نہیں پہنتیں بلکہ اپنے ملازموں کو بخش دیتی ہیں۔

ان کے بال ہمیشہ اچھی طرح سے بنے سنورے اور خوشبودار تیل سے معطر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے سر کو ایک سنہرے کپڑے سے ڈھانکتی ہیں جو مختلف قسم اور رنگ کے ہوتے ہیں۔ سرد موسم میں یعنی ان دنوں میں جب گرمی کم پڑتی ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان میں لوگ یہ جانتے ہی نہیں کہ جاڑا کیا ہوتا ہے —— تو اس موسم میں وہ وہی لباس پہنتی ہیں۔ اسی لباس پر عمدہ کشمیرے سے بنی ہوئی ایک اونی قبا ڈال لیتی ہیں۔ کپڑوں کے اوپر عمدہ اونی دوشالے اوڑھتی ہیں جو اتنے باریک ہوتے ہیں کہ ایک چھوٹی سی انگوٹھی کے اندر سے گذارے جا سکتے ہیں۔

رات کے وقت ان کا سب سے بڑا مشغلہ یہ ہے کہ وہ بڑی بڑی مشعلیں روشن کراتی ہیں جس پر ایک لاکھ پچاس ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں۔ یہ مشعلیں موم یا تیل کی بنائی جاتی ہیں۔ بادشاہ کی اجازت سے کچھ بیگمات پگڑی باندھتی ہیں۔ پگڑی میں ایک قیمتی کلغی ہوتی ہے جس کے چاروں طرف موتی اور قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں۔ یہ ان پر بہت جچتی ہے اور وہ بہت زیادہ حسین نظر آتی ہیں۔ تفریحی تقریبات کے موقعوں مثلاً رقص وغیرہ کے لئے رقاصائیں ہوتی ہیں جنہیں اسی قسم کی مراعات حاصل ہوتی ہیں۔

ان بیگمات اور شہزادیوں کو جیب خرچ ان کی پیدائش اور حیثیت کے مطابق ملتا ہے۔ اس کے علاوہ انہیں بادشاہ کی طرف سے اکثر رقوم عطر، پان یا پاپوش کے لئے بھی مل جاتی ہیں۔ اس طرح وہ بےفکری سے زندگی گزارتی ہیں۔ اپنی شان و شوکت کے اظہار، شاہانہ ٹھاٹ باٹ کی نمائش، خود کو دلاویز بنانے کی کوشش، دنیا میں ہر چہار جانب چرچے کی خواہش اور بادشاہ کو خوش کرنے کے علاوہ ان کا اور کوئی مشغلہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ آپس کے حسد کو وہ مصلحتاً چھپائے رکھتی ہیں۔

محل میں جب کوئی شہزادی پیدا ہوتی ہے تو تمام عورتیں جشن مناتی ہیں اور اس خوشی کے اظہار

میں کثیر رقم صرف ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی شہزادہ پیدا ہوتا ہے تو اس جشن میں سارا دربار شریک ہوتا ہے جو بادشاہ کے حکم کے مطابق کسی کسی دن منایا جاتا ہے۔ شادیانے بجتے ہیں اور موسیقی گونجتی ہے۔ امرا بادشاہ کو مبارکباد دیتے ہیں اور جواہرات، روپے، ہاتھی یا گھوڑے کی صورت میں تحفے تحائف نذر گذارتے ہیں۔ اسی دن بادشاہ شاہزادے کا نام رکھتا ہے اور اس کا جیب خرچ مقرر کر دیتا ہے۔ جو فوج کے سالار اعظم کی تنخواہ سے زائد ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ان عہدیداروں کا تقرر بھی کر دیتا ہے جن کے ذمے نوزائیدہ شہزادے کی املاک کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ سال کے آخر میں کسی ایسے شاہزادے کی آمدنی کی بچت کو خزانے میں علیحدہ رکھ دیا جاتا ہے۔ شادی کے بعد جب اس کا اپنا محل ہو جاتا ہے تو یہ جمع شدہ رقم اس کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

پنجاہ ہزاری کے منصب کی آمدنی سے زائد آمدنی کسی شاہزادے کی نہیں ہوتی۔ یہ منصب بالعموم ولی عہد کا ہوتا ہے۔ فی زمانہ یہ منصب شاہ عالم کا ہے۔ جس کی آمدنی دو کروڑ روپے ہے۔ اس شاہزادے کے محل میں دو ہزار عورتیں ہیں اور اس کا دربار اتنا ہی پرشکوہ ہے جتنا کہ اس کے باپ یعنی بادشاہ کا۔ جب یہ شاہزادے باپ کا محل چھوڑ دیتے ہیں تو وہ اپنے دوستوں میں اضافے کے لئے تدابیر کرتے ہیں۔ وہ ہندو راجاؤں اور مسلمان سپہ سالاروں سے خفیہ خط و کتابت کرتے ہیں۔ بادشاہ بن جانے کے بعد ان کی حیثیت اور تنخواہ میں اضافے کا وعدہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ شرائط طے کر لیتے ہیں۔ اور اگر ان شہزادوں میں سے کوئی تخت پر بیٹھ گیا تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ ان لوگوں نے اس سے وفاداری برتی ہے۔

—— ⁘ ——

باب سوم

جب یہ خبر بلخ پہنچی کہ کس طرح اورنگ زیب اپنے بھائیوں کو ختم کر کے ہندوستان کا تاجدار بن گیا ہے تو بلخ کے بادشاہ نے نئے شہنشاہ کی نوجوانی کی شجاعت کو یاد کیا جب اُسے شہزادگی کے ایام میں شاہ جہان نے اس کے خلاف لڑنے کو بھیجا تھا۔ اسے یہ خوف لاحق ہُوا کہ اب بادشاہ بننے کے بعد کثیر دولت اور بے شمار جنگجو اور بہادر سپاہیوں کے ساتھ کہیں وہ بلخ کی راہ نہ لے اور پچھلی جنگوں کو ازسرِ نو شروع نہ کر دے۔ اس لئے اس نے سفیر روانہ کئے کہ وہ تحفے تحائف نذر گذاریں اور پرخلوص امن و دوستی کی طرح ڈالیں۔

اورنگ زیب ان تمام اسباب سے بخوبی واقف تھا جن کی بنا پر بلخ کے بادشاہ نے سفیر روانہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ گو اس مملکت کو فتح کرنے کا خیال اب بھی اس کے دل میں تھا لیکن اُسے یہ خوف بھی تھا کہ کہیں شاہ بلخ دوسروں کے ساتھ مل کر اس کی حکومت کے ابتدائی ایام میں ہی اس کے لئے پریشانی کا سبب نہ بنے۔ علاوہ ازیں وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ موسم سرما میں ایسی مملکت کے خلاف فوج کشی ناممکن تھی جو بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی ہو اور جب کہ ہندوستانی سپاہی بھی سردی کی برداشت نہ کر سکتے ہوں۔ چنانچہ اس نے محبت اور نیک نیتی سے سفیروں کا خیر مقدم کیا (۱۶۶۱ء) اس شرط پر کہ وہ ہندوستان

کی رسم کے مطابق کورنش بجالائیں، اس طرح کہ سر پہ ہاتھ رکھ کر وہ تین بار اُسے زمین تک لے جائیں۔ سفیروں نے اس شرط کو مان لیا اور بادشاہ کے حضور پہنچ کر شرط کے مطابق کورنش بجالائے۔ جب انہوں نے بادشاہ کے قریب ہونا چاہا تو نائب وزیر لطف اللہ خاں نے انھیں روک دیا اور ان کے ہاتھوں سے خطوط لے کر بادشاہ کے حضور میں پیش کئے، جس کے حکم کے مطابق وہ خطوط جعفر خاں وزیر اعظم کے حوالے کئے گئے کہ وہ ان کے جوابات تیار کرے۔ اس دوران میں اس نے حکم دیا کہ تمام اشخاص کو خلعت سے نوازا جائے اور ان کے لائے ہوئے تحائف کو اس کے حضور میں پیش کیا جائے۔

اورنگ زیب نے تحائف پر مسرت کا اظہار کیا اور حکم دیا کہ ان سفیروں کو جلد از جلد واپس بھیجا جائے اور اس دوران میں وہ جب چاہیں دربار میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ بادشاہ کی اس عزت افزائی پر سفیروں نے اظہارِ اطمینان کیا اس لئے کہ یہ بات ان کی توقعات سے زیادہ تھی۔ دربار کی حاضری کے دوران میں، اس رسم کے مطابق جو شہنشاہ اکبر نے قائم کی تھی، وہ کھڑے رہے۔ جب سفیر باہر چلے گئے تو اورنگ زیب نے یہ حکم دیا کہ اس چھوٹے گھوڑے کو (جو تحفے میں آیا تھا) لایا جائے تاکہ اس کی چال کا معائنہ کیا جا سکے۔ اس ننھی مخلوق کی پھرتی پر اُسے بڑی حیرت ہوئی اور مزید آزمائش کے طور پر اس نے یہ حکم دیا کہ اس پر آگرے تک سواری کی جائے۔ یہ دلّی سے تقریباً ۶۰ کوس کا فاصلہ تھا۔ اسے طلوعِ آفتاب کے وقت اعتبار خاں خواجہ سرا کے نام ایک خط دے کر روانہ ہونا تھا اور اعتبار خاں کو اس کی آمد کے وقت کے متعلق بادشاہ کو مطلع کرنا تھا۔ اعتبار خاں کے مطابق وہ غروبِ آفتاب سے قبل ہی قلعۂ آگرہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ یہ حکم ہوا کہ اُسے شاہی اصطبل میں امتیازی درجہ دیا جائے۔ اسے "باد رفتار" کا خطاب ملا جس کے معنی ہیں "ہوا کے مانند تیز"۔

سفیر دلّی میں چار ماہ لطف اللہ خاں کے گھر ٹھہرے جسے بادشاہ نے ان کی رہائش کے لئے تجویز کیا تھا۔ یہ تمام اشخاص نہایت گندے اور اپنی عادات و اطوار کے لحاظ سے گنوار اور اُجڈ تھے۔ ان کا رنگ سبز اور کالا تھا۔ قد لمبے، داڑھیاں چھتری اور آنکھیں چھوٹی تھیں۔ وہ چست شہسوار اور بہترمند تیر انداز تھے۔ ان کے تیر کمان مضبوط اور بڑے تھے۔ جب تک یہ دلّی میں رہے ان کے آدمیوں نے مختلف اشیائے تجارت مثلاً گھوڑے، اونٹ، مشک، قراقلی اور کھالیں، جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے فروخت کیں۔ میں نے بھی ان سے مختلف چیزیں خریدیں۔

انھوں نے جلد ہی بادشاہ کے حضور یہ التماس کیا کہ انھیں واپس جانے کی اجازت دی جائے اس لئے کہ شدید گرمی پڑنے کے باعث ان کے لئے یہاں کی آب و ہوا مناسب نہ تھی۔ چونکہ وہ سردی کے عادی تھے اس لئے ان میں سے کئی اشخاص مر گئے۔ لیکن ان کی اموات کا سب سے بڑا سبب ان کی حرص تھی۔ جو رقم بادشاہ کی جانب سے ان کے اخراجات کے لئے منظور ہوئی تھی وہ اسے خرچ نہ کرنا چاہتے تھے، اس لئے بیمار گھوڑوں اور اونٹوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔

ایسا ہوا کہ سفیر کا ایک عزیز بیمار پڑ گیا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ میں طبیب ہوں، کیونکہ وہ ہر یورپی باشندے کو طبیب ہی تصور کرتے ہیں، انھوں نے مجھے بُلا بھیجا۔ میں چند ٹوٹکے تو ضرور جانتا تھا مگر خود کو طبیب نہ کہلواتا تھا، نہ ہی مجھ میں اتنی ہمت تھی کہ دوسروں کی زندگیوں سے کھیل کر خود کو علم طب سکھاؤں۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ ان وحشیوں نے اپنے گھر بلایا ہے، مجھے ان کی طرزِ رہائش کے مشاہدے کا شوق ہوا۔ میں بڑے ٹھاٹ باٹ سے ان کے یہاں پہنچا۔ جب میں اندر گیا تو میں نے دیکھا کہ مریض نہایت گندے بستر پہ لیٹا ہوا ہے اور اس کے پسینے سے سڑے ہوئے پنیر کی بُو آ رہی ہے۔ میں نے اس کا قارورہ منگوایا تو اس میں بھی وہی بو تھی۔ میں نے اس کی نبض دیکھی مگر میرے خیالات نبض پہ مرتکز نہ تھے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ کوئی ایسی چیز ہاتھ آئے جو اُسے کامل شفا دینے کی مشکل کو حل کرے۔ تاہم میں نے یہ جان لیا کہ اُسے تیز بخار ہے۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر، جو بدبُودار پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ آگ پر رکھے برتن کی طرح جل رہا تھا۔ انھیں یہ جتانے کے لئے کہ میں بہت بڑا طبیب ہوں میں نے مریض کی عمر پوچھی اور پھر چند لمحے کے لئے خیالات میں ڈوب گیا گویا میں بیماری کا سبب "تلاش کر رہا ہوں۔ اس کے بعد طبیبوں کے انداز میں نے چند ایسے الفاظ کہے جن سے بیماری کی شدید نوعیت ظاہر ہوتی تھی۔ میں نے یہ اس لئے کیا کہ اگر وہ مر جائے تو میری شہرت و عزت کو بٹا نہ لگے سب کے سب میرے معترف تھے اور آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ میں بہت بڑا طبیب ہوں اور یہ کہ فرنگیوں کو طبیب کامل ہونے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے۔ سفیر نے مجھ سے پُرزور استدعا کی کہ میں اپنی ساری قوت اس کے عزیز کو صحتیاب کرنے میں خرچ کر دوں۔ میں نے اُسے شفا کی امید دلائی اور چونکہ بدبو کے باعث میں اس جگہ اور کچھ نہ کہہ سکتا تھا، میں نے یہ کہا کہ میں دوا تیار کرنے گھر جا رہا ہوں اور شام کو پھر آؤں گا۔

میں باہر نکلا اور اپنے ایک پرتگالی دوست کے پاس گیا جو میرا احسان مند تھا، اور اسے جو کچھ

گزرا تھا بتایا۔ چونکہ وہ دواؤں کے معاملے کافی واقفیت رکھتا تھا، اسے اس قسم کی اطلاع پر بہت حیرت ہوئی۔ اس کی یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ مریض کے لئے کیا تشخیص کرے۔ تاہم اس نے مجھے گولیاں دیں تین دن تک وہ میرے کام آئیں۔ میں انھیں مریض کو دیتا رہا مگر مجھے اس کی حالت بہتر ہوتی نہ دکھائی دی۔ اس کے باوجود سب یہی کہتے تھے کہ وہ شفایاب ہو رہا ہے جس پر میں بہت خوشی کا اظہار کرتا تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں دوا کی زیادہ سے زیادہ تعریف اور مرض کے خطرات کا ذکر کرتا تھا۔ دن میں دوبار اُسے دیکھنے جاتا تھا، ایک بار صبح کو اور دوسری بار شام کو اور ہر بار چار سوار مجھے لینے کے لئے آتے۔

تقریباً ہر روز جب میں وہاں جاتا تو مجھے سفیر کے ساتھ کھانا کھانا پڑتا تھا۔ اس طرح مجھے اُن کے کھانے کے طریقے کو دیکھنے کا موقع ملا۔ پچاس سے زیادہ آدمی کپڑا بچھا کر اس کے گرد بیٹھ جاتے تھے۔ کھانے میں اونٹ اور گھوڑے کا گوشت ہوتا تھا جو پانی میں نمک کے ساتھ پکایا جاتا تھا۔ بکری کے گوشت کے ساتھ پکا ہوا پلاؤ بھی ہوتا تھا۔ وہ کپڑا جو وہ دری پر بچھاتے تھے بہت گندہ ہوتا تھا۔ دو خدمتگار ننگے پیر کپڑے پر چل پھر کر کھانا تقسیم کرتے تھے۔ ہر ایک کے پاس ہاتھ میں ایک بڑا چمچہ ہوتا تھا۔ ازبک سرداروں کو کھاتے دیکھ کر گھن آتی ہے۔ کھاتے وقت ان کے ہاتھ ہونٹ اور منہ سب چکنائی سے تھتڑ جاتے ہیں اس لئے کہ ان کے پاس نہ تو کانٹے ہوتے ہیں اور نہ چمچے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس محض تین چار چھوٹی بڑی چھریاں ہوتی ہیں جنھیں وہ بالعموم اپنے پٹکے سے لٹکائے رہتے ہیں مسلمانوں کی عادت یہ ہے کہ وہ کھانا کھا کر اپنا ہاتھ بیسن سے دھو لیتے ہیں تاکہ چکنائی دُور ہو جائے اور اپنی مونچھوں کو احتیاط سے صاف کر لیتے ہیں۔ لیکن ازبک سردار اس قسم کا تکلف نہیں کرتے۔ جب وہ کھا چکتے ہیں تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لیتے ہیں تاکہ چاول کا ایک دانہ بھی نہ بچنے پائے۔ وہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مل لیتے ہیں تاکہ چربی گرم ہو جائے اور پھر دونوں ہاتھوں کو منہ، مونچھ اور ڈاڑھی پر پھیر لیتے ہیں گویا جو سب سے زیادہ چکنا ہو وہی سب سے زیادہ خوب صورت ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور پھر ہر ایک تمباکو نوشی شروع کر دیتا ہے اور کچھ دیر گفتگو کرتا رہتا ہے۔ یہ گفتگو چربی کے ذکر سے آگے نہیں بڑھتی، جس میں یہ شکایت ہوتی ہے کہ مغلوں کے ملک میں چربی دار چیزیں کھانے کو نہیں ملتیں اور یہ کہ پلاؤ میں گھی کم ہوتا ہے۔ اپنی اشتہا کی تکمیل کو خراج ادا کرنے کے لئے

وہ ایسی زوردار ڈکاریں لیتے ہیں جیسے بیل ڈکراتا ہو۔

گو یہ بات میری طبیعت کے خلاف تھی مگر میں نے مریض کا علاج جاری رکھا۔ اور اس سے پوچھ گچھ کر کے یہ معلوم کر لیا کہ مریض گھر پر کس قسم کا کھانا کھاتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چونکہ وہ گڈریا ہے اس لئے وہ اونٹنی کے دودھ پر گذارا کرتا ہے اور دودھ کو کھٹا کر کے جو پنیر اور دہی بنایا جاتا ہے، اُسے کثرت سے استعمال کرتا ہے۔ اس طرح میں نے یہ معلوم کر لیا کہ اس کے پسینے اور ڈکاروں سے جو بدبو آرہی تھی وہ اسی قسم کی غذا کی بدولت تھی اور ہندوستان کی گرمی نے اس بدبو کا اخراج کر دیا تھا۔ پس میں نے اُسے یہ مشورہ دیا کہ وہ اسی قسم کی غذا کھائے جو وہ اپنے ملک میں کھاتا تھا۔ مونگے کے ست کا شربت دے دے کر میں نے اُسے پانچ دنوں میں صحت مند کر دیا۔ سفیر اتنا خوش ہوا کہ اس نے نوسروے اور کافی مقدار میں خشک میوے میری نذر کئے۔ اس نے مجھ سے التجا کی کہ میں اس کے گھر ہی میں رہوں۔ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے جو کچھ کر سکتا تھا اس نے کیا۔ اس نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ بلخ کے بادشاہ سے مجھے زمین اور گھوڑوں، اونٹوں اور بھیڑوں کا گلہ دلوا دے گا۔

اس کے عملے میں شامل ہونے کو میرا بہت جی چاہتا تھا تاکہ میں اور دنیا دیکھ سکوں۔ مگر چونکہ ان کی عادات مجھے پسند نہ آئیں اس لئے میں نے بہتیری معذرتیں کیں اور یہ کہا کہ میں ان کے طرز زندگی کا کبھی عادی نہیں ہو سکتا۔

یہ سفیر بہت سی تاتاری اور ازبک عورتیں اپنے ساتھ فروخت کرنے کے لئے لائے تھے۔ وہ اس لئے حرم میں رکھی جاتی ہیں کہ یا تو پالکیاں اٹھائیں اور یا پھر جب بادشاہ اور شہزادے اپنی بیویوں کے پاس ہوں تو وہ پہرا دیں۔ انھیں اس کام کے لئے یوں منتخب کیا جاتا ہے کہ وہ جنگجو ہوتی ہیں اور تیر، تلوار اور برچھے کا استعمال خوب جانتی ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام "یخشی" تھا جس کے معنی ترکی زبان میں "خوب" ہوتے ہیں۔ یہ دراز قد، مضبوط، چوڑے چہرے اور چھوٹی آنکھوں والی عورت تھی جو تیر کمان کے استعمال میں ماہر تھی۔ اس عورت کو افتخار خاں نے خرید تھا جس نے اُسے بادشاہ کی نذر کر دیا۔ اورنگ زیب نے یہ حکم دیا کہ اسے بھی ان عورتوں میں شامل کر لیا جائے جو رات کو بادشاہ کے پہرے پر مقرر ہوتی ہیں۔

جب چند ماہ گذر گئے تو اُن شجاع عورتوں کی اُردا بیگنی نے بادشاہ کو یہ اطلاع دی کہ

بخشی گئی سے ہے۔ اورنگ زیب نے جواب دیا کہ اگر اس کے لڑکا ہوا تو وہ اس کی پرورش اپنے بیٹے کی طرح کرے گا اور اگر لڑکی ہوئی تو بیٹی کی طرح۔ اس تاتاری عورت کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا اور اُسے عالمتوکش بہادر کا خطاب دیا۔ "یعنی سارے عالم کا شجاع"۔ جب وہ بڑا ہوا تو اسے شہزادے کا مرتبہ ملا، لیکن اس نوجوان کے بدسلیقہ چال چلن کے باعث اورنگ زیب کو مجبوراً اُسے نکالنا پڑا۔ شہزادگی کا رتبہ ختم کر دیا گیا اور اُسے معمولی تنخواہ پر چھوڑ دیا گیا۔ یہاں یہ بتا دینا مناسب ہو گا کہ ہندوستان میں یہ رسم ہے کہ ایسے بچوں کی پرورش بیٹوں کی طرح ہوتی ہے۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ایسے بچے شاذ ہی اچھے نکلتے ہیں اور بالعموم گھر کی بربادی کا ثابت ہوتے ہیں۔

چار ماہ گذرنے والے تھے اور اب بلخ کے سفیر اپنے ملک کو واپس جانے کی خواہش کا اظہار کرنے لگے۔ اورنگ زیب نے ان کو رخصت کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ ہر ایک کو دو عمدہ سراپا اور آٹھ ہزار روپے نقد دیئے جائیں۔ بلخ کے بادشاہ کو اس نے زربفت کے بہت سے تھان، نقاب بنانے کے لئے بہت نفیس سفید کپڑوں کے تھان، پانچ بڑی بڑی قالینیں، دو جڑاؤ خنجر، عطر گلاب کی پانچ بوتلیں اور قیمتی اور خوب صورت سراپا تحفے میں دیئے، جن سے سفیر بہت زیادہ مطمئن ہوئے۔ ان کا اطمینان ناسمجھی کے سبب تھا اس لئے کہ انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ مغل بادشاہ محض رعایا کو ہی سراپا بخشتا ہے۔ کسی کو سراپا بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے اطاعت گذار تسلیم کر لیا گیا ہے اور اگر وہ اسے قبول کرے تو پھر کسی اور تحفے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بادشاہ سے رخصت طلب کرنے کے بعد سفیروں نے اپنا سامان شہر سے باہر بھیج دیا اور خود پچاس سواروں کے ہمراہ بڑے بڑے امراء سے رخصت طلب کرنے کے لئے ٹھہر گئے۔ سب سے پہلے وہ وزیر اعظم جعفر خاں کے پاس گئے۔ اس نے رسم کے مطابق خاصدان میں پان پیش کیا جس میں سے انھوں نے واپسی پر پان کھائے۔ خاصدان سونے کا تھا اور اس کی کشتی میں قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ دونوں ایک لاکھ روپے سے زیادہ قیمت کے تھے۔

سفیر نے تجاہل سے کام لیتے ہوئے اس بہانے سے کہ گویا دونوں چیزیں اُسے تحفے میں بخشی گئی ہیں، خاصدان اور کشتی لے کر اپنے کپڑوں میں رکھ لی جو بہت ڈھیلے چوڑے اور گھیرے دار ہوتے ہیں۔ بعد ازاں اس نے چند تحسینی کلمات کہے اور فوراً ہی رخصت چاہی۔ خواجہ سرا نے بلا تاخیر ان

گنواروں کی اس پست ذہنیت سے وزیر کو مطلع کیا۔ وزیران لوگوں کی حریص طبیعت سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ فوری طور پر تمام امرا کو بنگش کے سفیروں کی اس حرکت سے مطلع کیا جائے۔ امرا کو جب اس نقصان کی خبر ہوئی تو انہوں نے سفیروں کی آمد پر چاندی کے کم قیمت خاصدانوں میں پان بھیجے۔ محمد امین خاں اور اس کے بعد مظفرخاں نے یہی کیا۔ جب انہیں یہ پتہ چلا کہ جعفرخاں کی طرح اب اور کوئی دھوکے میں نہیں آئے گا تو انہوں نے پان کھائے مگر زیادہ ملاقاتیں نہ کیں اور شہر سے نکل کر اندر اور باہر کی پھرتی سمیت اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔

ملک کے نظم ونسق کو بڑی حد تک درست کر لینے کے بعد اور ان فتوحات پر اعتماد کرتے ہوئے جو اس نے خشکی میں حاصل کیں، اورنگ زیب نے سمندر پر بھی اپنا دبدبہ قائم کرنا چاہا۔ پس اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جہازوں کی ایک بڑی تعداد پر مشتمل ایک بحری بیڑا تیار کیا جائے۔ اس فیصلے کا سبب مسلمانوں کے ایک جہاز کا نقصان تھا جو کوڑیوں سے لدا ہوا مالدیپ سے آ رہا تھا جنہیں مملکت بنگال میں سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل ہے۔ تھوڑی سی جنگ کے بعد بحری قزاقوں نے اس جہاز پر قبضہ کر لیا۔ جہاز کے کپتان اور تاجروں نے قزاقوں کو بتایا کہ کوڑیاں ان کے کسی کام نہ آئیں گی لہٰذا اگر وہ ان کے ساتھ ٹھٹہ تک چلیں تو اس بندرگاہ میں وہ انہیں چالیس ہزار ٹنگے ادا کر دیں گے۔ یہ پیشکش قبول کر لی گئی اور قزاق ٹھٹہ گئے۔ بندرگاہ سے کچھ فاصلے پر انہوں نے اس معاہدے کی تعمیل کا انتظار شروع کر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے قزاقوں کو مطمئن کرنے کے بجائے وہاں دو شاہی جہازوں کی موجودگی کا فائدہ اٹھایا۔ یہ جہاز ہندوستان کے امرا، بیگمات اور فقیروں کو مکہ لائے تھے۔ انہوں نے یہ تدبیر کی کہ دیگر تجارتی جہازوں کی مدد سے سب کے سب فرنگی قزاقوں کو پکڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔ معاملہ ان کی توقعات کے برعکس نکلا۔ وہ شکار پر نکلے تھے۔ مگر خود شکار ہو گئے۔ جب قزاقوں نے دس یا بارہ جہازوں کو اپنے خلاف آتے دیکھا تو انہوں نے بھاگنے کا بہانہ کیا تاکہ یہ ناتجربہ کار لوگ کھلے سمندر میں آجائیں۔

مسلمانوں نے یہ سوچتے ہوئے کہ اب اس کے بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے قزاقوں کے جہاز کو پکڑنے کی ہر ممکن تدبیر کی مگر انہیں بہت تعجب ہوا جب قزاقوں نے اعلیٰ ہمت اور مضبوط ارادے سے اپنا جہاز موڑا اور حملہ آور جہازوں کے درمیان گھس کر نہایت پھرتی سے اپنی بندوقیں داغنی شروع کر دیں اور یوں انہیں تہ و بالا کر دیا۔ اس طرح کچھ ایک طرف بھاگے کچھ دوسری طرف۔ قزاقوں نے ایک

جہاز کو پکڑ لیا: دراسے خالی کر کے اس میں آگ لگا دی اور اس طرح جہاز اور اس کے تمام آدمی آگ کی نذر ہو گئے۔ وہ اس انتقام سے مطمئن نہ ہوئے۔ یہ جانتے ہوئے کہ مسلمانوں کو سمندری زندگی کے متعلق کتنی کم معلومات ہیں اور یہ کہ سمندر پران کو کتنا کم قابو ہے وہ سورت کے قریب ڈیو کے عرض بلد تک بڑھ گئے اور شاہی جہازوں کا انتظار کرنے لگے۔ یہ جہاز فقیروں کے علاوہ بڑے بڑے امرا اور بیگمات کو لے کر مکہ سے واپس آرہے تھے۔ ان پر سکے بھی بہت تھے بالخصوص وینیس کے جنھیں عوام الناس سیکوئنس کہتے ہیں۔ آخر وہی ہوا جن کی انھیں توقع تھی۔ جیسے ہی وہ دو جہاز پہنچے انہوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ایک کو قابو میں کر لیا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے اس کا مال و متاع لوٹ لیا بلکہ جہاز پر بیگمات کی بے حرمتی بھی کی۔

تباہ شدہ جہاز سورت پہنچا تو وہاں کے گورنر نے اورنگ زیب کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ جنگی جہازوں کا بیڑا تیار کرنے کی خواہش کا یہی سبب تھا تاکہ بحری قزاقوں سے سمندر کو پاک کر کے اس پر اپنا اثر قائم کیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر بادشاہ نے وزیر اعلیٰ جعفر خاں کو جو خود بھی بڑی فہم و فراست کا مالک تھا اپنی تجویز سے مطلع کیا۔ اس نے اپنے جواب کے لئے بادشاہ سے مہلت طلب کی۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے بادشاہ کو بتایا کہ گو شہنشاہ عالم پناہ کے پاس جنگی جہازوں کی تعمیر کے لئے عمارتی لکڑی یا دیگر ساز و سامان کی کوئی کمی نہیں لیکن ان کے پاس سب سے اہم چیز یعنی وہ آدمی نہیں ہیں جو اس کا نظم و نسق سنبھالیں گے۔ اورنگ زیب نے یہ جواب دیا کہ یہ کام ان فرنگیوں کے سپرد کیا جا سکتا ہے جو تنخواہ دار شاہی ملازم ہیں۔ لیکن جعفر خاں نے ایک وفادار وزیر کی حیثیت سے ہمت کر کے یہ جواب دیا کہ ایسے اہم معاملے میں ان غیر ملکیوں پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا جو خود اپنے ہی ملک سے فرار اختیار کر چکے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ آسانی سے بھاگ سکتے ہیں، پھر وہ ان مغل سپاہیوں کو بھی خاطر میں نہیں لائیں گے جو جہاز کو چلائیں گے اور چونکہ مغل سپاہی مکمل طور پر تربیت یافتہ نہیں ہیں لہذا غیر ملکی اہلکاروں کے بس میں ہوں گے۔

اورنگ زیب نے ان تمام دلائل پر کوئی توجہ نہ دی اور یہ احکامات صادر کئے کہ جہاز بنایا جائے۔ وہ ان تمام مشکلات کا مشاہدہ جن کا ذکر جعفر خاں نے کیا تھا اپنی آنکھوں سے کرنا چاہتا تھا۔ میرے ہم وطن حکاک اڑنیجیو بروتزونی کو جہاز کی تعمیر کا حکم دیا گیا جس نے بادبانوں، رسّوں، توپوں اور پرچموں

سے بیس ایک چھوٹا سا جہاز تیار کیا۔ جب یہ تیار ہو گیا تو اُسے ایک بڑے تالاب میں ڈالا گیا۔ بادشاہ اور تمام درباری اکٹھے ہوئے کہ وہ اس مشین کو دیکھیں جو زمین پہ نہ چل سکتی تھی۔ وہ یورپی توپچی جو بحری جہازوں کو چلانے کے ماہر تھے جہاز پر سوار ہو گئے اور انھوں نے نہایت چابکدستی اور مہارت کے ساتھ بادبانوں کو درست کر کے، پتواروں کے ذریعے جہاز کو ہر چہار جانب چلایا اور پھر گویا وہ کسی اور جنگی جہاز کا مقابلہ کر رہے ہوں انھوں نے توپوں کو ہر طرف گھماتے ہوئے انھیں داغا۔ یہ منظر دیکھ کر اور جہاز کی تعمیر اور اسے چلانے کی مہارت کا اندازہ کر کے اورنگ زیب نے یہ طے کیا کہ سمندر پہ جہاز چلانا اور بحری جنگ کرنا ہندوستانیوں کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام محض فرنگیوں کی چستی اور جرأت ہی کو زیب دیتا ہے پس اس نے اس منصوبہ کو ختم کر دیا جس کے متعلق اس نے اتنی ضد کی تھی۔

اورنگ زیب کی حکومت کے دوسرے برس بادشاہِ ایران شاہ عباس کا سفیر وارد ہوا جب اورنگ زیب کو یہ معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان کی سرحد میں داخل ہونے والا ہے تو اس نے اپنے ایک منصبدار عبداللہ بیگ کو جو اعلیٰ فہم و فراست کا حامل تھا اس سے ملاقات کو بھیجا۔ اس کا حکم یہ تھا کہ سرحد پہ ہی سفیر کا استقبال کر کے اس کے ارادوں کا پتہ چلایا جائے اور اس امر میں اخراجات کی کوئی پرواہ نہ کی جائے نیز سفیر کو یہ جتانے کی کوشش کی جائے کہ ہندوستانی دربار کے آداب و رسوم کے مطابق دربار میں کورنش بجا لانا لازم ہے، اور یہ کہ اکبر کے زمانے سے لے کر آج تک ایک قدیم رسم یہ چلی آتی ہے کہ مغل شہنشاہ کسی کو کرسی پیش نہیں کرتا اور نہ کسی شخص کے ہاتھوں سے براہ راست کوئی خط وصول کرتا ہے۔ خطوط وزیر کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں جو انھیں پڑھ کر بادشاہ کو سناتا ہے۔ سفیر کو ان تمام باتوں کی تفصیل بتانے کے بعد اس بات کا پتہ چلانا بھی ضروری تھا کہ آیا وہ دربار میں کورنش بجا لانے اور وزیر کے ہاتھوں میں خط دینے کے لئے تیار ہے یا نہیں۔ ان تمام باتوں کے متعلق اسے بادشاہ کو پوری تفصیل پیش کرنی تھی۔

بعض لوگ پورے وثوق سے اس خیال کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ بادشاہ نے عبداللہ بیگ کو یہ خفیہ احکام بھی دیئے تھے کہ اگر سفیر ہندوستانی آداب و رسوم کو بجا لانے کے لئے تیار نہ ہو تو اُسے واپس بھیج دیا جائے۔ اس نے اپنے نائبین اور صوبیداروں کو بھی یہ احکامات جاری کئے کہ وہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سفیر کا خیر مقدم کریں تاکہ اس کا اعتماد حاصل کر کے بآسانی اس کے ارادوں

کا علم حاصل کرسکیں۔ عبداللہ بیگ قندھار کی سرحد پر سفیر کا استقبال کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں سے وہ اُسے اپنی معیت میں کابل تک لایا۔ کابل سے عبداللہ بیگ نے بادشاہ کو یہ لکھا کہ میں نے سفیر کو مغل دربار کے آداب و رسوم سے بخوبی مطلع کر دیا ہے اور اس نے ان تمام فریضوں کو ادا کرنے میں جو دیگر شاہنشاہوں کے فرستادہ سفیر ادا کرتے آئے ہیں، کسی قسم کا تعارض نہیں کیا اور متعدد بار مجھے اس کا یقین بھی دلایا ہے۔

اورنگ زیب ایرانیوں کی ذہانت اور ان کی منافقت کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا۔ اُسے یاد تھا کہ کس طرح ایک اور ایرانی سفیر نے شاہ جہاں کے زمانے میں گستاخی کا مظاہرہ کیا تھا۔ پس اس نے لاہور کے صوبیدار کو یہ لکھ بھیجا کہ وہ کسی دعوت کے موقع پر نہایت نرمی سے خود سفیر سے اس بات کا پتہ چلائے کہ کیا وہ ہندوستانی رسم کے مطابق کورنش بجا لانے کے لئے واقعی تیار ہے؟ صوبیدار نے بادشاہ کو مطلع کیا کہ سفیر نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ وہ دیگر سفیروں کی طرح رسوم بجا لائے گا۔

جب سفیر کے دلی پہنچنے میں ایک دن رہ گیا تو اورنگ زیب نے محمد امین خاں کو ایک ہزار چنیدہ سواروں کی معیت میں روانہ کیا کہ وہ اس کا استقبال کرے اور اُسے شہر میں لے آئے نیز یہ کہ وہ اس کی سفارت کا مقصد اور آمد کا سبب دریافت کرے۔ سفیر کو یا ان پانچسو ایرانی سواروں کو جو اس کے ساتھ تھے۔ تحفے تحائف پیش کرنے میں کسی قسم کے بخل کی اجازت نہ تھی۔ اورنگ زیب نے یہ حکم بھی دیا کہ وہ واپسی پر آہستہ آہستہ آئے تاکہ سفارت کا مقصد اور ہندوستان کے رواج کے مطابق کورنش بجا لانے کے سلسلے میں سفیر کے ارادوں کا پتہ چلانے کے لئے مہلت مل جائے۔ نیز یہ کہ ان سڑکوں کی آرائش بھی کی جائے جن سے سفیر کو گذرنا تھا۔ اسے یہ حکم تھا کہ شہر سے تین کوس پر شالیمار باغ کے نزدیک سفیر کو ٹھہرائے۔

اورنگ زیب نے اور بہت سے امرا کو محمد امین خاں کے پیچھے روانہ کیا کہ وہ سفیر سے ملاقات کریں۔ لیکن سفیر نے کھل کر یہ نہ بتایا کہ وہ کورنش بجا لانے کو تیار ہے یا نہیں اور سفارت کا مقصد بتانے سے بھی گریز کیا۔ ادھر اورنگ زیب یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس سفارت کا کیا مقصد ہے اور یہ کہ آیا وہ ہندوستانی رواج کے مطابق کورنش بجا لانے کو تیار ہے یا نہیں۔ اُسے یہ خوف تھا کہ شاید شاہ عباس ایرانی عہدیداروں کی مدد سے اس کے عہدِ حکومت کے آغاز میں ہی کوئی بیجا بات نہ کر گذرے اب بھی کچھ لوگ ایسے موجود تھے جو شاہ جہاں کے ہمدرد اور اس کے مخالف تھے اور چونکہ وہ اس بات سے واقف تھا کہ ایرانی دغا و فریب کی طرف کتنے مائل ہیں اس لئے وہ حفاظتی تراکیب کرنا چاہتا تھا۔

جب سفیر متذکرہ بالا باغ کے قریب ٹھہرا تو دربار سے ایک عہدیدار محمد امین خاں کے پاس پیغام لایا کہ وہ سفیر کو یہ جتا دے کہ گو بالعموم سفیروں کے خطوط وزیر ہی وصول کرتا ہے مگر چونکہ وہ شاہ عباس کا سفیر ہے اس لئے اس کے ساتھ یہ رعایت ہوگی کہ بادشاہ کے بیٹوں میں سے کوئی شہزادہ خطوط وصول کرے۔ سفیر نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اس دوران میں اورنگ زیب نے یہ حکم دیا کہ جس سڑک سے سفیر کو گذرنا ہے اس کے دونوں جانب ایک کوس کے فاصلے میں سپاہی متعین کئے جائیں۔ خاص خاص سڑکوں، دوکانوں اور کھڑکیوں کی آرائش قیمتی ساز و سامان سے کی گئی اور سفیر کو انہیں سڑکوں سے، عہدیداروں کی معیت میں، نقاروں اور شہنائیوں کی موسیقی کے ساتھ گذارا گیا۔ قلعہ یعنی شاہی محل کے دروازے پر اسے توپوں کی سلامی دی گئی۔

اورنگ زیب ایک ایسے تخت پر بیٹھا جس کی شکل مور کی طرح تھی۔ فن کا یہ نادر نمونہ شاہ جہاں نے بنوایا تھا مگر اُسے اس پر بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اس خوف سے کہ شاید سفیر کورنش بجالانے کے لئے تیار نہ ہو، اورنگ زیب نے چار دراز قد اور جسیم اشخاص کو اپنے قریب تعینات کیا جنھیں یہ حکم تھا کہ اگر سفیر رسم کے مطابق عمل کرنے سے انکار ہی ہو تو وہ زبردستی اس کی گردن جھکا دیں۔ سارا دربار ہزاروں بیش قیمت اشیاء سے آراستہ کیا گیا تھا۔

سفیر تمام امراء کی معیت میں بادشاہ کے سامنے نمودار ہوا اور جب اس مقام پر پہنچا جہاں اسے سلام بجالانا تھا تو امرا نے اسے بتایا کہ اب اس کے فرض کی ادائیگی کا وقت آن پہنچا ہے۔ عبداللہ بیگ کی ہدایات اور اپنے وعدوں کو نظر انداز کر کے، جن کا اعادہ اس نے کئی بار کیا تھا سفیر نے ایرانی طرز پر سینے پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا۔ پس وہ چار مضبوط آدمی جن کا ذکر ہو چکا ہے سامنے آئے۔ دو نے اس کے ہاتھ پکڑے اور دو نے گردن اور بلا کسی قوت یا تشدد کے استعمال کے، گویا وہ محض طریقہ سکھا رہے ہوں، انہوں نے اس کے ہاتھ نیچے کئے اور گردن جھکا دی اور یہ کہا کہ مغلوں میں کورنش بجالانے کا یہ طریقہ ہے۔ اس پر سفیر نے فراست سے کام لیا اور بلا کسی جدوجہد کے اپنا پورا جسم جھکا دیا اور ہندوستانی رواج کے مطابق کورنش بجالایا۔

اس موقع پر اورنگ زیب نے قدرے منہ موڑا گویا وہ اپنے بیٹے سے کچھ کہہ رہا ہو۔ شہزادہ اُٹھا اور سفیر کے پاس آیا۔ سفیر نے بلا کسی رنجش کے اظہار کے چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے خط نکالا اور اپنے

سر پر رکھ کر شہزادے کے حوالے کیا۔ شہزادے نے وہ خط بادشاہ کو دیا جس نے اُسے اپنے خواجہ سرا دانش کی تحویل میں دینے کا اشارہ کیا جو بادشاہ کے خانگی امور کا سربراہ تھا۔ جب سفیر نے شاندار خلعت زیب تن کرلی تو میر تشریفات نے اُسے آگاہ کیا کہ اب ان تحائف کو پیش کرنے کا وقت ہے جو وہ ایران سے لایا ہے۔

تحفے میں ستائیس قد آور مضبوط گھوڑے تھے اور ہر گھوڑے کے ساتھ دو اشخاص لگام تھامنے کے لئے تھے۔ ان میں سے نو گھوڑے قیمتی پتھروں سے آراستہ تھے اور ان کی زین موتیوں سے مزین کی گئی تھی۔ باقی ماندہ گھوڑوں پر کمخواب کے جھول تھے جو اُن کے پیروں تک پہنچتے تھے۔ اٹھارہ قد آور بال دار اونٹ تھے جو ہندوستانی یا بلخ کے اونٹوں سے زیادہ لمبے تھے۔ ان اونٹوں پر بھی خوب صورت کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ ساٹھ صندوق اصل عرق گلاب کے تھے اور ایک اور عرق کے جوان پھولوں سے کشید کئے جاتے ہیں جو محض ایران میں ہی ملتے ہیں اور جسے بید مشک کہا جاتا ہے۔ یہ عرق گرمی سے پیدا شدہ ہر قسم کے بخار میں سکون بخش ثابت ہوتا ہے۔ بارہ خوب صورت قالینیں تھیں جن کا طول پندرہ ہاتھ اور عرض پانچ ہاتھ تھا اور جو بہت خوب صورت اور نفیس تھیں۔ چار صندوقوں میں زربفت کے تھان تھے جو بہت عمدہ اور قیمتی تھے اور جن پر خوب صورت پھول کڑھے ہوئے تھے۔ چار جڑاؤ چھوٹی تلواریں اور چار جڑاؤ خنجر تھے۔ ایک سربمہر سونے کا بکس بھی تھا جس میں شیراز کے پہاڑوں کا من تھا۔ اورنگ زیب نے اپنے چہرے کے شگفتہ تاثرات کے ساتھ شاہ عباس کے تحائف پر نگاہ تجسس ڈالی اور محمد امین خاں کو اشارہ کیا کہ وہ سفیر سے چند مخلصانہ سوالات کرے۔ اس کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوا، سفیر کو رخصت دی اور یہ کہا کہ اگر وہ پھر کبھی چاہے تو دربار میں بصد شوق حاضر ہو سکتا ہے۔

سفیر چند امرا کے ساتھ باہر آیا جو اُسے اس محل میں لاتے جو اس کے لئے پہلے سے تیار کیا گیا تھا اور جس میں اس مقصد کے لئے قالینیں بچھائی گئی تھیں۔ اورنگ زیب نے امرا کو یہ حکم دیا کہ وہ سفیر کے قیام دلی کے دوران میں شاہی خرچ پر اس کی خاطر و مدارات تزک و احتشام کے ساتھ کریں۔ ہر امیر اپنی سہولت کے مطابق اس کام کے لئے ایک دن مقرر کرے۔ بیچارے عبداللہ بیگ کو دربار سے بے عزتی کے ساتھ نکال دیا گیا اس لئے کہ ایرانی سفیر فوری طور پر کورنش بجا نہ لایا۔ اور وہ اس غم سے جلد ہی مر گیا۔

آٹھ دنوں بعد وزیر جعفر خاں کی طرف سے ایک شاندار دعوت میں جو ہندوستانی رواج کے مطابق تھی سفیر کو مدعو کیا گیا۔ دلی میں اپنے چار ماہ سے زیادہ کے قیام میں سفیر نے محمد امین خاں کے علاوہ کسی اور کی دعوت قبول نہ کی۔ رخصت سے آٹھ دن پہلے محمد امین خاں نے اس کی نہایت شاندار دعوت کی۔

ساڑھے چار ماہ گذرنے کے بعد (اگست ۱۶۶۱ء) سفیر کو تزک و احتشام کے ساتھ رخصت کیا گیا اورنگ زیب نے اُسے دو گھوڑے مع ساز، ایک جڑاؤ خنجر پگڑی میں پہننے کے لئے ایک خوب صورت زمرد اور ایک قیمتی خلعت عنایت کی۔ سب سے آخر میں اُسے شاہ عباس کے لئے ایک خط اور ایک جڑاؤ قلمدان جو سربمہر تھا دیا کسی کو یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اس کے اندر کیا تھا۔

سفیر کی روانگی کے تھوڑے عرصے بعد اورنگ زیب یک بیک بخار میں مبتلا ہوگیا جو اتنا شدید تھا کہ اس پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ طبیب خون کی حدت کم کرنے سے قاصر رہے۔ بالآخر انھوں نے آپس میں مشورہ کر کے اس کی فصد کھول۔ لیکن چونکہ اورنگ زیب بستر پر بہت بے قرار تھا اس لئے جسم کی حرکت سے پٹی کھل گئی اور خون بہنے لگا۔ جب تک کہ طبیب وہاں پہنچے کافی خون بہہ گیا تھا۔ طبیب اس بات سے بہت زیادہ خوفزدہ ہوئے مگر انھوں نے پٹی دوبارہ باندھ دی۔

اورنگ زیب نے بخار کی شدت کے باعث تربوز کھانے کی خواہش ظاہر کی اور طبیبوں نے بے احتیاطی سے اس کی اجازت دے دی۔ پس تربوز کھانے سے اس کی زبان کو لقوہ ہوگیا۔ اس کی قوت گویائی تقریباً ختم ہوگئی اور طبیب اس کی صحت یابی کے بارے میں مشکوک ہوگئے۔

یہ یقین کر کے کہ اب بھائی کی شفا کی کوئی امید نہیں، روشن آرا بیگم نے شاہی مہر پر قبضہ کر لیا اور سلطان اعظم کی جانب سے جو اس وقت محض نو سال کا تھا اور حرم سرا میں ہی رہتا تھا، بہت سے راجاؤں اور سپہ سالاروں کو خطوط لکھے۔ جب سلطان معظم کی ماں کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے روشن آرا بیگم سے کہا کہ ان حالات میں کہ بادشاہ سلامت ابھی زندہ ہیں اور ان کی شفایابی کی قوی امید ہے، سلطنت میں بدامنی اور انتشار پھیلانے کی کوشش نازیبا بات ہے۔ یہ کہہ کر وہ بادشاہ کی آرام گاہ کی طرف چلیں لیکن روشن آرا بیگم نے نہایت دیدہ دلیری سے انھیں بالوں سے پکڑ لیا اور شاہی آرام گاہ سے باہر نکال دیا۔ ملکہ نے بیمار شوہر کو مزید تکلیف نہ دینے کی غرض سے اس بات کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر لیا۔

اس دوران میں شہر دلی کی بے چینی قابلِ دید تھی۔ یہ افواہیں گشت کر رہی تھیں کہ بادشاہ مر چکا ہے

لہذا ہر شخص اپنی اغراض کی تکمیل کے لئے اقدام کرنے کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ بہت سے لوگوں کا کہنا تھا کہ گویا شاہ ابھی زندہ ہے مگر اس کی صحت یابی کی کوئی امید نہیں۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ راجہ جسونت سنگھ گجرات سے فوج لے کر شاہ جہاں کو قید سے چھڑانے کے لئے آرہا ہے۔ نیز یہ کہ مہابت خاں بھی اسی مقصد سے آئے گا۔ اب میں یہ اپنے قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ وہ اس انتشار کا تصور کریں جو ایسی مملکت کے دارالخلافہ میں برپا ہوسکتا ہے جہاں کے لوگ محض اس ایک بادشاہ کی اطاعت کے عادی ہوں جو اپنے تمام دیگر مخالفین کو شکست دے کر واحد فاتح کی حیثیت حاصل کرے۔

یہ سوچ کر کہ اب شفا کی کوئی امید نہیں اورنگ زیب نے اپنے وفادار خواجہ سرا دانش کو بلوایا اور سلطان اعظم کے لئے شدید تاکید کی۔ اس نے حکم دیا کہ میرے مرنے کے بعد اس چھوٹے شہزادے کو شائستہ خاں کے حوالے کر دیا جائے جو ایرانی ہونے کے باعث اس کی حفاظت کرے گا اور اسے ذلت خواری سے بچائے گا۔ سلطان معظم بڑا ہے، اس کے علاوہ اس کی ماں اور طاقتور سردار اس کے طرفدار ہیں۔ چونکہ سلطان اعظم کا بھائی شہزادہ اکبر ابھی بچہ تھا اس لئے اس بارے میں اس نے کوئی ہدایت نہیں دی۔

جب اورنگ زیب کی شدید علالت کی اطلاع آگرہ پہنچی تو خواجہ سرا اعتبار خاں بہت شش و پنج میں گرفتار ہؤا، بالخصوص اس خبر سے کہ راجہ جسونت سنگھ اور مہابت خاں شاہ جہاں کو آزاد کرانے کے لئے آرہے ہیں۔ خواجہ سرا نے ان سختیوں کو یاد کیا جو اس نے شاہ جہاں پر روا رکھی تھیں۔ اب وہ خود کو مردود دیکھنے لگا اور رسوائی کی اندوہناک موت کو سامنے منڈلاتے دیکھنے لگا۔ لہذا اس نے زہر حاصل کیا کہ اگر کوئی تبدیلی واقع ہو تو اپنا خاتمہ کرے۔ اسی سبب سے وہ روزانہ بہت سے قاصدوں کو بھیجتا تھا کہ وہ اورنگ زیب کی زندگی یا موت کی خبر معلوم کریں۔ اس موقع پر عوام اعتبار خاں کے خلاف تلخ لفظوں میں خیال آرائی کرنے لگے، اور یہ کہنے لگے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اُسے اس کے مظالم کی سزا ملے گی۔ گو اورنگ زیب اب بھی بیمار تھا مگر اسے اس بات کی اہمیت کا پتہ تھا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ وہ زندہ ہے اور ہوش و حواس میں ہے۔ لہذا اس نے ایسے احکامات صادر کرنے کبھی نہ چھوڑے جن کا نفاذ ساری مملکت میں ہوتا تھا۔ مزید براں اس نے اعتبار خاں کو یہ احکامات بھیجے کہ وہ مقید بادشاہ کی کڑی نگرانی کرے۔ خط کو سربمہر کرنے کے لئے اس نے مہر شاہی طلب کی جو ایک تھیلی میں بند تھی اور جب پر وہ چھوٹی مہر لگی تھی جسے

بادشاہ اپنی انگلی میں پہنتا تھا ۔ جب مہر کی تلاش ہوئی تو وہ نہ مل سکی ۔ اس نے روشن آرا بیگم سے دریافت کیا کہ اس کی مہر والی انگشتری کہاں ہے ۔ شہزادی نے جواب دیا کہ ایک دن جب وہ بے ہوش ہو گیا تھا تو وہ اس کی انگلی سے گر گئی تھی ۔ اس وقت سے وہ میرے پاس ہے اور میں اُسے اپنے تکیے کے نیچے رکھتی ہوں ۔ اورنگ زیب نے خط کو سر بمہر کیا اور مہر روشن آرا بیگم کو واپس کر دی ۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے شکوک کو پوشیدہ رکھا تا اینکہ وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے اور پھر اس معاملے کی تفتیش کر سکے کہ وہ انگشتری کس طرح نکالی گئی ۔ اورنگ زیب نے محض احکامات جاری کرنے پر اکتفا نہ کی بلکہ عوام الناس کو یہ جتانے کے لئے کہ وہ زندہ ہے اس نے یہ انتظام کیا کہ اُسے دربار خاص میں بڑے بڑے امرا کے سامنے لے جایا جائے ۔ جہاں وہ اپنی شکل دکھا سکے ۔ لیکن واپسی میں اُسے چوٹ آ گئی جس کے باعث ایک مدت تک تکلیف جاری رہی ۔ اب پریشانی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اس لئے کہ ہر ایک نے یہ سمجھ لیا کہ اب وہ ضرور مر جائے گا ۔

کچھ دن آرام کرنے اور کچھ افاقہ محسوس کرنے کے بعد اورنگ زیب نے جعفر خان ، ملتفت خان ، محمد امین خاں اور راجہ جے سنگھ کو طلب کیا تاکہ ان کے دلوں سے ان وسوسوں کو دور کرے جو اس کی موت کی افواہ سے پیدا ہو رہے تھے ۔ وہ بڑی مشکل سے اور نہایت آہستہ آہستہ صحت یاب ہو رہا تھا مگر اس بیماری کا اثر مکمل صحت یابی کے باوجود اس کی قوت گویائی میں خامی رہ گئی اور آج تک اسے بولنے میں کاوش کرنی پڑتی ہے ۔ مکمل صحت یابی کے بعد اس نے خواجہ سراؤں سے روشن آرا بیگم کے ان اقدامات کی تفصیل طلب کی جو وہ اس کی علالت کے دوران کرتی رہیں ۔ وہ ان کی اس حرکت پر بہت خفا تھا کہ انہوں نے نائبین سلطنت ، صوبیداروں اور سرداروں کو خطوط لکھے کہ وہ سلطان اعظم کی طرفداری کریں اور ان خطوط پر شاہی مہر ثبت کی ۔ مزید براں وہ اس واقعہ سے بہت متاثر ہوا کہ انہوں نے سلطان معظم کی والدہ سے انتہائی بداخلاقی کا مظاہرہ کیا اور یہ کہ ملکہ نے ان کی بدتمیزی کو نہایت صبر سے برداشت کیا ۔ ان اسباب کی بنا پر اس کے دل میں ملکہ کی توقیر بڑھ گئی ۔ اس نے ان کا منصب بڑھا دیا اور انہیں "نواب بائی جی" کا خطاب عطا کیا (جس کا مطلب ہے خواتین میں سب سے افضل) وہ سلطان معظم سے زیادہ پیار کرنے لگا اور اسے اس نے "شاہ عالم" کا خطاب دیا (جس کا مطلب ہے دنیا کا بادشاہ) روشن آرا بیگم کے لئے اس کے دل میں وہ محبت باقی نہ رہی جو پہلے تھی ۔ وہ ان کی بداعمالیوں

پر بہت ناراض تھا۔

جب کبھی اورمغل بادشاہ بیمار پڑتے تو نائبین سلطنت اور صوبیدار فتنہ و فساد پر آمادہ ہو جاتے مگر اورنگ زیب کی علالت کے دوران اس قسم کی کوئی بغاوت نہ ہوئی۔ گو یہ افواہیں گرم ہوئیں کہ بادشاہ مر چکا ہے مگر امرأ نے ان پر کوئی توجہ نہ دی کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہیں خود اورنگ زیب ہی نے کسی حکمت عملی کے تحت ان افواہوں کی تحریک نہ کی ہو۔ تاکہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ ان کے میلانات کیا ہیں۔ انھیں یہ پہلے سے معلوم تھا کہ اورنگ زیب زبردست شاطر ہے اور اب اُسے اپنی اس شہرت سے فائدہ پہنچا۔

اب اورنگ زیب زبان کے علاوہ باقی ہر لحاظ سے صحتمند ہو چکا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس پر یہ بیماری خدا کی طرف سے بطور تنبیہ نازل ہوئی تھی تاکہ وہ اپنی رعایا پر رحم کرے۔ جب لوگ اسے صحت یابی کی مبارکباد دینے آتے تو وہ ان سے کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علیل کر کے پھر صحت یاب کیا ہے تاکہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ گو اس نے مجھے اس منصب پر پہنچایا ہے مگر وہ اپنی مرضی سے جب چاہے مجھے فنا کر سکتا ہے اور تندرستی عطا کر سکتا ہے۔ اس علالت کے باعث مجھے یہ علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عزیز رکھتا ہے۔ اورنگ زیب کو اس بات کا یقین تھا کہ اس کی یہ علالت اس بات کی تنبیہ تھی کہ وہ مسلمانوں سے اپنی سلطنت کے آغاز میں وہ مالگزاری وصول نہ کرے جو اس کے اجداد کرتے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے سچے ایمان والوں کی مالگزاری معاف کر دی اور اس طرح تمام ہندوؤں کے لئے خدا کے پیارے نبی محمد (صلعم) کے دین میں آنے کا دروازہ کھول دیا۔ اسی ارادے سے اس نے تمام علاقوں، صوبوں اور شہروں میں یہ احکامات بھجوائے کہ مسلمانوں کو ہر قسم کی مالگزاری کی معافی دی جاتی ہے اور بادشاہ کو اس محصول کے علاوہ جو تمباکو پر ہے کسی قسم کی کوئی رقم دینا ان پر فرض نہیں ہے۔ مگر بعد ازاں اس نے اسے بھی معاف کر دیا جس کا سبب ایک واقعہ تھا جس کا میں آگے ذکر کروں گا۔

اپنی علالت کا دوسرا سبب اس نے پگوڈوں سے محصول کی وصولیابی بتایا۔ یہ پگوڈے وہ گرجا ہوتے ہیں جن میں ہندو کسی بت کے سامنے پوجا کرتے ہیں۔ ہر پگوڈے سے گراں قدر رقم شاہی خزانوں کو ملا کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس قسم کا محصول لگانا نازیبا ہے اس لئے کہ اس سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت پرستی کو جائز سمجھتا ہے لہٰذا اس نے یہ احکامات دیئے کہ ایسا محصول آئندہ کبھی وصول نہ کیا جائے ۔ ہر ہندو کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ پانچ فیصد ادا کرے ۔ بعد ازاں اُسے اپنی اس کشادہ دلی پر افسوس ہوا اور چند برسوں کے بعد اس نے اپنے ان احکامات کو منسوخ بھی کرنا چاہا لیکن اپنے نام ونمود کے لئے اور اپنی منافقت کے باعث اس نے یہ تبدیلی گوارا نہ کی ۔ پس اس نے رقم جمع کرنے کا ایک اور طریقہ نکالا اس نے اپنے سرداروں اور عہدیداروں کی تنخواہوں میں مسلسل کمی کرنی شروع کر دی اور یہ حکم دیا کہ روپیہ کو، جو چاندی کا سکہ ہوتا ہے اور جو چودہ فرانسیسی سُو سے زیادہ قیمت کا نہیں ہوتا ، اٹھائیس سُو کے برابر گردانا جائے ۔ اس سلسلے میں اورنگ زیب نے جو عملی قدم اٹھایا وہ بادشاہوں کے لئے اس امر کا درس ہے کہ وہ کس طرح اپنے احکامات منوائیں ۔ روپیہ کا لین دین کرنے والوں نے بادشاہ کے ان احکامات کو ماننے میں تامّل کیا اور حکم عدولی کے جواز میں مختلف توجیہات پیش کیں ، درآنحالیکہ بادشاہ نے انھیں کئی بار بلوا کر یہ سمجھایا کہ حکومت بعض مصلحتوں کی بنا پر یہ تبدیلی لا رہی ہے ۔ اس کے باوجود ان لوگوں نے جو ہمیشہ نافرمانی پر آمادہ رہتے تھے شاہی احکامات کو نظر انداز کیا تا آنکہ بادشاہ نے غیظ میں آ کر دِلّی کے تمام مہاجنوں کو بلوا لیا ۔ محل کے برج میں تخت نشین ہو کر اس نے انھیں کہلوایا کہ وہ اب اپنی ضد کو ختم کر کے روپیہ کی قیمت پہلی قیمت کے مقابلے میں دوگنی کر دیں ۔ مہاجن اپنی بات پر اڑے رہے اور انھوں نے یہ جواب دیا کہ ایسا کرنے سے انھیں بے انتہا نقصان اٹھانا پڑے گا ۔ اورنگ زیب نے نہایت خاموشی کے ساتھ ، بلا کسی جسمانی حرکت کے ، یہ حکم دیا کہ ان میں سے سب سے زیادہ معمر شخص کو برج سے نیچے پھینک دیا جائے ۔ اس حکم کی بجا آوری کے بعد باقی ماندہ نے خوف زدہ ہو کر شاہی احکامات ماننے کا اقرار کیا اور پھر اس سلسلے میں کوئی شکایت کبھی نہ سنی گئی ۔

———— ⁂ ————

باب چہارم

تقریباً اسی زمانے میں جب اورنگ زیب تخت یاب ہوا (۱۶۶۲ء) ولندیزی سفیر موسوم ایڈریان (وان ایڈری کھم) بادشاہ کو تخت نشینی پر مبارکباد دینے کے لئے دلی میں وارد ہوا۔ یہ شخص بڑی فہم و فراست کا مالک تھا اور چونکہ کافی مدت تک سورت کے ولندیزی کارخانے کا سربراہ رہ چکا تھا اس لئے مغلوں کے رسم و رواج سے بخوبی واقف تھا۔ وہ یہ بات جانتا تھا کہ وہ لوگ جو وافر تحائف اور گراں قدر رقم لاتے ہیں سب سے زیادہ قابلِ قبول، خاطر و مدارات کے اہل اور فوری توجہ کے لائق سمجھے جاتے ہیں لہٰذا وہ بادشاہ کے لئے تحائف لایا۔ تحفے میں وافر مقدار میں بہت عمدہ سرخ پارچہ جات، عمدہ سبز کپڑوں کے تھان، چند بڑے آئینے، بہت سے چینی کے برتن، چین اور جاپان کے نوادر اور پالکی کی طرح کا ایک چھوٹا سا تخت تھا جو جاپانی کاریگری کا عمدہ نمونہ تھا اور جس پر بہت دلکش تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ وزیروں کے لئے سونے اور چاندی کے سکوں میں کثیر رقم، مختلف اقسام کے کپڑے، اور دیگر نادرات تھے۔ جیسے ہی وہ وارد ہوا اس نے وزیروں سے اپنی آرزو کا اظہار کرنا شروع کیا۔ پس چند دنوں میں اسے بادشاہ کے حضور میں پیش ہونے کی اس شرط پر اجازت ملی کہ وہ پہلے فرنگی اور پھر ہندوستانی رسم کے مطابق کورنش بجا لائے گا۔

پس دربار میں بادشاہ کے حضور اس نے حسب وعدہ عمل کیا۔ اورنگ زیب کو یورپی طرز کا لباس اور طریق کورنش بہت دلچسپ معلوم ہوا۔ مرتضیٰ خاں نے ان لوگوں سے ملاقات کی اور سفیر کے ہاتھ سے خطوط لے کر وزیر کو پیش کیا۔ میر تشریفات اپنے ہاتھ میں سونے کی چھڑی لئے آگے بڑھا، اس نے سفیر کا ہاتھ پکڑا اور اسے مع پانچ ہمراہیوں کے باعزت جگہ پر بٹھایا۔ یہ اس کے لئے خاص رعایت تھی اس لئے کہ بالعموم سفیر کے ساتھ محض ایک ہی شخص بادشاہ کے حضور میں پیش ہو سکتا ہے۔ سفیروں کو کمخواب کے سراپا سے نوازا گیا۔

بعد ازاں اورنگ زیب نے تحائف پیش کرنے کا حکم دیا۔ تخت کو اس نے سب سے زیادہ پسند کیا۔ چونکہ تخت مرصع تھا اس لئے اس نے حکم دیا کہ اس پر شیشے لگا دیئے جائیں تاکہ گرد سے اس کی تصویریں خراب نہ ہوں۔ وہ آج تک اس تخت کا استعمال کرتا ہے۔ پھر اس نے سفیر کو یہ کہلوایا کہ اب وہ جا سکتا ہے اور اُسے جلد ہی رخصت مل جائے گی۔ تاہم سفیر مغلوں کی طبع مغرور کو سمجھتا تھا، جو اس بات کو باعث فخر سمجھتے ہیں کہ سفرا ہمہ وقت ان کے گرد پیش رہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ بیرونی ممالک کے سفرا دربار میں ہمیشہ حاضری دیتے رہیں۔ اسی سبب سے اس نے وزرا کو اور زیادہ تحائف بھیجے اور بالآخر چار ماہ کے بعد رخصت لینے میں کامیاب ہو گیا۔

رخصت کے وقت سفیر کو ایک اور سراپا بخشا گیا۔ علاوہ ازیں بٹاویا کے گورنر کے لئے ایک بیش قیمت سراپا ایک جڑاؤ خنجر اور ایک نہایت مشفقانہ خط دیا گیا۔

حالانکہ اورنگ زیب کی علالت میں شدت محض چند دنوں تک رہی مگر مکمل طور پر صحت مند ہونے میں کافی مدت صرف ہوئی۔ طبیبوں نے تبدیلی آب و ہوا کے لئے کشمیر جانے کا مشورہ دیا۔ اورنگ زیب تبدیلی آب و ہوا کے لئے تو بالکل تیار تھا مگر شاہجہاں کا وجود اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا اور یہ بات اس کے اس آرام اور تفریحی مشاغل میں مخل ہوتی تھی، جو اس کے مزاج اور طبیعت کے لئے ضروری تھے۔ پس اب اس نے باپ سے شرافت کا اظہار کرنا بند کر دیا اور اس کے برخلاف بوڑھے کے ساتھ شدت سے پیش آنے کا فیصلہ کر لیا۔ سچ یہ ہے کہ اس فیصلے کے پیچھے نہ تو بیماری کے دوران میں فرشتوں کی تحریک تھی اور نہ خدا کا فرمان بلکہ خود اس کی بدفطرتی کارفرما تھی۔ تاکہ باپ کی زندگی جلد ختم ہو جائے، اس نے یہ احکامات صادر کئے کہ اس کی قید کو زیادہ سخت کر دیا جائے۔ اس نے

حکم دیا کہ وہ کھڑکی جس پر بیٹھ کر شاہ جہاں دریا کا نظارہ کر کے اپنا جی بہلاتا ہے، اینٹوں سے بند کر دی جائے۔ علاوہ ازیں آگرے کے محل کے نیچے بندوقچیوں کا ایک دستہ ان احکامات کے ساتھ مقرر کیا گیا کہ وہ بوڑھے کو پریشان کرنے کے لئے بندوق چلاتے رہیں اور اگر وہ کھڑکی پر نظر آئے تو گولی مار دیں۔ شاہجہان کی پریشانیوں کو زیادہ شدید بنانے کے لئے اس کے بھیج کر وہ سونے چاندی کے برتنوں میں سے ایک کثیر تعداد کو انتہائی شور وغل کے ساتھ اُٹھانے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ سنے اور مایوسی کا شکار ہو۔ لیکن شاہ جہاں نے بھی تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ کچھ دیکھ نہیں رہا ہے۔ شور وغوغے اور بندوقوں کی آواز کا جواب رقص وسرود کی محفلوں سے دیتے ہوئے۔ وہ اپنی بیویوں اور عورتوں کے ساتھ داد عیش دیتا رہا۔ اعتبار خاں جسے محل کے تمام واقعات کا علم تھا، تمام اطلاعات دربار کو روانہ کرتا رہا تاآنکہ بالآخر اورنگزیب نے شاہ جہاں کی جان لینے کا فیصلہ کر لیا۔

پس اس نے شاہ جہاں کے طبیب مکرم خاں کو، جس نے اورنگ زیب کی حمایت سے اسی وقت انکار کر دیا تھا جب وہ باپ کو قید کرنے آگرے آیا تھا، زہر اور ایک خط روانہ کیا۔ خط میں یہ تحریر تھا کہ اگر طبیب یہ چاہتا ہے کہ وہ چند سے امن وسکون سے زندہ رہے تو وہ خواجہ سرا فہیم سے جسے اسی مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا زہر حاصل کر کے شاہ جہاں کو پلا دے۔ حکم عدولی کی صورت میں اُسے جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ مکرم خاں نے وہ زہر لے لیا اور یہ جواب دیا کہ وہ بادشاہ سلامت کی خواہشات سے بہتر کام سرانجام دے گا۔ خواجہ سرا فہیم یہ جواب لے کر واپس لوٹا۔ مکرم خاں نے یہ سوچا کہ جس بادشاہ نے اُسے ایک ادنیٰ حیثیت سے اس مرتبہ تک پہنچایا کہ آج وہ اتنا دولت مند اور ہر کس وناکس کی نگاہ میں محترم ہے، اُسے زہر سے ہلاک کرنا مناسب نہیں ہے۔ مزید براں کیا شاہجہان نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنی زندگی اس کے سپرد نہیں کی ہے؟ علاوہ ازیں اس پر یہ پوری طرح واضح تھا کہ اگر وہ شاہجہاں کو زہر دے دے تو بھی اورنگ زیب اس کی جان نہیں بخشے گا۔ تجربے نے اس پر یہ بات ثابت کر دی تھی۔ پس اس نے یہ طے کیا کہ وہ باعزت طور پر اپنی جان دے دے۔ وہی زہر کھا کر اس پر غشی طاری ہو گئی اور غفلت کے دوران میں ہی آدھ گھنٹے کے اندر اندر وہ مر گیا۔ اورنگ زیب باپ کی وفات کی پُرامید خبر کا انتظار کرتا رہا۔ بالآخر اُسے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے شاہ جہاں سے محض چند رعائتیں حاصل کی تھیں۔ وہ اس کے زیادہ کام آیا بہ نسبت اس کے جسے اس نے زندگی دی تھی۔

بہر حال اس واقعہ نے اورنگ زیب کے دل پر کوئی تاثر قائم نہ کیا اور وہ کشمیر جانے سے پہلے باپ کی جان لینے کے لئے نازیبا ذرائع کا متلاشی رہا۔

لیکن موسم گرما قریب تھا اور اس لئے یہ ضروری تھا کہ ہندوستان کی سرزمین پر سورج کی شعاعوں کی تیزی سے پہلے کشمیر کے لئے روانگی اختیار کی جائے۔ اس بارے میں وہ طبیبوں کے مشورے اور بالخصوص روشن آرا بیگم کی رائے پر عمل پیرا تھا جو حرم سرا کی بندشوں سے آزاد ہو کر اپنے جنسی میلانات کو روبکار لانا چاہتی تھیں۔ مزید برآں بیگم صاحب کو جو شان و شکوہ عہد شاہجہانی میں نصیب تھا، وہ اس سے زیادہ تزک و احتشام کے ساتھ لشکر میں شامل ہونا چاہتی تھیں۔ کشمیر جانے کا فیصلہ کرنے کے بعد اورنگ زیب نے اپنے ان وفادار دوستوں کا انتخاب کیا جن پر اُسے کامل اعتماد تھا۔ اس نے ہوشیار خاں کو آگرے کے صوبیدار کے منصب پر متعین کیا، مرتضیٰ خاں کو لشکر کی سالاری بخشی اور اور خواجہ سرا اعتبار خاں کو نئے احکامات بھیجے کہ وہ شاہجہاں کی زبردست نگرانی کرے۔

اورنگ زیب چھ دسمبر ۱۶۶۲ء کو تین بجے سہ پہر شہر دلی سے روانہ ہوا۔ نجومیوں کا متفقہ فیصلہ بھی یہی تھا کہ بادشاہ کے طویل سفر کے لئے جس کی مدت آتے جاتے اور قیام کا عرصہ ملا کر کم از کم ایک برس تھی، یہی دن سب سے زیادہ مناسب تھا۔

یہ افواہ گرم تھی کہ اورنگ زیب کا سفر کشمیر کے لئے نہیں بلکہ قندھار کے قلعہ کی تسخیر کے لئے تھا جو ان دنوں شاہ فارس کے قبضے میں تھا۔ لیکن یہ بات غلط تھی۔ شہر کو چھوڑ کر بادشاہ نے رات بھر شالیمار کے طویل و عریض باغ میں آرام کیا جسے شاہجہاں نے تفریح کے لئے بنوایا تھا۔ یہ باغ شاہی محل سے تین کوس کے فاصلے پر لاہور جانے والی سڑک کے کنارے واقع ہے۔ یہاں اورنگ زیب نے چھ دن قیام کیا تاکہ ہر شخص تیاریاں مکمل کر سکے۔ لشکر میں ہر ایک کے شامل ہونے کے بعد اس کا ارادہ سفر شروع کرنے کا تھا۔ مغلوں کے ملک میں یہ رواج ہے کہ جب لشکر میدان میں ہو تو اس امر کی وضاحت کے لئے نقارہ بجاتے ہیں کہ آئندہ صبح روانگی نہیں ہوگی۔

چھٹی شام کو کوئی نقارہ نہیں بجا اور پیش خیمے روانہ کر دیئے گئے۔ اس سلسلے میں یہ بات جاننی چاہیے کہ مغل سلطنت میں بادشاہ اور بہت سے امرا دو خیمے ساتھ لے کر چلتے ہیں کہ اگر ایک استعمال میں ہو تو دوسرا اگلے دن کے استعمال کے لئے آگے روانہ کر دیا جاتا ہے۔ شاہی خیمہ جات کی باربرداری کے لئے

دو سو اونٹ اور پچاس ہاتھی تھے جو محض اس کام کے لئے وقف تھے۔

ساتویں دن صبح کے تین بجے لشکر روانہ ہوا۔ سب سے پہلے بھاری توپیں تھیں جو ہمیشہ آگے ہوتی ہیں اور اس راستہ کا تعین کرتی ہیں جس سے گذر کر دوسرے پڑاؤ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی گاڑی پر ایک خوبصورت کشتی تھی تاکہ حسب ضرورت اس پر بادشاہ کو دریا پار کرایا جا سکے۔ اس کے پیچھے دیگر ساز و سامان تھا۔ اس طرح جب سحر نمودار ہوئی تو سواروں اور پیدل فوج کے علاوہ جو اپنی مقررہ جگہوں پر تھیں، پڑاؤ بالکل خالی تھا۔ باقی ماندہ کے ساتھ دیگر سواریوں کے علاوہ دو سَو اونٹ تھے جن پر چاندی کے روپے لدے تھے اور ہر اُونٹ پر چار سو اسّی پونڈ وزن کی چاندی تھی۔ سَو اونٹوں پر سونے کے سکّے تھے جن میں سے ہر ایک پر اتنے ہی وزن کا سونا تھا۔ ڈیڑھ سو اونٹوں پر وہ جال لدے ہوئے تھے جنھیں شیر کے شکار میں استعمال کیا جاتا ہے۔

شاہی دفتر حسابات بھی ساتھ تھا، اس لئے کہ اصل حسابات ہمیشہ دربار شاہی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اسّی اُونٹوں "بیس" ہاتھیوں اور بیس گاڑیوں پر سلطنت کے حسابات کے کھاتے اور دیگر کاغذات لدے تھے۔ علاوہ ازیں پچاس اونٹوں پر پانی تھا جس میں سے ہر اُونٹ پر دھات کے دو برتنوں میں بھرا ہُوا پانی شاہی استعمال کے لئے تھا۔ شاہی خاندان کے شہزادے بھی اپنے اپنے رتبے کے مطابق اسی انداز میں شامل سفر تھے۔ چھوٹے خیموں سے لدے ہوئے آٹھ خچر بادشاہ کے ساتھ تھے۔ یہ خیمے سفر میں اس وقت استعمال ہوتے ہیں جب بادشاہ کو آرام کی خواہش ہو یا وہ کچھ تناول کرنا چاہے یا پھر کوئی اور خاص ضرورت ہو۔ ان کے ساتھ ہی دو خچروں پر بادشاہ کے کپڑے تھے اور دو پر مختلف انواع کے خوشبودار پھولوں کے عطر تھے۔

شاہی دربار کے رواج کے مطابق اگر بادشاہ کو اگلے دن سفر شروع کرنا ہو تو شاہی باورچی خانہ دس بجے رات کو ہی روانہ ہو جاتا ہے۔ یہ باورچی خانہ پچاس اونٹوں پر لدی ہوئی استعمال اور دودھ دینے والی پچاس موٹی تازی گایوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لذیذ کھانے بھی باورچیوں کے ہمراہ بھیجے جاتے ہیں۔ ان باورچیوں میں سے ہر ایک صرف ایک کھانا پکاتا ہے۔ اس شعبہ کا نگران اعلیٰ رتبے کا ایک شخص ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ محل کی سر بہ مہر تھیلیوں میں کھانا روانہ کرے۔ دو سو ملازموں کے سروں پر چینی کے برتنوں کی ٹوکریاں اور دیگر سامان ہوتے ہیں۔ پچاس اونٹوں پر سو صندوقوں میں خلعتیں ہوتی

ہیں اور تمین ہاتھیوں پہ فوجی سرداروں میں تقسیم کرنے کے لیے خصوصی ہتھیار اور جواہرات ہوتے ہیں یہ ہتھیار ان اقسام کے ہوتے ہیں: تلواریں مع غلاف، ڈھالیں، مختلف اقسام کے خنجر جن پہ مینا کاری اور سونے کا کام ہوتا ہے۔ اور مختلف قسم کے قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کلغیاں اور وہ اشیاً جو خواتین کو تحفے میں دی جاتی ہیں، مثلاً وہ جواہرات جو وہ سینے پر پہنتی ہیں یا اور مختلف اقسام کے سونے کے بازو بند جن پر موتی اور ہیرے جڑے ہوتے ہیں۔ سامان کے ساتھ بسولوں، کلہاڑیوں، کدالوں اور پھاوڑوں سے لیس ایک ہزار مزدور چلتے ہیں تاکہ دشوار گذار راہوں کو ہموار کیا جا سکے۔ ان کے سردار گھوڑوں پہ سوار ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں ان کے منصب کے نشان مثلاً چاندی کے کدال یا بسولے ہوتے ہیں۔ اگلے شاہی پڑاؤ پر یہ لوگ خیموں اور بھاری توپوں کو نصب کرتے ہیں جب ہلکی توپیں آجاتی ہیں تو یہ شاہی خیموں کے گرد رکھی جاتی ہیں۔ اورنگ زیب صبح چھ بجے اس تخت پر بیٹھ کر جو وینیزی سفیر نے تحفے میں دیا تھا، روانہ ہوا۔ اس تخت کو بے جانے کے لئے ؛ ؛ آدمی تھے۔ مختلف وضع کی تین پالکیاں بھی ساتھ تھیں جن پہ وہ حسب خواہش بیٹھ سکتا تھا۔ علاوہ ازیں پانچ ہاتھیوں پر مختلف اقسام کی چھتیں تھیں جنہیں وہ اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا تھا۔ جیسے ہی وہ اپنے خیمے سے باہر نکلا ہلکی توپیں جو اس کے چاروں طرف تھیں آگے بڑھنے لگیں۔ یہ توپیں تعداد میں ستر تھیں اور ہر ایک کو دو گھوڑے کھینچتے تھے۔

بادشاہ کے جلوس کی ترتیب یہ تھی جس گھڑی وہ خیمہ سے باہر نکلا اور تخت پر بیٹھا تو سارے جنگی ساز بجائے گئے۔ ہراول دستہ آٹھ ہزار سواروں پر مشتمل تھا۔ میمنہ پر آٹھ ہزار سوار حسن علی خاں کی سرکردگی میں اور میسرہ پر آٹھ ہزار سوار محمد امین خاں کے ماتحت تھے۔ ان دونوں بازوؤں کے پیچھے شکاری تھے جو گھوڑوں پہ سوار تھے اور جنہوں نے اپنے اپنے عقاب کلائیوں پہ بٹھا رکھے تھے۔ بادشاہ کے بالکل سامنے نو ہاتھیوں پہ بڑے بڑے جھنڈے تھے۔ ان نو ہاتھیوں کے پیچھے چار اور ہاتھی تھے جن پہ سبز پھریرے تھے۔ ان پھریروں پہ سورج کا نشان تھا۔ ان ہاتھیوں کے عقب میں نو شاندار عربی گھوڑے تھے جن پر زین کسے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے دو سوار تھے۔ ایک کے ہاتھ میں ایک پھریرا تھا جس پہ عربی عبارت مرقوم تھی۔ دوسرے کے ہاتھ میں ایک نقارہ تھا جس پہ وہ آہستہ آہستہ چوب مارتا جاتا تھا تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ بادشاہ کی سواری آرہی ہے۔

پیدل فوج لاتعداد تھی جو بادشاہ کے دونوں جانب قطاروں میں آگے بڑھ رہی تھی۔ بعض کے ہاتھوں میں سرخ اور بعض کے پاس سبز جھنڈیاں تھیں۔ بعضوں کے ہاتھوں میں بید تھے جن سے وہ ان لوگوں کو دور ہٹاتے جاتے تھے جو نزدیک آنے کی جرات کرتے تھے۔ دونوں جانب ہاتھوں میں بید لئے بہت سے سوار تھے جو لوگوں کو دور رکھتے تھے۔ پیدل چلنے والوں میں بہت سے لوگوں کے پاس عطر تھے اور بہت سے لوگ سڑک پر پانی ڈالتے جاتے تھے۔ ان کے ساتھ ہی ایک عہدیدار ایسا بھی تھا جس کے پاس زمینوں، گاؤں اور صوبوں کے نقشہ جات تھے جن سے بادشاہ کو گذرنا تھا، تاکہ اگر کسی وقت بادشاہ یہ پوچھ لے کہ وہ کس سرزمین اور کس کے صوبے سے گذر رہا ہے تو اسے فوری جواب دیا جا سکے۔ اس کی تحویل میں چھوٹے سے چھوٹے گاؤں کے متعلق مکمل تفاصیل ہوتی ہیں نیز یہ کہ کس قطع اراضی سے کتنا محصول وصول ہوتا ہے۔

پیدل چلنے والوں میں سے کچھ کے پاس رسیاں ہوتی ہیں جو راستے کی اس طرح پیمائش کرتے ہیں۔ وہ بادشاہ کی آمد کے بعد شاہی خیمے سے پیمائش شروع کرتے ہیں۔ اگلا شخص جس کے پاس رسی ہوتی ہے زمین پر ایک نشان لگا دیتا ہے۔ اور جب پچھلا شخص اس نشان پر پہنچتا تو وہ وہاں سے آواز لگاتا ہے اور پہلا شخص ایک اور نشان لگا کر "دو" کی گنتی گنتا ہے۔ پورے سفر میں وہ اسی طرح کرتے جاتے ہیں۔ ایک اور شخص کے پاس فاصلے کا کھاتہ ہوتا ہے اور وہ اس میں اندراج کرتا جاتا ہے۔ اگر اتفاق سے بادشاہ یہ پوچھ لے کہ کتنا سفر طے ہو چکا ہے تو وہ فوراً جواب دیتے ہیں اس لئے کہ انہیں یہ پتہ ہے کہ کتنی رسیوں کی ناپ سے ایک کوس بنتا ہے۔ ایک اور پیدل شخص کے پاس گھڑی کا شیشہ ہوتا ہے جس سے وقت کی پیمائش کرتا ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کانسی کی طشتری پر ہتھوڑے کی ضرب سے وقت کی مدت کا اعلان کرتا ہے۔ ان سب کے پیچھے بادشاہ نہایت خاموشی سے آہستہ آہستہ سفر طے کرتا ہے۔

مغل بادشاہ اتنی شان سے سفر کرتے ہیں اور ان سے لوگوں کا برتاؤ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ فوجوں کے آگے آگے سفید چادروں سے لدا ہوا ایک اونٹ چلتا ہے تاکہ سڑک پر اگر کوئی آدمی یا جانور مرا ہوا دکھائی دے تو اُسے ڈھانپ دیا جائے۔ چادر کے کونوں کو پتھروں سے دبا دیا جاتا ہے تاکہ وہ ہوا سے اُڑ نہ سکے۔ بادشاہ گذرتے ہوئے ان کی بابت معلومات حاصل کرتا ہے۔

ان سب سے تھوڑی دور پیچھے روشن آرا بیگم ایک بہت بڑے ہاتھی پر ایک پالکی میں جسے میگھ ڈمبر کہتے ہیں سوار تھیں۔ میگھ ڈمبر ایک قسم کا تخت ہوتا ہے جس پر ایک چھتری ہوتی ہے۔ پورے طور سے سونے کے نقش و نگار سے مزین یہ تخت بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ ان کے پیچھے عمدہ گھوڑوں پر سوار اور سر سے پیر تک مختلف رنگوں کے لبادوں میں ملبوس ان کی ڈیڑھ سو خادمائیں تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک بید تھی۔ روشن آرا بیگم کے ہاتھی کے آگے چار نشان کے ہاتھی تھے بہت سے بہادر اور تنومند آدمی پیدل تھے تاکہ وہ ہر شخص کو خواہ وہ امیر ہو یا فقیر، ڈنڈے مار کر اور دھکے دے کر بھگا سکیں۔

روشن آرا بیگم کے پیچھے ان کے ملازم تھے۔ یہ کرخت چہروں والے خواجہ سرا تھے جن میں سے کچھ گھوڑوں پر سوار اور کچھ پالکی کے چاروں طرف پیدل چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے تین ہاتھیوں پر مختلف اقسام کی پالکیاں تھیں جن پر سنہرے جالی دار پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان پالکیوں میں روشن آرا بیگم کی خواصیں تھیں ان کے بعد تقریباً ساٹھ ہاتھیوں پر پردے دار پالکیوں میں دیگر خواتین تھیں روشن آرا بیگم کے ملازمین کے بعد تین بیگمات یعنی اورنگ زیب کی رانیاں اور حرم سرا کی دیگر شہزادیاں تھیں۔ ہر ایک کے خاص ملازمین ان کے ساتھ تھے۔ اس سفر کی ساری تفصیلات بیان کرنا طول کلامی ہوگی اس لئے کہ مغل ایسے معاملات میں بہت زیادہ نفاست کا اظہار کرتے ہیں اور ایسی کسی شے کو نظرانداز نہیں کرتے جو ان کی شان و شوکت میں اضافہ کرے۔

یہ بتانا باقی رہ گیا ہے کہ اس لاتعداد جم غفیر سے کم از کم ایک دن پہلے شاہی امور خانہ کا سربراہ دیگر ماہرین کی معیت میں ایسی جگہ کے انتخاب کے لئے روانہ ہوتا ہے جہاں شاہی خیمہ جات نصب کئے جا سکیں۔ اس مقصد کے لئے ہمیشہ کسی دلفریب جگہ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ پڑاؤ پر جگہ کی تقسیم اس طرح کی جاتی ہے کہ فوج کی آمد سے کسی قسم کا انتشار نہ ہو۔ سب سے پہلے شاہی خیموں کے لئے جگہ مقرر کی جاتی ہے۔ میں نے بعد ازاں کئی بار اس جگہ کی پیمائش کی ہے اور اس کا محیط تقریباً پانچ سو قدم ہوتا ہے۔ شاہی خیموں کے پیچھے ایک اندر دروازہ ہوتا ہے جس میں خواتین رہتی ہیں۔ یہ جگہ بہت محترم تصور کی جاتی ہے۔ اس کے بعد شہزادوں، سرداروں اور امراء کے خیموں کی جگہ مقرر کی جاتی ہے۔ یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ ان خیموں اور شاہی خیموں کے درمیان کافی فاصلہ ہو۔ درمیانی جگہ کے چاروں طرف

چھ ہاتھ اونچا سرخ کپڑا گھیر دیا جاتا ہے جو دیوار کا کام کرتا ہے۔ اس گھیرے کے چاروں طرف چھوٹی توپیں نصب کی جاتی ہیں۔ ان کے آگے خندق ہوتی ہے اور پیچھے لکڑی کی جالی دار باڑھ جو دیش کی قدیم کرسیوں کی طرح کھلتی اور بند ہوتی ہے۔ دروازے کے دونوں طرف ایک سو تیس قدم پر دو خیمے ہوتے ہیں۔ دروازے کے سامنے ذرا بلندی پر ایک بڑا خیمہ موسیقاروں اور سازندوں کے لئے ہوتا ہے۔

بعض مخصوص شاہی خیموں میں بادشاہ دربار کرتا ہے۔ ان خیموں میں سہارے کے لئے چھوٹے چھوٹے منقش و مزین شہتیر استعمال کئے جاتے ہیں جن پر سونے کی شمی[illegible] ہوتی ہیں۔ ان شہتیروں کو شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ اور کوئی استعمال نہیں کر سکتا۔ ایک بہت بلند شہتیر پر ایک قندیل روشن کی جاتی ہے جو دیر سے آنے والوں کی رہبری کے لئے ہوتی ہے۔ راجاؤں اور امیروں کے خیمے بلند تو ہوتے ہیں مگر بادشاہ کے خیموں جتنے بلند نہیں ہوتے۔ بصورت دیگر ایسے خیموں کے ڈھا دیئے جانے اور ان کی اپنی تباہی کا خطرہ ہوتا ہے۔

جب بادشاہ سفر شروع کرنے کے لئے اپنے خیمے سے نکلتا ہے تو شہزادے، امرأ اور سردار تعظیم کے لئے اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک کوئی مختصر التماس کرتا ہے اور مختصر جواب پاتا ہے۔ بادشاہ کے ساتھ ساتھ وہ اس پڑاؤ کے آخر تک چلتے ہیں جہاں انہوں نے دن بھر قیام کیا تھا، اور پھر ہر شخص اپنے اپنے خیمے میں اپنی مخصوص جگہ پر واپس آ جاتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ شکاریوں تک پہنچ جاتا ہے اور اپنی مرضی کا اظہار کرتا ہے کہ آیا وہ شکار کھیلنا چاہتا ہے یا نہیں۔ اگر شکار کی خواہش ہو تو بادشاہ فوج کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے ساتھ پیدل آدمی اور اس کا حفاظتی دستہ ہوتا ہے۔ باقی ماندہ تمام لوگ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ اگر وہ شکار کھیلنا نہیں چاہتا تو شکاری اپنی مخصوص جگہ پر واپس چلے جاتے ہیں۔ پیش خیمہ کے دکھائی دیتے ہی مطرب ایک بار پھر اپنے ساز بجانے شروع کر دیتے ہیں اور اس وقت تک بجاتے رہتے ہیں جب تک کہ بادشاہ خیموں کے دروازے سے گذر نہ جائے۔ اس کے بعد چھوٹی توپیں داغی جاتی ہیں۔ شہزادیاں اور بیگمات بادشاہ کی آمد پر منزل مبارک کہہ کر مبارکباد دیتی ہیں۔

یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ گو شہزادیاں اور بیگمات سب سے آخر میں روانہ ہوتی ہیں مگر منزل پر سب سے پہلے پہنچتی ہیں اس لئے کہ وہ کوئی مختصر راہ اختیار کرتی ہیں۔ بالعموم خواتین سازو سامان کی روانگی

کے بعد روانہ ہوتی ہیں اور تیزی سے سفر کرتی ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس سفر میں روشن آرا بیگم کی پالکی میں ان کی خادمہ نہیں تھی بلکہ اس کی جگہ خادمہ کے کپڑوں میں ملبوس ایک نوجوان تھا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ پینے پلانے کے علاوہ اور کیا کیا چاہتے تھے۔ جس شخص نے مجھے یہ بات بتائی وہ میرا ایک خواجہ سرا دوست تھا جو شراب کا بہت شوقین تھا۔ اس قصے کی توثیق شہزادی کی موت کے بعد اس کی ایک اور خواص نے بھی کی۔ علاوہ ازیں ان باتوں سے بھی بہت کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو میں بادشاہ کی دِلّی میں آمد کے سلسلے میں پہلے کہہ چکا ہوں۔

موقع کے حسن، نظم و ضبط اور لوگوں کے اجتماع کے باعث، شاہی پڑاؤ کے بارے میں اور تفاصیل دینا دِقّت طلب بھی ہے اور طول کلام بھی۔ سفر میں مغل بادشاہ کی مثال سامنے رکھ کر یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مغلوں کی مملکت میں کیا ہوتا ہوگا، بالخصوص اس امر کے پیشِ نظر کہ مغل بادشاہ ناقابلِ بیان شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہاں میں بس یہ کہہ سکتا ہوں کہ گویا ایک عظیم شہر ایک مقام سے دوسرے مقام کی جانب سفر کر رہا ہے۔ یہاں نہ بازاروں کی کمی ہوتی ہے نہ دکانوں کی نہ کھیل تفریح کی اور نہ سونے چاندی کی۔ مختصراً یہ کہ جو کچھ بھی کسی اچھے شہر میں مل سکتا ہے وہ پڑاؤ پر بھی مہیا ہوتا ہے۔

اپنے جذبۂ جستجو کی تسکین کی خاطر میں صرف تین دن ہی لشکر کے ساتھ چلا۔ یہ سوچ کر کہ بغیر ملازمت کے کشمیر تک جانا میرے لئے مناسب نہیں، میں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور اس کے بجائے بنگال جانا طے کیا جو ایک کاروباری ملک ہے، جہاں اشیائے ضرورت سستی ہیں اور جہاں بہت سے یورپی باشندوں کی رہائش بھی ہے۔

اسی لئے میں بادشاہ کے پورے سفرِ کشمیر کا ذکر نہیں کرتا، اگر کسی مناسب موقع پر میں کشمیر کے بارے میں بعض باتوں کا تذکرہ کروں گا جن کا مجھے علم ہے ؟

——— ⁖ ———

باب پنجم

میں دلّی واپس آیا جہاں میں نے کئی دن قیام کیا[۳] تاکہ دوستوں سے رخصت ہو سکوں۔

اس کے بعد میں شہر آگرہ کی جانب روانہ ہوا جہاں پہنچ کر میں جسوٹ پادریوں سے ملا۔ اپنے قدیم دوستوں سے ملاقات کا لطف اٹھانے میں کچھ وقت گذارا جن کے ساتھ میں بھکّر کے قلعے میں تھا۔ میں نے اورنگ زیب کی ملازمت کی پروا نہیں کی مگر ان لوگوں نے قبول کر لی تھی اور اس وقت وہ آگرے کے قلعے میں توپچی تھے وہ مجھ پر زور دیتے رہے کہ میں ملازمت اختیار کر لوں مگر یہ دیکھتے ہوئے کہ میں ان کی بات نہیں سنتا، انھوں نے یہ سوچ کر اعتبار خاں سے درخواست کی کہ شاید وہ مجھے قائل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اعتبار خاں نے مجھے بلوایا اور اس سے مل کر میں نے بلور کا ایک پیالہ اس کی نذر کیا۔ اسے بخوشی قبول کرنے کے بعد اس نے حکم دیا کہ مجھے خلعت سے نوازا جائے۔ اس نے مجھے جیتنے کی بڑی کوشش کی اور شدت سے مطالبہ کیا کہ میں ملازمت اختیار کر کے قلعہ میں ہی رہ جاؤں۔ وہ کسی قیمت پر بھی مجھے روکنا چاہتا تھا اور وہ تنخواہ دینے کو تیار تھا جو مجھے شہزادہ دارا سے بھکّر میں ملتی تھی۔ وہ مجھے تمام عیسائیوں کا سربراہ بنانے پر بھی تیار تھا (یہی وہ چاہتے بھی تھے اس لئے کہ انھیں یہ یاد تھا۔ میں بھکّر میں ان کے ساتھ کتنے التفات

سے پیش آتا تھا)

میں نے اس سے معذرت کی اور یہ کہا کہ در اصل میں دنیا کے مختلف ملکوں کی سیاحت کرنا چاہتا ہوں۔ علاوہ ازیں مجھے اورنگ زیب سے چڑ تھی۔ اعتبار خاں کی صورت بھی مجھے ناپسند تھی۔ سچ پوچھیے تو مجھے اس کی شکل ھگو رجیسی لگتی تھی۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ ایسے منہ والا شخص کوئی نیک کام سرانجام دے ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود میں نے دربار میں متعدد بار حاضری دینے میں کوتاہی نہیں کی اور اعتبار خاں کی خواہش بھی یہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح آہستہ آہستہ وہ میرے فیصلے کو بدل سکے گا اور مجھے ملازمت کرنے پر راضی کرے گا۔ تاہم ہر بار جب بھی میں نے حاضری دی آگے میں قیام کے خلاف میرا عزم اور زیادہ پختہ ہوتا گیا۔

اس طرح متعدد بار قلعہ میں جانے سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ شاہجہان کی قید توقع سے زیادہ سخت تھی۔ ایک دن بھی ایسا نہ گذرتا تھا جب میں اور چند آدمی گورنر سے بات کر رہے ہوں اور کوئی ماتحت خواجہ سرا آکر اس کے کان میں شاہجہاں کے متعلق یہ نہ بتائے کہ اس نے کیا کیا اور کیا کہا۔۔ یہاں تک کہ بیویوں، شہزادیوں اور لونڈیوں کے درمیان کیا کیا ہوا۔ بعض اوقات ان باتوں پہ جو خواجہ سرا بتاتے تھے وہ مسکراتے ہوئے ہمیں بھی اندر کے حالات و کوائف میں شریک کر لیتا تھا اور اس کے ساتھ ہی شاہجہاں کے خلاف کوئی تلخ بات بھی کہہ گذرتا۔ ان باتوں سے بھی اس کا جی نہ بھرتا تھا اور بعض اوقات اس رویہ کا بھی اظہار کرتا کہ وہ اس کے ساتھ ایک حقیر غلام کا سا برتاؤ کرتا ہے۔ ایک بار ایک ماتحت خواجہ سرا نے اسے یہ بتایا کہ شاہ جہاں کو ایک پاپوش کی ضرورت ہے۔ پاپوش بلا ایڑی کی جوتی ہوتی ہے جو مسلمان پہنتے ہیں۔

اس نے حکم دیا کہ پاپوشوں کی کئی جوڑیاں منگائی جائیں سوداگر نے مختلف اقسام کی پاپوشیں پیش کیں، بعض چمڑے کی تھیں جن کی قیمت آٹھ آنے تھی، بعض سادے مخمل کی تھیں اور بعضوں پر کام بنا ہوا تھا۔ کچھ کی قیمت آٹھ روپئے تک تھی جو شاہ جہاں جیسے عظیم بادشاہ کے لئے قید کی حالت میں بھی بہت معمولی چیز تھی۔ اس کے باوجود خواجہ سرا نے جو بے حد کنجوس تھا اُسے نہ آٹھ روپے والی بھیجی نہ چار والی نہ دو والی بلکہ چمڑے کی عام پاپوش بھیجی ــ اس بات پر وہ اس انداز سے مسکرایا گویا اس نے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہو۔ اور یہ واقعی بڑا کارنامہ تھا اس لئے کہ یہ اس کے دوست اورنگ زیب

کی طبیعت کے مطابق تھا۔ اورنگ زیب خواجہ سرا کی شکل وشباہت سے ہی اس کے کردار کی خباثت سے واقف ہو گیا تھا اور اسی لئے اس نے دنیا میں اپنے سب سے بڑے دشمن یعنی اپنے باپ کی نگرانی کے لئے اسے منتخب کیا تاکہ سخت برتاؤ کے سبب وہ جلد بوڑھا جلد ہی مر جائے۔

چونکہ اعتبار خاں نے مجھے خواجہ سراؤں کی برادری کے متعلق بات کرنے کا موقع فراہم کیا ہے اس لئے روانگی سے قبل میں اس وحشی صنف کے بارے میں مختصراً کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگ یہ نہ جانتے ہوں کہ خواجہ سرا سے کیا مراد ہے اور اُسے پورپی خواجہ سراؤں کے مماثل سمجھتے ہوں جو گانے بجانے پر مصور ہوتے ہیں۔ اگر یہ امیر ہوتے تو اپنے حرم میں منتخب خواتین ضرور رکھتے ہیں اور ان سے باتیں بگھارتے ہیں اور اگر آمدنی کی کمی کے باعث ایسا کرنے سے معذور ہوتے تو ان کی تلاش میں ہر سمت چکر کاٹتے ہیں، اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ کوئی دروازہ ان پر بند نہیں اور نہ عورتیں ان سے پردہ کرتی ہیں۔

اس جانور کی دیگر صفات میں ایک صفت یہ ہے کہ اُسے سونے چاندی، ہیروں اور موتیوں کو جمع کرنے کی سخت طمع ہوتی ہے وہ بے حد حریص ہوتے ہیں۔ ضرورت کے وقت بھی روپیہ خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں، وصول کرنے کے شوقین اور بخشنے میں کنجوس ہوتے ہیں۔ تاہم وہ لباس فاخرہ پہن کر باہر نکلتے ہیں اور اگر اچھے گھوڑے پر سوار ہوں تو خود کو اتنا برتر تصور کرتے ہیں گویا وہ دنیا کے عظیم ترین انسان ہوں۔ برتری کا احساس ان کے لئے زیبا ہے اس لئے کہ وہ شہزادیوں کے منظور نظر ہوتے ہیں، جو ان کی خیر خواہی حاصل کرنے کے لئے فراخ دلی دکھاتی ہیں۔ اور بسا اوقات اس لطف اندوزی سے ہمکنار ہوتی ہیں جس کی بابت میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ وہ مردوں کو رازدارانہ طور پر حرم سرا میں پہنچانے کے لئے بھی کار آمد ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے سے شوہر کی تلاش بھی ہو سکتی ہے، اس لئے کہ بالعموم یہی لوگ بڑے گھروں کے نگران ہوتے ہیں۔

ان کی ایک اور صفت یہ ہے کہ عورتوں کے دوست اور مردوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ یہ بات شاید بربنائے حسد ہو کہ انہیں یہ معلوم ہے کہ وہ کس چیز سے محروم ہیں۔ ان لنگڑوں کی زبان اور ہاتھ بیک وقت چلتے ہیں اور محل میں آنے والی ہر شے اور ہر عورت کی تلاشی لینے میں سخت اوباشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ گفتگو میں ذلیل اور کہانیاں گھڑنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کے مقابلے میں عقائد کے اعتبار سے

سب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں، گو میں ایسوں کو بھی جانتا ہوں جو تھوڑی بہت پینے سے کبھی گریز نہیں کرتے اور شراب کے شوقین ہوتے ہیں۔ یہ لوگ تمام راز کی باتوں کی جاسوسی کرتے ہیں اور اس لئے بادشاہوں، شہزادوں، رانیوں اور شہزادیوں کی باتوں پر ہمیشہ کان لگائے رکھتے ہیں۔

جب جسوٹ پادریوں نے دیکھا کہ میں آگرے میں قیام پر تیار نہیں ہوں اور بنگال جانے پر مصر ہوں تو ایک المانی پادری باسن رخ راتھ نے جو کلیسائی مدرسے کا سربراہ تھا مجھ سے یہ التجا کی کہ میں اپنے ساتھ دو پرتگالی پادریوں کو بھی لے جاؤں جو اس کے ساتھ مدرسے میں مقیم تھے۔ یہ دونوں ان لوگوں کے ساتھی تھے جو چاؤل کے شہر سے بھاگے تھے اور وہ یہ نہ چاہتا تھا کہ اس پر مفرور پادریوں کو پناہ دینے کا الزام عائد ہو ـــ گو میں بخوشی اس سامان کا بوجھ سر پر نہ لینا چاہتا تھا، اس لئے کہ ہمیشہ سے میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص کسی ایک عہد کو توڑتا ہے وہ دوسری بداعمالیوں کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے؛ تاہم المانی پادری کی بات رکھنے کے لئے میں نے ان دو پادریوں کو اپنے ملازم کے طور پر ساتھ لے لیا۔ بارہ دنوں میں ہم الہ آباد پہنچ گئے۔

اس بات کا جاننا قارئین کے لئے باعث مسرت ہوگا کہ اس شہر کے مشرقی جانب سرخ پتھروں کا ایک قلعہ ہے۔ اس کی تعمیر شہنشاہ اکبر کے حکم سے ہوئی۔ یہ قلعہ بہت خوشنما اور بہت مضبوط ہے۔ فن کے علاوہ فطرت نے بھی اسے مضبوط بنانے میں مدد دی ہے۔ دریائے گنگا جو شمال کی طرف یا بہ الفاظ دیگر بائیں جانب بہتی ہے، جنوب کی طرف بہنا شروع کر دیتی ہے یہاں تک کہ قلعہ تک پہنچ جاتی ہے۔ قلعہ کے دائیں جانب مشرق کی طرف دریائے جمنا بہتی ہے اور قلعہ کی دیوار کے نیچے گنگا سے مل جاتی ہے۔ ان دریاؤں کے علاوہ اس چٹان سے جس پر قلعہ کی عمارت کھڑی ہے نیلے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ نکلتا ہے جسے تیر تھ کہتے ہیں۔ دونوں دریاؤں کے درمیان باہر نکلی ہوئی زبان کی طرح یہ چشمہ ایک سیدھی لکیر میں بہتا ہے اور پھر ان دونوں دریاؤں میں مل جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دریا اس پانی کو اس کی جائے پیدائش کے باعث نہایت محترم سمجھتے ہیں اور اس کے رنگ کو تبدیل کئے بغیر بہت دور تک اس کو ویسے ہی گزرنے دیتے ہیں۔ اس طرح آپ گنگا اور جمنا دونوں دریاؤں کے پانیوں کے درمیان اس چھوٹے چشمے کے پانی کو واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

ہم چند دن الہ آباد میں رہے ۔ اس زمانے میں یہاں کا صوبیدار بہادر خاں دیہاتیوں کے خلاف ایک مہم پر گیا ہوا تھا جو آگرے کے گرد و نواح کے دیہاتیوں کی طرح کم از کم ایک بار جنگ آزمائی کئے بغیر محصول ادا کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے ۔ الہ آباد سے میں خشکی کی راہ بنارس کے لئے روانہ ہوا ۔ دوسرے مسافروں کی طرح میرے پاس بھی پروانہ راہ داری تھا ۔ راستے میں کوئی نشیب و فراز نہ تھا اور راہ بالکل ہموار تھی ۔ آٹھ دن بعد ہم شہر بنارس میں پہنچ گئے جہاں ہم نے چند دن قیام کیا ۔ یہ شہر چھوٹا مگر بہت قدیم ہے ۔ ایک ایسے مندر کے باعث جس میں ایک بہت قدیم بُت رکھا ہوا ہے ہندو اس شہر کو متبرک خیال کرتے ہیں ۔ اس شہر میں میری آمد کے چند برس بعد اورنگ زیب نے اس مندر کی تباہی کا حکم صادر کیا ۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب اس نے تمام مندروں کو گرا دینے کی مہم چلائی جس کا ذکر میں مناسب مقام پر کروں گا ۔

اس شہر میں افراط سے ایسا کپڑا بنا جاتا ہے جس پر سونے چاندی کا کام ہوتا ہے اور جو یہاں سے پوری مغل سلطنت میں بھیجا جاتا ہے اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اس کی برآمد ہوتی ہے ۔ الہ آباد کا پروانہ راہ داری دکھا کر جیسا کہ رواج ہے یہاں میں نے دریا کو عبور کیا اور خشکی کے راستے چار دن میں پٹنہ پہنچ گیا ۔ یہ ایک وسیع و عریض شہر ہے جس میں بہت سے بازار ہیں ۔ بیشتر حصہ میں مکانوں پر چھپر پڑے ہوتے ہیں جن میں بہت سے سوداگر رہتے ہیں ۔ یہاں عمدہ قسم کا سفید کپڑا کثرت سے تیار کیا جاتا ہے ۔

یہاں سوتی کپڑے کے علاوہ ریشمی کپڑا بھی کثرت سے تیار ہوتا ہے اور قلمی شورہ بھی وافر مقدار میں بنایا جاتا ہے ، جو یہاں سے بنگال بھیجا جاتا ہے اور وہاں سے یورپ کے مختلف مقامات کے لئے جہازوں میں لادا جاتا ہے ۔ ان باتوں کے پیش نظر اس شہر میں دو کوٹھیاں تھیں ایک انگریزی اور ایک ولندیزی ۔ یہاں تو ملیں بھی بنتی ہیں اور مٹی کے پیالے بھی جو شیشے سے زیادہ لطیف ، کاغذ سے زیادہ ہلکے اور بہت زیادہ معطر ہوتے ہیں ۔ انھیں نادرات کے طور پر دنیا کے ہر گوشے میں لے جایا جاتا ہے ۔

اس وقت پٹنہ کا حاکم داؤد خاں تھا ۔ یہ وہ شخص تھا جو دارا کی ملازمت ترک نہ کرنا چاہتا تھا مگر دارا نے جب وہ ملتان سے چلا تو خلافِ عقل عمل کرتے ہوئے اس شخص کو اپنی ملازمت سے نکال دیا

اور یوں اسے مجبوراً ملازمت چھوڑنی پڑی۔ میں اس سے ملنے گیا اسے یہ یاد تھا کہ میں کسی حد تک دارا کا منظورِ نظر تھا اور اس لئے وہ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھے ایک خلعت بخشی۔ مرحوم شہزادے کے لئے اب بھی اس کے دل میں بہت جگہ تھی اور وہ اس نحوست کو کوستا تھا جو شہزادے کے ساتھ لگ گئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر شہزادہ دارا اب بھی زندہ ہوتا تو وہ اورنگ زیب کی ملازمت کبھی اختیار نہ کرتا اور جب اس نے ملازمت قبول کر لی تو اسے پٹنہ کا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ میں اس کی مصاحبت اختیار کر لوں لیکن چونکہ میں طے شدہ سفر جاری رکھنا چاہتا تھا میں نے اس سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ مجھے بنگال میں بہت کام ہیں۔ اس نے مجھے رخصت دی مگر اس شرط پر کہ میں اس محبت کی نشانی کے طور پر جو میرے لئے اس کے دل میں تھی اس سے ایک کشتی کا تحفہ قبول کروں اور پانی کے راستے بنگال کا سفر کروں۔

میں نے یہ پیش کش قبول کر لی اور ان دونوں گھوڑوں میں سے جو میرے پاس تھے ایک کو فروخت کر دیا اور دوسرے کو کشتی پر چڑھا دیا۔ اس کے بعد میں دونوں پادریوں کے ساتھ سوار ہوا۔ جن سے میں کافی جلا ہوا تھا۔ ہم آہستہ آہستہ چلے اور ایک جزیرے کے قریب پہنچے۔ کھانے کی تیاری کے دوران میں، میں اپنے ملازموں کے ساتھ شکار کھیلنے کے لئے جزیرہ پر اترا۔ ایسے جزیرے غیر آباد ہوتے ہیں اور یہاں شکار کی کثرت ہوتی ہے۔ شام کے کھانے اور صبح کے ناشتے کے لئے کافی شکار مار کر میں کشتی میں واپس آیا۔ اس طرح ہر شام ہم ساحل کے نزدیک ہی سو جاتے تھے۔

ایک دن دورانِ سفر ملاح نے مجھے بتایا کہ میں ان پادریوں پر بالکل بھروسہ نہ کروں اس لئے کہ وہ میرے خیر خواہ نہیں ہیں۔ اس کے برعکس انہوں نے اکثر اوقات میری غیر موجودگی میں جب کہ میں کسی جزیرے میں شکار کھیلنے میں مصروف ہوتا تو وہ سفر جاری کرنے پر مصر ہوتے لیکن ملاح کبھی نہ مانتا اس لئے کہ اُسے معلوم تھا کہ اس عمل کی پاداش میں داؤد خان اُس سے سخت انتقام لے گا۔ مجھے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ پادری اس بات کے اہل ہیں۔ میں جتنا زیادہ ان کی رواداری کرتا وہ اتنی ہی دیدہ دلیری دکھاتے۔ وہ اس احسان سے آگاہ نہ تھے جو میں ان کے ساتھ محض اس لئے کر رہا تھا کہ وہ مذہبی لوگ تھے اور ان کی سفارش جبوٹ پادریوں کے سربراہ نے آگرے

میں کی تھی ۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا واقعی انھوں نے ملاح سے اس قسم کی گفتگو کی ۔ چند دنوں بعد مجھے علم ہوا کہ انھوں نے پھر وہی بات کی جو وہ پہلے کر چکے تھے ۔ پس مجھے مجبوراً ان پر غضبناک ہونا پڑا اور میں نے ان سے یہ کہا کہ اگر وہ اپنے بیہودہ طور طریق درست نہیں کریں گے تو میں انھیں کسی جزیرے میں چھوڑ جاؤں گا جہاں وہ وقت اور جنگلی جانوروں کے رحم وکرم پر ہوں گے ۔

آخر میں میں راج محل پہنچا جہاں اب سے پہلے شہزادہ شاہ شجاع کی رہائش گاہ اور دربار تھا۔ یہاں میں نے چند دن قیام کیا تاکہ شہر کی بربادی، تباہ حال محلات ، گرے ہوئے عظیم الشان مکانات اجڑے ہوئے چمن اور باغات دیکھوں ۔

راج محل سے میں نے دریا کے راستے ڈھاکہ کا سفر جاری رکھا اور یہاں سے چل کر پندرہ یوم میں ڈھاکہ پہنچ گیا ۔ شہر ڈھاکہ سارے بنگال کا ام البلاد ہے ۔ یہاں ہمیشہ ایک صوبیدار رہتا ہے جسے زبردست اختیارات حاصل ہوتے ہیں ۔ تاہم جب میں یہاں پہنچا تو یہاں کا صوبیدار میر جملہ موجود نہ تھا۔ وہ آسام کی مہم سر کرنے گیا تھا جس کا ذکر میں بعد میں کروں گا ۔ شہر ڈھاکہ نہ بڑا ہے اور نہ مضبوط ، اس کے باوجود یہاں کی آبادی زیادہ ہے ۔ زیادہ تر مکانات گھاس پھوس کے بنے ہوتے ہیں ۔ اس زمانے میں یہاں دو کوٹھیاں ہیں ایک انگریزی اور دوسری ولندیزی ۔ شہر میں بہت سے عیسائی ہیں جن میں سفید فام اور سیاہ فام پرتگالی ہیں ۔ ایک چرچ ہے جس کا نظم ونسق ایک پادری کے ہاتھ میں ہے جس کا نام آگسٹینو ہے ۔

یہاں میری ملاقات ٹامس پلاٹ (پراٹ) نامی ایک انگریز سے ہوئی جو بہت شائستہ آدمی تھا اور جسے میر جملہ سے پانچ سو روپے ماہوار ملتے تھے ۔ وہ دریا کے امور کا سربراہ تھا اور دریائی جنگ کے لئے ہتھیار بنانے اور کشتیاں تیار کرنے کے لئے مقرر تھا ۔ یہ انگریز مجھے اپنے گھر لے گیا اور اس نے مجھ پر کئی احسانات کئے ۔ کچھ دنوں کے بعد پادریوں کی معیت میں ایک بار پھر ڈھاکہ کے عظیم دریا کو کاٹتے ہوئے میں ہگلی کے سفر پر روانہ ہوا ۔ اس بات کا اندازہ کرتے ہوئے کہ میرے پاس وقت کم ہے اور یہ کہ ہگلی کے لئے ایک مختصر اور محفوظ راستہ ہے ، ہم نے خاص دریا کو چھوڑتے ہوئے اُن جنگلوں کے درمیان کا راستہ اختیار کیا جسے سندربن کہتے ہیں ۔ چالیس دن بعد ہم نے جنگل کو عبور کیا اور ہگلی کے دریا تک پہنچ گئے جو سمندر سے زیادہ دور نہ تھا ۔ پادریوں نے بالاسور کی بندرگاہ کا

رُخ کیا جہاں وہ خیرات مانگنا چاہتے تھے۔ میں ہگلی کی سرزمین پر اترا اور سینٹ آگسٹن کے گرجا کے پادری فرے دراؤ باتستا سے ملنے گیا۔ یہاں مجھے ہگلی کے معزز باشندے ملے۔ سارے پرتگالی اور بہت امیر تھے اس لئے کہ اس زمانے میں پورے صوبہ بنگال میں نمک کی تجارت کا اختیار محض انھیں کو حاصل تھا۔ پادری صاحب نے مجھ سے فوراً پوچھا کہ آیا میرے ساتھ مفرور پادری بھی آئے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ دو پادری تو آئے ہیں مگر وہ مفرور نہیں ہیں۔ اس کے برعکس وہ بڑے پارسا اور قابل تکریم لوگ ہیں۔ وہ اپنی خانقاہ کے لئے خیرات جمع کرنے آئے ہیں اور اس مقصد کے لئے بالاسور گئے ہیں۔ میں نے انھیں ان تکالیف کا بدلہ اس طرح دیا جو انھوں نے مجھے سفر میں پہنچائی تھیں۔ لیکن انھوں نے مجھے میری نیکیوں کا صحیح بدلہ نہ دیا، جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ بڑے پادری نے میرے الفاظ پر اعتماد کرتے ہوئے دو کمرے تیار کرائے جن میں پادریوں کی آمد پر انھیں ٹھہرایا جانا تھا۔ چند دنوں بعد ان کی آمد ہوئی اور ان کا اچھی طرح استقبال کیا گیا۔

میری آمد کے چند دنوں بعد جیسوٹ پادری مجھ سے ملنے آئے اور گفتگو کے دوران میں انھوں نے مجھے بتایا کہ ان کی تحویل میں ایک چھوٹا سا گرجا ہے مگر وہ گھاس پھوس کا بنا ہوا ہے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ پتھر کا گرجا بنوائیں لیکن ہگلی کا حاکم معترض تھا۔ مگر وہ اُسے پانچ ہزار روپیہ بھی دینے کے لئے تیار تھے۔ حاکم ہگلی ایرانی نسل کا ایک شخص مرزا گل تھا جو اس وقت شاہ شجاع کا ملازم تھا جب اس نے اورنگ زیب کے خلاف کھجوہ کی مشہور لڑائی لڑی۔ بعد ازاں اس نے اورنگ زیب کی ملازمت اختیار کر لی اور میر جملہ نے جو اس کی فہم و فراست سے واقف تھا اُسے ہگلی کا حاکم بنا دیا۔ یہ حاکم اس بات پر مصر تھا کہ جیسوٹ پادری گرجا کی تعمیر نہ کریں۔ اس نے یہ احکامات صادر کر دیئے تھے کہ جو شخص بھی ایسی عمارت تعمیر کرے گا اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

ان پادریوں نے مجھ سے پُرزور التماس کیا کہ میں اس معاملے پر مرزا گل سے گفتگو کروں۔ اس نیت سے کہ میں پادریوں کی خدمت کر سکوں، میں حاکم ہگلی سے ملاقات کو گیا۔ حالیہ جنگوں کے واقعات پر جب ہماری گفتگو ہوئی تو میں نے اس کے دل میں راہ کر لی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں تمہارے لئے کسی طور کچھ کر سکوں تو میں اس کے لئے بخوشی تیار ہوں۔ ان پادریوں کے منصوبے

کے لئے گنجائش دیکھتے ہوئے، جو میرے ساتھ ہی تھے، میں نے بڑے مؤدبانہ الفاظ ادا کرنے کے بعد اس سے یہ گذارش کی کہ اگر آپ پادریوں کو گرجا کی تعمیر کی اجازت دیں تو یہی میرے لئے بہت ہے۔ یہ سب سے بڑا احسان ہوگا جو آپ مجھ پر کریں گے۔ اس کے بعد میں نے اس کے سامنے ان کی درخواست پیش کی جسے اس نے اسی وقت منظور کر لیا۔

جب پرتگالیوں نے یہ سُنا کہ میں نے محض چند الفاظ سے وہ کچھ حاصل کر لیا جو وہ پانچ ہزار روپے میں نہ کر سکے تو ان سب کو بہت تعجب ہوا۔ اس سبب سے انہوں نے مجھے ہگلی میں روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ان کا خیال تھا کہ جب میں نے اس مشکل معاملہ کو اتنی آسانی سے طے کر دیا، تو ہگلی میں میرا مستقل قیام ان کے لئے سودمند ثابت ہوگا۔ انھیں بالآخر یہ پتہ چل گیا کہ میں اس بات کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں مغل سلطنت میں طبابت کرنے کے لئے جانا چاہتا تھا جس کے مبادیات سے میں واقف ہو چلا تھا اور اس سلسلے میں میرا مطالعہ جاری تھا۔ مجھے تجربے نے یہ بتایا تھا کہ مسلمان فرنگی طبیبوں کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پھر انہوں نے مجھے ایک نوجوان لڑکی سے شادی کرانے کے وعدے پر روکنا چاہا نیز یہ کہ وہ مجھے تین ہزار روپے اور دو کشتی نمک دیں گے اور یہ مجموعی طور پر ایک لاکھ روپے کے مساوی ہوں گے، اس کے علاوہ ایک مکان بھی جس میں نئے شادی شدہ جوڑے کی ضرورت کا سب سامان ہوگا۔

میں فی الواقعی دل سے چاہتا تھا کہ اس معاہدے کی تکمیل ہو مگر بظاہر یہ جتانے کی کوشش کی کہ مجھے اس کی ذرہ برابر پروا نہیں۔ برعکس اس کے میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں مغل سلطنت میں جانے کا تہیہ کر چکا ہوں۔

وہ پادری جن کے ساتھ میں نے آگرے سے بنگال تک سفر کیا تھا مجھ سے ملنے آئے اور لمبی چوڑی باتیں کر کے میری جیب سے تین ہزار روپیہ اڑانے کی کوشش کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ اگر میں انھیں تین ہزار روپے دوں تو یہ بات ان کے اختیار میں ہے کہ وہ میری شادی بہت اچھی جگہ کرانے کا بندوبست کریں۔ ان کا خیال تھا کہ مجھے شادی کی اس پیش کش کا کوئی پتہ نہیں۔ چہرے پر کوئی تاثر لائے بغیر میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور انھیں یہ جتا دیا کہ مجھے شادی کی کوئی خواہش نہیں ہے۔

انھوں نے اس دن تک انتظار کیا جب کہ میرے ہونے والے خسر نے ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا اور مجھے اپنی دعوت میں لے جانے کے لئے جیوٹ پادریوں اور دیگر دوستوں کے ساتھ میرے پاس آنا چاہتے تھے۔ ان کا مطلب تھا کہ دعوت کے دوران میں میری مرضی حاصل کریں۔ یک بیک وہ دونوں پادری بھی وہاں آموجود ہوئے۔ انھیں میرا دوست سمجھتے ہوئے ہر آدمی خوش ہوا۔ انھیں بھی یہ دعوت دی گئی کہ وہ سب کے ساتھ میرے مکان پر چلیں" تاکہ مجھے دعوت میں لائیں شادی کے متعلق معاملات طے ہوں۔ یہ دونوں اشخاص جو مجھے ضرر پہنچانے کے سوا اور کچھ نہ چاہتے تھے میرے خلاف اس بنا پر قہر و غضب کا اظہار کرنے لگے کہ وہ مجھ سے تین ہزار روپے نکلوانے سے قاصر رہے تھے۔ انھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ایک دولتمند شخص جس کی محض ایک بیٹی ہو اور جو اتنی بڑی دولت کی وارث ہو اپنی بیٹی کی قیمت اپنے ہاتھوں اس طرح خراب کرے کہ اس کی شادی ایک ایسے غیر ملکی نوجوان سے کر دے جو معمولی صلاحیتوں کا حامل ہو۔ علاوہ ازیں یہاں بہت سے اعلیٰ فہم، اعلیٰ خاندان، پرتگالی موجود ہیں جو ہگلی میں اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں اور جو اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر دوسرے لوگ اس جوڑے کے حق میں بھی ہوں تو بھی وہ لڑکی کے ساتھ اس ظلم کو جائز نہیں سمجھتے۔

پادریوں سے اس قسم کی باتیں سن کر ہر شخص متعجب ہوا کیونکہ ہر شخص انھیں میرا دوست سمجھتا تھا اور جیسا کہ میں نے خود جتایا تھا۔ بہت سے لوگوں کو جو وہاں موجود تھے پادریوں کے الفاظ نے متاثر کیا۔ وہ دونوں یہ جانتے تھے کہ کوئی نہ کوئی مجھے ان باتوں کی خبر دے دے گا، لہٰذا انھوں نے مکاری کے ساتھ خود پہل کی اور اسی وقت مجھ سے ملنے آئے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ تمھارے لئے ہگلی کوئی اچھی جگہ نہیں ہے، اس لئے یہ بہتر ہو گا کہ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ آگسٹنی کے گرجا کا بڑا پادری بھی تم سے سخت ناراض ہے کیونکہ تم نے جیوٹ پادریوں کے لئے گرجا کی تعمیر کی اجازت لے دی ہے۔

جیسے ہی وہ میرے پاس سے گئے میں نے قلم دوات لی اور بڑے پادری کو ایک خط تحریر کیا اور اس کی ناراضی کا سبب دریافت کیا۔ میرے لئے ناراضی کا یہ جواز صحیح نہ تھا کہ ایک اجنبی نے اللہ تعالےٰ کی شان بڑھانے کے لئے کام کیوں کیا۔ بہرکیف اگر میں نے انھیں ناراض کیا ہے

تو میں معافی کے لئے حاضر ہوں گا۔ تاہم مجھے یہ بات مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ وہ ناراضی کا اظہار کریں جیسا کہ مجھے فلاں فلاں پادریوں نے بتایا ہے۔ بڑے پادری نے جواباً لکھ بھیجا کہ وہ مجھ سے اس بات پر ناراض نہیں ہیں کہ میں نے جھوٹ پادریوں کو اجازت کیوں دلوائی بلکہ اس بات پر کہ ان پادریوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر معاملات طے ہو جائیں تو وہ انھیں ایک سو پچاس روپے دیں گے اور اب وہ اپنے الفاظ سے پھر گئے ہیں۔ اسی اثنا میں اس لڑکی کا جو میری بیوی ہونے والی تھی، دودھ شریکی بھائی مجھ سے ملنے آیا۔ وہ میرا بہت دوست تھا اور اس نے مجھے تمام واقعات سے آگاہ کیا۔

میں گھر سے باہر نکلا اور آگسٹین کے گرجا کے بڑے پادری سے ملنے گیا۔ وہاں میں نے دونوں پادریوں کے بارے میں سب کچھ بتا دیا اس لئے کہ اب مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ مکر و فریب میں طاق ہیں۔ میں نے انھیں سچ سچ بتا دیا کہ انھوں نے خیرات خانقاہ کے لئے نہیں بلکہ خود اپنے لئے جمع کی ہے انھوں نے یہ کوشش کی کہ میری جیب سے تین ہزار روپے گھسیٹ لیں مگر جب میں نے انھیں روپیہ نہ دیا تو انھوں نے میرے خلاف دروغ گوئی سے کام لیا۔ ان کا خیال تھا کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں جبکہ میرے ذہن میں اس کا خیال تک نہ آیا تھا۔ بڑے پادری نے میری باتوں پر اعتماد ظاہر کیا اور مفرور پادریوں سے وہ خیرات وصول کر لی جو انھوں نے جمع کی تھی اور ساتھ ہی گوا میں ان پادریوں کی خانقاہ میں یہ حکم صادر کیا کہ روپیہ کا پورا حساب تیار کیا جائے۔ بڑے پادری نے مجھ سے یہ شکایت کی کہ میں نے پہلے ہی انھیں مفرور کیوں نہ بتایا۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے یہ تاثر ہوا کہ مغل سلطنت میں اپنی بداعمالیوں کے برعکس اب وہ نیک اعمال کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس طرح میں نے یہ محسوس کیا کہ میرا یہ فرض ہے کہ اپنے پڑوسیوں کے عیوب کی پردہ پوشی کروں۔ مگر یہ دیکھ کر کہ اب وہ پہلے سے زیادہ بُرے اعمال کے مرتکب ہو رہے ہیں، میں نے یہ موقع غنیمت جانا کہ حقیقت کو آشکار کروں۔

ہگلی میں میرا قیام دو ماہ رہا۔ میں نے دیکھا کہ پانی میں گوشت خور گھڑیالوں کی کثرت ہے جو ان مُردوں کے گوشت کھاتے ہیں جو ہندو دریائے گنگا میں بہا دیتے ہیں۔ ہر سال یہ گھڑیال بہت سے زندہ انسانوں کو جو یا تو نہانے جاتے ہیں یا پانی بھرنے مار ڈالتے ہیں۔ یا انتظار میں پڑے رہتے ہیں اور جیسے ہی کوئی آتا ہے یہ اس کی ٹانگ پر اپنی دم کی ایک کاری ضرب سے اسے گرا لیتے ہیں۔

بہت سے دوست مجھے ہگلی میں روکنے پر مصر تھے تاکہ شادی کی بات پھر سے شروع کی جائے

لیکن چونکہ میں روانگی کے لئے بالکل تیار تھا اس لئے میں نے کسی کی بات نہیں مانی۔ مندرجہ بالا واقعہ کے دو دن بعد میں نے ہگلی کو خیرباد کہا اور خشکی کا راستہ اختیار کیا۔

ہگلی سے تین دن کی مسافت طے کرکے میں قاسم بازار پہنچا۔ یہاں میں نے دیکھا کہ اعلیٰ قسم کی اشیا اور سفید کپڑا تیار ہوتا ہے۔ اس گاؤں میں جو دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے فرانسیسیوں انگریزوں اور ولندیزیوں کی تین کوٹھیاں ہیں۔ قاسم بازار سے میں نے راج محل کی راہ اختیار کی اور وہاں میں ایک ہندو عورت کو ستی ہوتے دیکھنے کے لئے رک گیا گو میں بہتیری پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ اس عورت نے ایک موسیقار کے عشق میں اپنے شوہر کو اس اُمید پر زہر دے دیا تھا کہ وہ بعدازاں اپنے عاشق سے شادی کرے گی۔ مگر شوہر کی موت کے بعد موسیقار نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اب یہ دیکھ کر کہ شوہر مر چکا ہے اور عزت خاک میں مل گئی ہے اس نے ستی ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ اسے دیکھنے کے لئے ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ انھیں میں موسیقار بھی تھا کہ شاید اس سے کوئی نشانی مل جائے۔ ستی ہونے والی عورتیں بالعموم پان یا کوئی زیور تقسیم کرتی ہیں۔ چِتا کی جگہ ایک بہت بڑا گڑھا تھا۔ اس وقت جب کہ وہ گڑھے کے گرد چکر لگا رہی تھی تو وہ موسیقار کے قریب آئی۔ اس نے اپنے گلے سے ایک سونے کی زنجیر اتار کر جو وہ زیور کے طور پر پہنے ہوئے تھی، اس نوجوان کے گلے میں ڈال دی اور پوری قوت سے اُسے بازوؤں میں جکڑ کر گڑھے میں کود گئی۔ اس پر ہر شخص کو سخت اچنبھا ہوا اس لئے کہ کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ پس اس عورت اور موسیقار دونوں نے اپنے گناہوں اور شوہر کے قتل کا کفارہ ادا کیا۔

راج محل سے ایک بار پھر میں نے پٹنہ کا رُخ کیا جہاں میں نے چند دن قیام کیا اور اپنے چند انگریز اور ولندیزی دوستوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا۔ پھر میں الہ آباد کے لئے روانہ ہوا اور الہ آباد سے آگرہ پہنچا جہاں شاہ جہاں بادشاہ اب بھی قید و بند کی سختیاں جھیل رہا تھا جیسا کہ بادشاہ اورنگ زیب کا حکم تھا جو ابھی کشمیر میں تھا۔ جن راہوں کو میں نے اختیار کیا ان پر مسافروں کی کثرت ہوتی ہے اور بیشمار گاؤں اور سرائیں ہیں۔ کھانا اچھا اور سستا ہوتا ہے۔

آگرے میں میری آمد کے کچھ دنوں بعد میرے گھر ایک ولندیزی جراح آیا جس کا نام جیلب تھا۔ یہ گوا کی بندرگاہ سے فرار ہوا تھا جہاں اس نے ولندیزیوں کے محاصرے کے وقت ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس کی آمد بہت خوش آئند تھی کیونکہ حاکم شہر نے جسے ناسور ہو گیا تھا، مجھے یہ دریافت کرنے کو بلوایا

تھا کہ کیا میں اس کا علاج کر سکتا ہوں۔ قلعہ میں جو یورپی باشندے تھے ان میں سے کوئی اس کا معقول علاج نہ جانتا تھا۔ نہ ہی کوئی ایسا مسلمان جراح تھا جو اس مسئلہ سے عہدہ برآ ہونے کی ہمت کرتا۔ میں نے جلیب سے جو دیسی زبان (اُردو) نہیں جانتا تھا اور بہت ہی غریب اور پریشان حال تھا، یہ پوچھا کہ آیا وہ اس مرض کے علاج کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ اس نے حامی بھری اور میں اس کے ساتھ حاکم شہر کے پاس گیا۔ اور بہت کم مدت میں ہم نے اسے شفایاب کر دیا۔ ان تحائف کے علاوہ جو اس نے مجھے اس دوران میں بھیجے جب ہم اس کا علاج کر رہے تھے، حاکم شہر نے ہمیں ہماری کاوش کے بدلے میں گراں قدر رقم دی۔ اس طرح آہستہ آہستہ میں خود طبیب بننے لگا گو مجھ میں ابھی اتنی ہمت نہ تھی کہ میں اس کا اعلان کر دیتا۔

آگرے میں قیام کے دوران میں ایک دن میں ایک آرمینی نوجوان کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر سیر تفریح کی غرض سے اندرونی علاقوں میں گیا۔ ہم اس مقام پر پہنچے جہاں ایک ہندو عورت اپنی جلتی ہوئی چتا کے گرد چکر لگا رہی تھی۔ اس نے ہم پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں گویا ہم سے مدد کی خواہاں ہو۔ آرمینی نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں اس عورت کو موت کے منہ سے بچانے کے لئے اس کا ساتھ دوں گا۔ میں نے حامی بھر لی۔ ہم نے اپنی تلواریں سونت لیں، ہمارے ملازموں نے بھی یہی کیا۔ پھر ہم نے گھوڑوں پر سوار، "مارو، مارو" کے شور کے ساتھ اس تماشائی مجمع پر حملہ کر دیا۔ اس پر برہمن خوفزدہ ہو کر بھاگے اور اس عورت کو تنہا چھوڑ گئے۔ آرمینی جوان نے اس کا ہاتھ پکڑا اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھایا اور اسے ساتھ لے گیا۔ بعد ازاں بپتسمہ دلانے کے بعد اس نے اُس سے شادی کر لی۔ جب میں سورت سے گذرا تو میں نے دیکھا کہ وہ وہاں اپنے بیٹے کے ساتھ قیام پذیر ہے اور اس نے میرے احسانات کا بہت شکریہ ادا کیا۔ جب بادشاہ کشمیر سے واپس آیا تو برہمن اس کے پاس یہ شکایت کرنے لگے کہ سپاہی اُن کے رسم و رواج کے مطابق عورتوں کو ستی ہونے نہیں دیتے۔ بادشاہ نے یہ احکامات صادر کئے کہ مغلیہ سلطنت میں سرکاری عہدیدار کسی عورت کو ستی نہ ہونے دیں۔ یہ احکام آج تک جاری ہیں۔

باب ششم

اب موقع آگیا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ جب اورنگ زیب کشمیر میں تھا تو کیا کیا واقعات رونما ہوئے۔ میں یہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ روانگی سے قبل اس نے میر جملہ کو آسام فتح کرنے کے احکامات صادر کر دیئے تھے۔ ایک عام خیال یہ بھی تھا کہ اورنگ زیب نے میر جملہ کو آسام کی مہم پر اس لئے بھیجا ہے کہ اس سے پیچھا چھڑا لے۔ اُسے یہ خوف تھا کہ جس طرح اس نے گولکنڈہ میں انتشار برپا کیا، اور جس طرح اس نے شیواجی کی تباہی اور دارا پر فتح کے انتظامات کئے تھے، اسی طرح اس بات کا بھی امکان تھا کہ وہ اپنی حکمت عملی سے کسی اور شخص کو تختِ مغلیہ پر متمکن کرنے کی کوشش کرے۔

ان احکامات کی خواہ کچھ ہی وجہ ہو، میر جملہ اپنے شجاع سرداروں کی معیت میں ایک نئی مملکت کو فتح کرنے نکلا، اور اپنے وفادار ساتھی دلیر خان کو بھی اپنے ساتھ لے چلا۔ ان دونوں کی شدید خواہش یہ تھی کہ اورنگ زیب کے لئے چین میں داخل ہونے کا راستہ کھول دیں۔ آسام پر قبضہ کر لینے کے بعد یہ بات آسان معلوم ہوتی تھی۔ آسام کا زرخیز علاقہ پہاڑوں کے درمیان ہے جہاں خوراک اور پھل کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ یورپ کی طرح یہاں بھی انواع و اقسام کے پھل مثلاً ناشپاتی، سیب، خوبانی، لیچی اور انگور ہوتے ہیں۔ آسام کو مرکز بنا کر پیگو کو فتح کر کے چین میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔

چالیس ہزار سواروں کی معیت میں یہ دونوں شہر ڈھاکہ سے روانہ ہوئے۔ توپ خانے کو خشکی کے راستے، اور ایک بہت بڑے جہازی بیڑے کو پرتگالیوں کی سرکردگی میں دریا کے راستے روانہ کیا۔ یہ دونوں فوجیں ڈھاکہ سے سو کوس کے فاصلے پر ہاجو کے قلعہ پر پہنچ گئیں جسے آج سے سالہا سال پہلے آسامیوں نے صوبہ بنگال سے چھین لیا تھا۔ مختصر مدت میں میر جملہ نے اس قلعہ کو فتح کر لیا اور اس مقام سے آگے آسام کے علاقہ میں اٹھائیس دن تک آگے بڑھتا رہا۔ آسامیوں کا خیال یہ تھا کہ اگر جہازی بیڑے کو تباہ کر دیا جائے تو خشکی کے راستے آئی ہوئی فوج کو بھی تہس نہس کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ سامان رسد کی فراہمی کے ذرائع منقطع کرنا ہی کافی ہوگا جس کے باعث فوج تباہ ہو جائے گی۔ چونکہ یہ علاقہ پہاڑی تھا اور راستے تنگ تھے اس لئے یہ کام بہت آسان تھا۔

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک دن ایک بہت بڑا جہازی بیڑا ظاہر ہوا۔ دریا کے بہاؤ پر تیزی سے بڑھتے ہوئے وہ یہ ظاہر کر رہا تھا گویا سارے پرتگالیوں اور ان کے جہازوں کو ہڑپ کرے گا لیکن پرتگالی اس کی زد سے بچ گئے اور تیز بہتا ہوا دھارا اسے منزل مقصود سے دُور بہا لے گیا۔ اس دوران میں پرتگالیوں نے گولوں اور آتش گیر مادے سے انہیں بہت ہراساں کیا۔ جب آسامی دشمن سے آگے نکل گئے تو انہوں نے اپنے جہازوں کو موڑا مگر پرتگالی ان پر اتنی شدت سے ٹوٹے کہ تھوڑی ہی دیر میں ان کا پورا بیڑا تباہ ہو گیا۔ کچھ جہاز ڈوب گئے، کچھ پکڑے گئے اور بحیثیت مجموعی آسامیوں کا شدید نقصان ہوا۔

اس شاندار فتح کے بعد میر جملہ نے یہ سمجھا کہ پورا آسام اس کے قبضے میں آ گیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ قسمت اس کی یاوری کر رہی ہے۔ راجہ کو کسی مقام پر قلعہ بند ہونے کا موقع نہ دینے کی غرض سے اس نے پیش قدمی جاری رکھی۔ راجہ برابر پیچھے ہٹتا رہا اور اس کے سوا کہ سامان رسد کی فراہمی کو روکے یا ان اکا دُکا آدمیوں کو قتل کر دے جو خوراک اور ایندھن کی تلاش میں نکلتے تھے، وہ اور کچھ نہ کرتا تھا۔ وہ برسات کے موسم کا منتظر تھا جس میں نشیبی علاقوں میں سیلاب آ جاتا ہے۔ اسی سبب سے وہاں گاؤں اور شہر بلندیوں پر بسے ہوئے ہیں۔

جب آسامیوں نے یہ دیکھا کہ فوج سے علیحدہ ہو جانے والے تمام لوگوں کو قتل کرنے کے باوجود مغل اپنی بے باکانہ پیش قدمی سے باز نہیں آئے تو انہوں نے انہیں خوفزدہ کرنے کی ایک نئی ترکیب نکالی

جو یہ تھی! وہ جتنے لوگوں کو پکڑتے تھے ان کے مقعد میں ترکی قفل کی طرح کا ایک لوہا داخل کر دیتے، جو ایک بار اندر جا کر کبھی باہر نہ آ سکتا تھا۔ اس کی شکل اس طرح کی تھی ⇞۔ داخل کرتے وقت یہ بند ہو جاتا اور اندر جا کر کھل جاتا اور صرف اس کا دستہ باہر رہتا۔ وہ بیچارے روتے دھوتے فوج میں پہنچتے اور نہایت ابتر حال میں فوت ہو جاتے۔ میر جملہ کی فوج خوفزدہ ہوئی اور اس تجربے کے بعد لوگ دور جاتے ہوئے چوکنے رہتے تھے۔

میر جملہ اپنی فوج کے ساتھ آسام کے دارالخلافہ موسوم بہ گڑھ گاؤں پہنچ گیا اور بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے اس نے راجہ کو نکال باہر کیا۔ راجہ پہاڑوں میں چھپ گیا اور میر جملہ نے اس مقام پر قبضہ کر کے قبروں کو اکھاڑنے کا حکم دیا جن میں خزانے مدفون تھے۔ آسام کی رسم یہ تھی کہ مرنے والے کے ساتھ اس کی دولت بھی دفن کر دی جاتی تھی۔ ان لوگوں کے یہاں یہ رواج ہے کہ جب گھر کا مالک مر جاتا ہے تو اس کی بیویوں، داشتاؤں اور ملازموں کو یعنی درزی، دھوبی، حجام اور دیگر نوکروں کو، جو مرنے والے کے گھر سے وابستہ ہوتے ہیں، پیر باندھ کر جلا دیتے ہیں اور پھر ان سب کو اس کے ساتھ دفن کر دیتے ہیں۔

گڑھ گاؤں ایک وسیع اور خوبصورت شہر ہے۔ ساکنان شہر دولت مند سوداگر ہیں۔ یہ بات مجھے ڈھاکہ میں اس وقت معلوم ہوئی جب میں اُدھر سے گزر رہا تھا۔ اس علاقے کے باشندے چار بیویاں کرتے ہیں۔ یہاں کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں اور گھر کا کام کاج کرتی ہیں۔ جنگ کے علاوہ جب کہ انہیں لڑنے کے لئے نکلنا پڑتا ہے، مرد بالعموم بیکار رہتے ہیں۔ جب میں ڈھاکہ سے گزر رہا تھا تو میں نے ان بڑی بڑی کشتیوں کو دیکھا جنہیں میر جملہ گڑھ گاؤں اور دیگر مقامات کے مالِ غنیمت سے لاد کر بھیج رہا تھا۔ ان کشتیوں کا دنبالہ بہت بلند تھا جس پر بدصورت اور ہیبت انگیز چہرے منقش تھے۔ ان کا ہتھیار گھر سنے والی کانسے کی چھوٹی توپیں تھیں جن کے دہانے جہاں سے گولے نکلتے تھے مختلف جانوروں مثلاً شیر، چیتے، ہاتھی اور گھڑیالوں کی شکل کے بنے ہوئے تھے۔

میر جملہ نے یہ دیکھ کر کہ گو اس نے شہر پر قبضہ کر لیا ہے لیکن راجہ کو پہاڑیوں میں جنگ کر کے گرفتار نہیں کر سکتا، شہر میں ہی قیام کیا۔ راجہ نے رسد کی فراہمی کے سارے سلسلے منقطع کر دیئے۔ ہر چیز کو آگ لگا دی اور اپنے سپاہیوں کو ایسے مقامات پر مامور کیا کہ باہر سے خوراک شہر میں جا ہی نہ سکتی تھی۔

اس طرح برسات کی آمد تک اس نے برابر جنگ جاری رکھی - برسات نے بھی جنگ میں اس کا ساتھ دیا۔ میر جملہ کی فوج میں خوراک ختم ہو گئی تھی لہذا سپاہیوں نے مجبوراً گھوڑوں اور اونٹوں کا گوشت اور دیگر اشیا جو انھیں حاصل تھیں کھانی شروع کر دیں - اب میر جملہ کو آسام سے روانگی ملتوی کرنی پڑی کیونکہ اس کے آدمی خوراک کی خرابی سے مرنے لگے تھے - اس ملک میں داخلہ جتنا آسان تھا اتنا ہی برسات اور آسامیوں کی کمین گاہوں کے سبب یہاں سے نکلنا مشکل تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میر جملہ یہیں ختم ہو جائے گا اور اگر وہ اپنی فہم و فراست کے باعث انتہائی تدبر سے کام نہ لیتا تو اس کی واپسی مکمل تباہی ثابت ہوتی - آسامیوں کے دلوں پر اس کا نام نقش ہو گیا - یہ بات کہ اس نے آسامیوں کے علاقائی بادشاہ کو ان کے لئے چھوڑ دیا اس وجہ سے نہ تھی کہ اس میں ہمت اور ارادے کی کمی تھی بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ موسم اس کے خلاف تھا اور پہاڑی علاقے فتح نہ ہو سکتے تھے - بڑی دقتوں سے وہ ہاجو کے قلعے تک واپس آیا اور اسے مستحکم کر کے اس نے اگلے برس راجہ کے خلاف ایک بار پھر فوج کشی کا فیصلہ کیا۔ لیکن اسے یہ نہ معلوم تھا کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے - وہ اب اپنی کامیابیوں کا دور ختم کر رہا تھا اور اب وہ وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنی تمام چالاکیوں کے ساتھ خود ختم ہو جائے -

ہاجو کے قلعہ کو مستحکم کر کے میر جملہ ڈھاکہ واپس لوٹا تاکہ اس فتح سے حاصل کئے ہوئے مال و متاع سے جی بہلائے - یہاں آ کر چند دنوں بعد وہ گردے کی تکلیف میں مبتلا ہو گیا - یہ دیکھتے ہوئے کہ اب تقدیر کی قینچی اس کی زندگی کی ڈور کو منقطع کرنے والی ہے، اس نے اپنی بیوی کو بلایا اور دیر تک اسے وصیت کرتا رہا - اُسے اس بات سے تسلی دی کہ گو وہ خود مرنے والا ہے لیکن اپنے پیچھے ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑے جا رہا ہے - ان دونوں کے لئے اسے بیش قیمت جواہرات دیئے گا وہ انھیں ان تک خود پہنچائے - ماں نے اپنے بیٹے کے لئے یہ جواہرات وصول کئے اور اس نے بیوی کو یہ تاکید بھی کی کہ وہ چھوٹے بچے کی بہت زیادہ نگرانی رکھے - اس کے بعد اس نے اورنگ زیب کو ایک خط لکھا - اس خط میں اس نے یہ بتایا کہ اب اس کے لئے اپنی وفاداری جتانے کا کوئی موقع نہیں رہا، نہ ہی اب وہ پہلے کی طرح کسی منصوبہ کو پورا کرنے میں مستعدی دکھا سکتا ہے جو بادشاہ سلامت کی شان و شوکت بڑھانے کے لئے ہو - اس نے اس توقع کا اظہار کیا کہ اس کی وفاداری کے بدلے میں اورنگ زیب اس کے بیٹے پر احسانات کرے گا - سب سے زیادہ احسانات کی توقع اس نے

اپنے پوتے سکے سنٹے کی تاکہ اس کا شمار بھی شاہی خدمت گزاروں میں ہو۔ اس کے چند گھنٹوں کے بعد وہ اعلیٰ مرتبت میر جملہ جس نے شاہ گولکنڈہ کے خلاف بغاوت کر کے اس کی سلطنت کو تباہ کیا، جس نے شاہجہاں کی قید، دارا کے قتل، مراد بخش کی گرفتاری اور شاہ شجاع کی تباہی میں اورنگ زیب کی دل بے وصے سخنے مدد کی، وہ اپنی تمام شان و شوکت سمیت پیوندِ خاک ہوا، اور اپنی فہم و فراست اور ہمت و شجاعت کے حق میں اور دو بادشاہوں یعنی قطب شاہ، بادشاہ گولکنڈہ اور عظیم المرتبت مغل شاہنشاہ شاہجہاں کے خلاف غداری کے الزام میں اپنے متعلق بہت سی باتیں چھوڑ گیا۔

اورنگ زیب نے اپنے ماموں شائستہ خاں کو دکن میں شیواجی کے خلاف لڑنے بھیجا تھا۔ جیسے ہی وہ شیواجی کی مملکت میں پہنچا اس نے پونا نامی چھوٹے سے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے باہر اس نے ایک کچے مکان میں قیام کیا جو ایک جھیل کے کنارے بنایا گیا تھا۔ یہاں وہ موسم برشگال گزارنا چاہتا تھا۔ شیواجی شائستہ خاں کو قتل کرنے کے لئے ہر تدبیر کرتا تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ اُسے اس کام پر راجہ جسونت سنگھ نے اُکسایا تھا جو شائستہ خاں کے خزانے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ شیواجی نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے شجاع اور مستعد آدمیوں کو شائستہ خاں کے گھر اور اس کے سپاہیوں میں بھیجے جو وہاں جا کر خود کو اس کا ملازم ظاہر کریں تاکہ اطمینان سے سازشش ہو سکے۔ انھیں دیوار میں سینده لگا کر اندر داخل ہونا تھا اور گھر میں موجود تمام عورتوں اور مردوں کو قتل کرنا تھا۔

اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے مغلوں کے اس رواج سے فائدہ اُٹھایا کہ بادشاہ کی تاجپوشی کی سالگرہ کے موقع پر رات دن میں آٹھ بار فوجی ساز بجاتے ہیں۔ یہ ساز سپاہ کی رہائش گاہ کے قریب بجتے ہیں۔ تین بار صبح کو چھ بجے، نو بجے اور دوپہر میں اور پھر تین بار شام کو چھ بجے، نو بجے اور آدھی رات کو اور پھر تین بجے صبح۔ اس کام کے لئے شیواجی نے آدھی رات کا وقت منتخب کیا جب کہ سازوں کی الاپ شروع ہوتی تھی ــــ شیواجی کے کچھ سپاہی شائستہ خاں کے سپاہیوں کے بھیس میں آ جا رہے تھے اور سازندوں سے یہ کہتے جاتے تھے کہ آج کی رات جشن کی رات ہے، نواب صاحب کی خواہش ہے کہ سب مل کر زور زور سے ساز بجائے جائیں۔ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ سینده لگاتے ہوئے ان کی آواز کوئی نہ سن سکے۔

عورتوں نے کدالوں کی آوازیں سُنیں اور شائستہ خاں کو اطلاع دی مگر اس نے ان باتوں پر کان نہ دھرا۔ اس لئے کہ وہ خود نشہ میں قدرے مدہوش تھا، اور انھیں یہ جواب دیا کہ دراصل

یہ آوازیں فوجی پیدا کر رہے ہیں جو گھوڑوں کی اگاڑی پچھاڑی باندھنے کے لئے میخیں زمین میں ٹھونک رہے ہیں۔ شیواجی کے سپاہی اپنے کھودے ہوئے سوراخ سے اندر داخل ہوئے۔ چونکہ عورتیں حرم میں نامحرموں کو دیکھنے کی عادی نہ تھیں وہ خوفزدہ اور سراسیمہ ہوگئیں اور یہ فرض کرتے ہوئے کہ ضرور کوئی سازش ہے چیخنے چلانے لگیں۔ شائستہ خاں کا بڑا بیٹا تلوار لے کر اس طرف لپکا لیکن اس شجاعت نے اس کا سر کٹوا دیا۔ شیواجی کے سپاہی جس کسی کو پاتے اس کا سر اڑا دیتے عورتوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ دشمن نے شائستہ خاں کو مارنے کے لئے چال چلی ہے۔ وہ یہ کہہ کہہ کر رونے لگیں کہ شائستہ خاں مارا گیا! انھوں نے چراغ گل کر دیئے تاکہ کوئی اُسے دیکھ نہ سکے۔

دشمن اِدھر اُدھر بھاگتے پھرے اور چونکہ اندھیرے میں دکھائی نہ دیتا تھا اس لئے ان میں سے آٹھ تالاب میں گر گئے۔ شائستہ خاں نیزہ ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوگیا تاکہ اگر اس پر حملہ ہو تو وہ مقابلہ کر سکے۔ جب انھوں نے اُسے دیکھ لیا تو اس نے ایک کو قتل کر دیا لیکن دوسرے نے تلوار کا بھرپور وار کیا جس کے باعث اس کی کلے کی انگلی اور نیزے کا دستہ کٹ گیا۔ ان بہادروں نے جب عورتوں کی چیخ و پکار سُنی جو یہ کہہ رہی تھیں کہ شائستہ خاں مرچکا ہے تو یہ سمجھ کر کہ ان کا مقصد پورا ہوگیا، وہ اپنی فوج میں واپس آگئے۔

اب میں یہ اپنے قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ وہ اس افراتفری کا اندازہ کریں جو اس رات کو فوجی پڑاؤ میں ہوئی۔ ہر آدمی یہ سمجھ رہا تھا کہ شیواجی ان کے درمیان بلا جھجک ہر کس و ناکس کو قتل کر رہا تھا۔ اس ہنگامے میں شائستہ خاں کے زخم کی تکلیف بڑھ گئی اس خوف سے کہ کہیں جراح کی جگہ کوئی سازشی نہ آجائے، کسی جراح کو طلب نہ کیا گیا۔ جب اس سازش کی خبر اورنگ زیب کو کشمیر میں ملی اور اس سے ذرا پہلے اسے میر جملہ کی موت کی خبر مل چکی تھی، تو اس نے شائستہ خاں کو یہ احکامات بھیجے کہ وہ صوبیدار کی حیثیت سے بنگال روانہ ہو جائے۔ جواب میں شائستہ خاں نے جہاں پناہ سے یہ گذارش کی کہ اُسے دکن میں رہنے دیا جائے تاکہ وہ شیواجی کی سازش کا بدلہ لے سکے جس کی وجہ اس کے بیٹے کی جان گئی تھی اور اس کی انگلی کٹی تھی۔ اس نے یہ عہد کیا کہ یا تو وہ اپنی جان دے دے گا یا پھر شیواجی کی فوج کو تباہ اور خود شیواجی کو قتل کر دے گا۔ ایک نیا حکم جاری ہوا جس کے ذریعے اورنگ زیب نے اُسے فوراً بنگال روانہ ہونے کی تاکید کی۔ لیکن شائستہ خاں اپنی شجاعت کا تکہ جتانا

چاہتا تھا اور ساتھ ہی انتقام کا خواہش مند بھی تھا اس لئے اس نے ایک بار پھر بادشاہ کو لکھا کہ اُسے دکن میں رہنے دیا جائے جہاں وہ جنگ کے سارے اخراجات خود برداشت کرے گا تا ایں کہ شیواجی تباہ ہو جائے۔ اسی وقت اس نے اپنے خیر خواہوں کو بھی خط لکھا کہ وہ اسے اس تبادلے سے بچالیں۔

دربار میں اس کے دوستوں نے انتہائی وفاداری سے شائستہ خاں کو بچانے کی کوشش کی مگر اورنگ زیب اپنے فیصلے میں اٹل تھا اور اس نے سختی سے یہ جواب دیا کہ جو شخص جذبات سے مغلوب ہو وہ عقل سے کام نہیں لے سکتا اور شیواجی کے خلاف شائستہ خاں کی بحیثیت سپہ سالار دکن میں موجودگی کا نتیجہ اس کی فوج کی تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے اس نے ایک بار پھر یہ احکام بھیجے کہ وہ بلا حیل وحجت فوراً بنگال کے لئے روانہ ہو جائے۔ اس طرح شائستہ خاں کو اس کی مرضی کے خلاف بنگال کی صوبیداری سنبھالنے کے لئے بھیجا گیا۔ جب شائستہ خاں دکن سے روانہ ہُوا تو اورنگ زیب نے جسونت سنگھ کو دربار میں بلوایا جو یہ حکم ماننے کے بجائے اپنی ریاست (مارواڑ) کی طرف چلا گیا۔ اورنگ زیب نے مہابت خان کو حکم دیا کہ وہ نہایت سرعت سے روانہ ہو اور دکن میں شائستہ خاں کا عہدہ سنبھال کر شیواجی سے جنگ جاری رکھے۔ اس نے اپنے بیٹے شاہ عالم کو بھی روانہ کیا جس کی حیثیت سپاہ سالار کی نہ تھی بلکہ فوجی سلامی کے وقت بادشاہ کے نمائندے کی تھی۔

کشمیر میں قیام کے دوران میں ایک مضحکہ خیز واقعہ ہُوا۔ اودے پوری جو نسل کے اعتبار سے گرجستانی تھی اور جو پہلے دارا کی بیوی تھی، بعدازاں اورنگ زیب کی چہیتی بیوی بن گئی۔ وہ شراب پینے کی عادی تھی اور وہ بھی عام توقعات سے بہت زیادہ۔ پس وہ بیشتر اوقات نشہ میں رہتی تھی۔ دوسری بیگمات اور داشتائیں اس بات پر بہت حسد کرتی تھیں کہ اورنگ زیب اودے پوری کو اتنا زیادہ چاہتا ہے۔ وہ موقع کی تلاش میں تھیں اور ایک دن جب اودے پوری نے شراب پی تو سب کی سب اکٹھی ہو کر اورنگ زیب کے پاس گئیں۔ اورنگ زیب اس ملاقات سے بہت خوش ہُوا، بالخصوص اس بات کہ وہ سب کی سب بہت خوش وخرم تھیں۔ اس موقع پر انہوں نے ناز نخرے سے کام لیا جس کے ذریعے اپنے شوہروں کو جیتنے میں کبھی ناکامیاب نہیں ہوتیں۔ چند سے گفتگو کے بعد انہوں نے بادشاہ سے التجا کی کہ ملکہ اودے پوری کو بھی شرف ملاقات بخشئے تاکہ گفتگو اور زیادہ لطیف ہو جائے۔ اس نے اپنی محبوبہ کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی آجائے اور اس پرفضا صحبت سے لطف اندوز ہو۔ خادمہ نے جواب دیا کہ اودے پوری

کی طبیعت قدرے ناساز ہے۔

اس جواب پر ساری بیگمات نے قہقہہ لگایا تاکہ بادشاہ کو کچھ دال میں کالا نظر آئے۔ لہٰذا اس نے ایک اور پیغام بھیجا کہ وہ محض اپنی صورت دکھا جائے تاکہ دوسری بیگمات کی دلجوئی ہو جو اس بات کی خواہش مند ہیں۔ ایک بار پھر خادماؤں نے یہ کہلوایا کہ شدید درد کے باعث وہ اپنی آرام گاہ چھوڑ نہیں سکتیں۔ اس جواب پر حاسد بیگمات نے اور زیادہ قہقہہ لگایا۔ یوں اورنگ زیب بنفس نفیس مریضہ کو دیکھنے گیا۔ وہ بالکل بے حال تھی بال کھلے ہوئے تھے اور سر مخمور تھا۔ اورنگ زیب نے اس کے پاس بیٹھ کر ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھا۔ اس نے اُسے اپنی خادمہ سمجھتے ہوئے، (گو وہ کافی پی چکی تھی) اور طلب کی۔ اورنگ زیب شراب کی مہک سے اور اُس کی اس طلب سے پریشان ہُوا۔ سر جھکائے وہ آرام گاہ سے نکلا اور گو ملکہ کے لئے اس کی محبت میں کوئی فرق نہ آیا مگر وہ دربانوں پر بہت ناراض ہُوا اور انہیں چوکس نہ رہنے کی سزا دی گئی۔

یہ دیکھ کر کہ ہندوستان سے باہر اس کا قیام فالِ نیک نہیں ہے اور چونکہ اس کی صحت بھی اب بہتر ہوگئی تھی لہٰذا اورنگ زیب نے دِلّی واپس آنے کا فیصلہ کر لیا۔ حسبِ معمول آہستہ آہستہ سفر کرتے ہوئے وہ تین سو تین دنوں میں دارالخلافہ دِلّی پہنچ گیا۔ یہاں اُسے معلوم ہُوا کہ شاہ جہان نے کسی یورپی طبیب کی خواہش کی تھی مگر کوئی نہ مل سکا۔ اورنگ زیب نے محسوس کیا کہ باپ کو زہر دے کر مار ڈالنے کا یہی موقع ہے۔ لہٰذا اس نے شاہ جہان کے پاس ایک یورپی کو بھیجا جو پہلے اس کی بادشاہت کے زمانے میں اس کا طبیب رہ چکا تھا۔ اس وقت یہ شخص اورنگ زیب کی ملازمت میں تھا۔ اُسے امید تھی کہ شاہ جہان ایسے شخص پر شک نہ کرے گا جو ایک مدت تک اس کا ملازم رہ چکا ہو لیکن شاہ جہان نے اس کی خدمات قبول نہ کیں۔ اُسے اس بات کا شک ہو گیا جو بصورت دیگر ضرور وقوع پذیر ہوتی۔

کشمیر سے اورنگ زیب کی روانگی کے بعد اور اس کے دِلّی پہنچنے سے پہلے حبش اور مکہ کے سفراء اُسے تخت نشینی پر مبارکباد دینے وارد ہوئے۔

بادشاہ حبش کے ان دو سفیروں میں سے ایک نے جس کا نام مراد تھا اور جو آرمینی نسل کا تھا، ایک دن جب وہ نشے میں تھا مجھے رازدارانہ طور پر اپنی سفارت کے بارے میں حقائق سے آگاہ کیا۔

مراد کو ہندوستان کے بارے میں کچھ معلومات پہلے سے تھیں۔ نئے بادشاہ کی تاجپوشی پر اسے یہ خیال ہوا کہ اب اس کے لئے یہ موقع ہے کہ وہ کوئی چال چلے۔ اس کے لئے اس نے عرب نسل کے ایک مسلمان تاجر سے گٹھ جوڑ کیا جو بہت زیادہ قابلِ اعتماد تھا اور جس کا بہت سے تاجروں سے کاروبار تھا۔ یہ دونوں حبش سے عرب اور ہندوستان اور ہندوستان سے حبش تک تجارت کرنے لگے۔

یہاں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ شاہ حبش خود کو موسیقی کے سازوں کا بادشاہ گردانتا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اور بادشاہ ایسے ساز نہیں رکھ سکتا۔ اس دعوے کے مطابق کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے موسیقاروں کو ساز بجانے کا حکم دیتا ہے اور اس طرح دیگر مہمان بادشاہوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے ساز بجوائیں۔ ان چالاک تاجروں نے شاہ حبش کے اس احمقانہ خیال کی بنیاد پر اپنے فریب کو عملی شکل دی۔ انہوں نے یہ بہانہ تراشا کہ وہ اپنے بادشاہ کی شان و شوکت کا سکہ بٹھانا چاہتے ہیں اور اس کے پاس جا کر یہ اطلاع دی کہ مغل سلطنت میں ایک نیا بادشاہ تخت نشین ہوا ہے جس کے دربار میں نفیس ساز ہیں اور اس نشانِ شاہی کی ملکیت کے لئے اس نے کوئی اجازت طلب نہیں کی ہے۔ بادشاہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ مغل سلطنت میں جائیں اور بادشاہ سے ان سازوں سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کریں اور انہیں اس کے سامنے پیش کریں۔

ان تاجروں کے لئے اتنی بات کافی تھی۔ انھوں نے سفارت کی تیاری شروع کر دی۔ انھوں نے فروخت کرنے کے لئے لونڈی غلام خریدے۔ بادشاہ کو تحفہ دینے کے لئے اپنے ساتھ گھوڑے لے چلے اور ایک خچر جس پر مختلف رنگوں کی قدرتی دھاریاں تھیں۔ اتنی خوبصورت کہ شاید چیتے پر بھی اتنی خوبصورت دھاریاں نہ ہوں گی۔ میں نے اس خچر کی کھال دیکھی ہے جو عرب میں مکہ کے قریب مر گیا اور فی الحقیقت یہ عجیب و غریب چیز تھی جو کسی بھی عظیم حکمران کے لئے نہایت مناسب تحفہ تھا۔ علاوہ ازیں انھوں نے دو بہت ہی خوبصورت ہاتھی دانت حاصل کئے جن میں سے ایک کو اٹھانے کے لئے چار آدمیوں کو اپنی پوری طاقت صرف کرنی پڑتی۔ ان کے پاس مشک سے بھرے ہوئے کچھ بینگ بیل کے بھی تھے۔ انھوں نے جعلی خط تیار کئے جن میں حبش کے بادشاہ نے مغل بادشاہ سے موسیقی کے ساز، مذہب اسلام سے متعلق چند کتابیں، اور ایک مسجد کی مرمت کے لئے کچھ رقم طلب کی تھی۔ مسجد کسی درویش کے نام پر بنائی گئی تھی جو مکہ سے مذہب اسلام کی تبلیغ کے لئے حبش آئے

تھے اور وہیں انتقال کیا۔ اس مسجد کو ان پرتگالیوں نے تباہ کیا تھا جو مسلمانوں کی بغاوت کے وقت شاہ حبش کی مدد کر رہے تھے۔ اس طرح یہ جعلسازا اپنی اس جھوٹی سفارت پر حبش سے روانہ ہوئے۔

یہ جعلی سفیر مکہ پہنچے اور وہاں انھوں نے چند غلاموں اور لونڈیوں اور گھوڑوں کو فروخت کیا تاکہ سفر خرچ نکل سکے۔ مختصر مدت میں وہ سورت پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے ایک سینگ کی شکل بیچ دی اور خالی سینگ اپنے پاس رکھ لیا ابھی وہاں شیواجی سورت پہنچا اور رساٹ نوں میں شہر کو تاخت تاراج کر دیا۔ ان ان سفیروں سے ہاتھی دانت گھوڑے اور مشک سے بھرا ہوا دوسرا سینگ اور تمام سامان تجارت چھین لیا۔ ان لوگوں کے پاس سوا خالی سینگ خچر کی کھال خطوط اور چند غلاموں کے اور کچھ نہ بچا۔ اس حالت میں انھیں سورت کے صوبیدار سے روپے کی مدد طلب کرنی پڑی تاکہ وہ دربار تک کا سفر جاری رکھ سکیں۔ صوبیدار نے انھیں اصلی سفیر سمجھتے ہوئے ان کی مدد کی اور وہ دلی میں اس وقت پہنچے جب میں وہاں موجود تھا۔

اورنگ زیب کو سورت کے صوبیدار کا خط ملا جس میں ان سفیروں اور سورت میں ان کے مصائب کا حال درج تھا۔ حق بات یہ ہے کہ یہ واقعہ یعنی شیواجی کی لوٹ مار ان کے لئے وہ بہترین موقع تھا جس کے باعث وہ دربار میں خوش آمدید کہے گئے اور انھیں امید افزا رخصت دی گئی۔ پس وہ بادشاہ کے حضور پیش ہوئے۔ بادشاہ نے دونوں کو زربفت سراپا سے نوازا اور ان کی رہائش کے دوران میں روزمرہ کے اخراجات کے لئے رقم کی ادائیگی کا حکم دیا۔ تھوڑی مدت کے بعد انھیں رخصت دی گئی۔ انھیں پھر سراپا اور چھ ہزار روپے ملے دو ہزار آرمینی اور چار ہزار عرب کو۔ اس تقسیم سے اورنگ زیب اپنے ہم مذہب عرب پر زیادہ لطف و کرم کا اظہار کرنا چاہتا تھا حالانکہ وہ بہت بدصورت اور پستہ قد تھا۔ اگر شاہ حبش واقعی اپنے سفیر بھیجتا تو یقینی ہے کہ وہ ایسے بدصورت آدمی کو کبھی منتخب نہ کرتا۔

مزید براں اس نے سفرا کو شاہ حبش کے لئے بیش قیمت خلعت، دو نقارے، چاندی سے ملمع کئے ہوئے دو ترم، اور ایک جڑاؤ خنجر دیا۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ انسانی ارادے کتنے مختلف ہوتے ہیں؟ حبش کے بادشاہ نے تو سفیر اس لئے بھیجے تھے کہ وہ موسیقی کا حکمران ہونے کی حیثیت سے سازوں پر اپنا حق سمجھتا تھا اس لئے کہ مغل بادشاہ کے پاس وہ ساز اس کی اجازت کے بغیر تھے جبکہ اورنگ زیب نے انھیں بالکل مختلف انداز میں بھیجا اور اس عمل سے یہ ثابت کیا کہ وہ بادشاہ اس کا ماتحت ہے۔ عام رواج یہ ہے کہ جب مغل بادشاہ اپنی رعایا میں سے کسی شخص کو امارت کا درجہ دیتا ہے تو وہ

اُسے خلعت، نرم اور نقارہ بھی بخشتا ہے۔ علاوہ ازیں اس نے سفیروں کو بیس ہزار سونے کے سکّے اور روپے بھی دیئے اور انھیں یہ بتایا کہ یہ رقم بادشاہ کے لئے ہے اس لئے کہ اسے یہ بتایا گیا ہے کہ ملک حبش میں ایسے سکّے نہیں ہوتے۔

یہ بات بالکل واضح تھی کہ اس رقم کو حبش نہیں پہنچنا تھا بلکہ سامانِ تجارت کی خرید پر خرچ ہونا تھا، جیسا کہ فی الحقیقت ہوا۔ انھوں نے حبش لے جانے کے لئے مختلف سوتی اور اونی کپڑے خریدے کچھ سوتی کپڑا جس پر سونے اور چاندی کا کام بنا ہوا تھا اور کچھ ریشمی کپڑا جس پر پھول بنے ہوئے تھے، خریدے گئے۔ یہ وہ چیزیں تھیں جو ملک حبش میں نایاب تھیں۔ مسجد کی تعمیر کے لئے بھی انھیں کافی رقم ملی۔ اسے بھی سامان تجارت پر خرچ کیا گیا۔ انھیں قرآن اور دوسری ایسی کتابیں بھی دی گئیں جو مسلمانوں میں مقدس سمجھی جاتی ہیں۔ اس طرح یہ نقلی سفیر اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے۔

شریف مکہ جو تمام مسلمانوں کا رہنما سمجھا جاتا ہے۔ اس رقم کو قبول نہ کرنے پر متاسف تھا جو اورنگ زیب نے اپنی سلطنت کے آغاز میں مکہ روانہ کی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ باپ کی زندگی میں بیٹے سے کوئی نذرانہ وصول نہ کر سکتے تھے۔ اب اس نے اورنگ زیب کے پاس اپنے سفیر روانہ کئے کہ وہ اس کی تخت نشینی کی مبارکباد دیں، یوں کہ اب کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس کے مقابلے میں تخت کا دعویدار ہو۔ سفیروں کو یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا اورنگ زیب نذرانہ کی رقم دینے پر اب بھی تیار ہے۔

شریف مکہ نے روضۂ رسول کی کچھ خاک اور ایک جاروب تحفہ میں بھیجی۔ ان تحائف کے ساتھ کچھ عربی گھوڑے بھی تھے۔ اورنگ زیب نے ان سفرا کو اور ان کے تحائف کو بڑے اہتمام سے قبول کیا۔ اس نے اس موقع پر اپنے حسن سلوک کو دوبالا کر دیا اور جاروب اور خاک پر نظر پڑتے ہی حد سے زیادہ احترام و تعظیم کا مظاہرہ کیا۔ اس نے محمدؐ اور اس جاروب کی تعریف میں ہزاروں کلمے کہے اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ وہ ایسی محترم جگہ کا جاروب کش کیوں نہ ہوا۔ علاوہ ازیں اس نے اس رقم کے بارے میں جو مکہ بھیجی گئی تھی خود کچھ نہ کہا بلکہ دانش مند خاں سے یہ کہا کہ وہ سفیروں کو یہ بتا دے کہ چونکہ شریف مکہ نے اس رقم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے اسے دیگر کاموں پہ صرف کر دیا گیا ہے اور یقیناً محمدؐ اس کے نیک ارادوں سے خوش ہوں گے۔ پس چند ہی دنوں میں سفیروں کو رخصت مل گئی اور وہ تحفے تحائف کے بجائے اپنے ساتھ عزت و احترام لے گئے۔

باب ہفتم

گو یورپی طبیب کو اورنگ زیب کے احکامات کہ وہ شاہ جہاں کو زہر سے ہلاک کر دے صیغہ راز میں تھے لیکن لوگوں نے یہ دیکھ لیا کہ شاہجہاں نے اُسے ملازم رکھنے سے انکار کر دیا۔ پس لوگوں میں شکوک پیدا ہوئے اور اس طرح اورنگ زیب کے ان مظالم کے خلاف جو اس نے بوڑھے آدمی پر روا رکھے تھے باتیں ہونے لگیں۔ لوگوں نے یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اب جبکہ اس کا کوئی مدمقابل باقی نہیں رہا، اسے اپنے باپ سے معافی مانگنی چاہیئے اور اس کی خیر خواہی کا طلبگار ہونا چاہیے۔ گو شاہجہاں دُنیادار آدمی ہے تاہم اس کا باپ ہے۔ نہ ہی بظاہر اس کا کوئی ایسا جرم ہے جس کے باعث وہ اس شخص کی جانب سے اتنی نفرت کا مستحق ہو جسے اس نے پیدا کیا۔ اب اورنگ زیب کے خلاف ایسے خیالات کا برملا اظہار ہونے لگا تھا اور یہ بات برسرِ عام کہی جانے لگی تھی کہ اس کی ان سختیوں پر اُسے سزا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیواجی کو طاقت بخشی ہے چونکہ پرانے فتنے سر اُٹھا رہے تھے اس لئے اورنگ زیب کو یہ خوف محسوس ہوا کہ کہیں بغاوت نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس نے باپ سے معافی مانگنے کی کوششیں شروع کیں۔ اس نے اُسے ایسے خطوط لکھنے شروع کئے جو بظاہر بہت زیادہ محبت آمیز تھے جن میں وہ نہایت پُر زور الفاظ

میں معافی اور خیر خواہی کا خواستگار ہوا۔ چونکہ اورنگ زیب کی بدنیتی کا فی واضح ہو چکی تھی اس لئے شاہ جہاں نے اس کی معذرتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد بھی اورنگ زیب نے ہمت نہ ہاری بلکہ زیادہ اصرار کے ساتھ اور زیادہ خطوط لکھے جس میں زیادہ پیار کا مظاہرہ کیا اور اُسے ایسے تحفے بھیجے جو شاہ جہاں کے لئے خوشی کی تھے مثلاً شکاری غزال جو آپس میں لڑائے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں بہت سے معاملات سلطنت کے بارے میں اس نے شاہ جہاں کی رائے بھی طلب کی۔ اس نے اُسے یہ لکھا کہ وہ فرمانبردار بیٹے کی طرح زندہ رہنا چاہتا ہے اور یہ کہ اُسے اس کے کئے کی معافی دی جائے کیونکہ اب گذری باتوں کا کوئی علاج ممکن نہیں ہے۔

گو بظاہر شاہ جہاں کچھ نرم پڑ گیا تھا لیکن ان باتوں کا اس نے کسی قدر ناراضگی سے یہ جواب دیا کہ وہ اور تمام باتوں کو درگذر کرنے کو تیار ہے مگر وہ اورنگ زیب کی اس بربریت کو معاف نہیں کر سکتا کہ اس نے اس کے پیارے بیٹے دارا کا سر اس کے پاس بھیج کر اس کی زندگی کے باقی ماندہ چند برسوں کو اس کے لئے تلخ بنا دیا۔ اتنے ظلم پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس نے اپنے باپ کی زندگی کو ختم کرنے کی بھی کئی بار کوششیں کیں۔ تاہم اس بات کی علامت کے طور پر کہ اس کے دل میں اُس کے لئے تھوڑی بہت محبت ہے اور اس نے اسے کسی قدر معاف کر دیا ہے شاہ جہاں نے اورنگ زیب کو چند جواہرات بھیجے جو اس نے اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ اس بات سے اورنگ زیب کی تسلی ہوئی اور اسے یہ امید ہوئی کہ اس رعایت سے لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ باپ نے اُسے معاف کر دیا ہے یہ دیکھ کر کہ اب بہت سے خطرات ٹل گئے ہیں اور محض شیواجی سے جنگ باقی ہے جسے وہ بہت معمولی کام سمجھتا تھا اورنگ زیب نے رعایا کی فلاح کا ایک کام کیا۔ اسے یہ علم تھا کہ دلّی کا لاہوری دروازہ زیادہ چوڑا نہیں ہے جس کے باعث اس سمت سے آنے والا سامان زیادہ تعداد میں فوری طور پر اندر نہیں آسکتا۔ اکثر اوقات سواروں کو گذرنے کے لئے دروازے پر انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اکثر یہ بھی ہوا کہ خود بادشاہ کو شکار پر جاتے ہوئے راستہ نہ ملنے کے سبب واپس پلٹنا پڑتا تھا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ اس تمام ترمیں دروازے بنائے جائیں۔ اس کام کے لئے یہ ضروری تھا کہ کئی عمارتیں گرائی جائیں جن کی قیمت بادشاہ نے بلا تامل ادا کر دی۔

اسی زمانے میں اس نے یہ احکامات بھی صادر کئے کہ شہر لاہور کو بچانے کے لئے جیسے دریائے

راوی کاٹ رہا تھا ڈیڑھ کوس لمبی دیوار فصیل کے طور پر خود اس کے خرچ پر بنائی جائے۔ چونکہ شیواجی دکن میں ہر چہار جانب لوٹ مار کر رہا تھا اس لئے اس نے یہ حکم دیا کہ رعایا کو پریشان کئے بغیر اورنگ آباد اور برہان پور کے چاروں طرف (ان شہروں میں شیواجی لوٹ مار کر چکا تھا) فصیل کھڑی کی جائے۔ شیواجی چار سو مسلمان لڑکیوں کو اس لئے اٹھائے گیا تھا کہ مسلمانوں نے اس کے علاقے میں ہندو عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ شیواجی کا مذاق اڑانے کے لئے مسلمانوں نے مندروں میں گائے ذبح کی تھی۔ جواباً شیواجی نے بھی یہ حکم دیا کہ مسجدوں میں سور کاٹے جائیں۔

اس نے یہ سب اس لئے کیا کہ وہ مغل فوجوں کے خلاف سرکشی کے اظہار سے اپنی ہمت اور قوت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔

گو اوّل اوّل اورنگ زیب نے شیواجی کے خلاف جنگ کو کوئی خاص اہمیت نہ دی تاہم اس نے یہ ضرور محسوس کیا کہ یہ راجہ دن بدن قوت پکڑتا جا رہا ہے۔ وہ یا تو مغل قلعوں پر قبضہ کر لیتا تھا یا پھر بیجاپور کے شہروں پر قابض ہو رہا تھا۔

اس نے اورنگ زیب نے راجہ جے سنگھ کو طلب کیا جس کی فراست اور شجاعت پر اسے کافی بھروسہ تھا۔ اورنگ زیب نے راجہ سے نہایت دوستانہ انداز میں یہ کہا کہ وہ اب شیواجی کی بدعنوانیوں کو برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا اس نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ بنفس نفیس اس باغی کی سرزنش کو جائے گا۔ اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ یا تو وہ خود اس مہم پر جائے یا پھر راجہ جے سنگھ شیواجی کی سرکوبی کا ذمہ لے۔ راجہ جے سنگھ نے نہایت شستگی سے یہ کہا کہ اگر جہاں پناہ آرام کرنا چاہتے ہیں اور اُسے اس مہم کی سالاری کی عزت بخشتے ہیں تو وہ شیواجی کی شکست اور اس کے حملوں کی روک تھام کی ذمہ داری لے سکتا ہے اور اگر جہاں پناہ اس بات پر مصر ہوں تو اُسے زندہ پکڑ کر بھی لا سکتا ہے۔

اس جواب کو سن کر اورنگ زیب نے اپنی قبا جو وہ اس وقت پہنے ہوئے تھے اتار کر راجہ کو پہننے کو دی، اور موتیوں کی وہ مالا جو وہ بالعموم پہنے رہتا تھا، اپنی گردن سے اتار کر راجہ کی گردن میں ڈال دی اس کے ساتھ ہی راجہ کو یہ اختیار دیا کہ وہ اپنے ماتحت سرداروں کا خود انتخاب کر لے۔ لیکن اہم بات یہ تھی کہ جلدی کی جائے کیونکہ دراصل حرکت میں برکت ہے۔ راجہ نے اورنگ زیب سے رخصت لی اور باہر آیا۔

فوراً اپنی ریاست سے سواروں کا دستہ اور ساٹھ لاکھ روپے طلب کئے۔ اخراجات کے لئے یہ ساٹھ لاکھ روپے اس گراں قدر رقم کے علاوہ تھے جو اورنگ زیب نے راجہ کو دی تھی۔

جب بادشاہ کشمیر سے دلّی واپس آیا تو میں کئی بار راجہ جے سنگھ کو سلام کرنے پہنچا۔ راجہ مجھے پسند کرنے لگا اور بالا فرائس نے مجھ سے کہا کہ میں اُسے ہمبرا (تاش کا کھیل) کھیلنا سکھاؤں جیسا کہ میں اس سے پہلے اُس کے لڑکے کو سکھا چکا تھا۔ کئی بار ہم سب نے مل کر یہ کھیل کھیلا اور ہم دو نے راجہ سے کچھ رقم بھی جیتی۔ اس موقع پر راجہ جے سنگھ نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے ساتھ اس اہم مہم پر جاؤں۔ اس نے مجھے توپ خانے کا سردار بنانے کا وعدہ کیا۔ اس کے لئے مجھے ایسے یورپیوں کی تلاش کرنی تھی جو اچھے سپاہی بھی ہوں۔ بعدازاں اس نے مجھ سے اور کام لینے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ اس نے میری تنخواہ دس روپے روز مقرر کی۔ میں اس کی پیشکش کو رد نہ کر سکا اور اس کی باتوں پر مجھے کامل اعتماد تھا۔ نہ ہی ایسے موقع پر میں نے اسے ناراض کرنا چاہا کیونکہ ابھی مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ میں خود کو طبیب ظاہر کروں۔ اس نے مجھے بیش قیمت سراپا اور ایک عمدہ گھوڑا بخشا اور میری تیاری کے لئے کافی رقم بھی دی۔ جب ہر چیز تیار ہو گئی تو ہم دلّی سے روانہ ہو گئے۔ (۱۶۶۴ء)

ملکی لباس پہن کر میں نے اپنی قبا کا بند دائیں طرف باندھا جیسے مسلمان باندھتے ہیں۔ ہندو بائیں جانب بند باندھتے ہیں۔ میں نے اپنی داڑھی منڈا دی اور راجپوتوں کی طرح محض مونچھ رہنے دی لیکن ان کی طرح میں نے کانوں میں موتی نہیں پہنے۔ راجپوت سردار اس قسم کے حلیئے پر بہت متعجب تھے جو نہ راجپوتوں کا تھا اور نہ مسلمانوں کا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں عیسائی مذہب کا پیرو ہوں۔ ایک بار پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں مسلمان عیسائی ہوں یا ہندو عیسائی، اس لئے کہ وہ ہندوستان میں کسی اور مذہب کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں تھوڑا بہت اپنے مذہب کے بارے میں بتایا۔

اس وقت جب راجہ جے سنگھ برہان پور میں ٹھہر کر پیچھے آنے والی فوجوں کا انتظار کر رہا تھا تو اُسے شاہ جہاں کی موت کی خبر ملی جو اس طرح واقع ہوئی: شاہ جہاں کی ملکہ اورنگ آبادی کے پاس دو بہت پیاری لونڈیاں تھیں ایک کا نام آفتاب تھا جس کے معنی سورج ہوتے ہیں اور دوسری کا نام

مہتاب یعنی چاند تھا۔ یہ دیکھ کر کہ شاہ جہاں ان کی طرف مائل ہے ملکہ نے اس کی دلچسپی کے لئے وہ لونڈیاں اُسے دے دیں۔

ایک دن شاہ جہاں آئینہ کے سامنے بیٹھ کر اپنی مونچھیں درست کر رہا تھا اور یہ دونوں عورتیں اس کے پیچھے کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک نے دوسری کو کچھ اشارے کئے گویا وہ اس بوڑھے کا مذاق اڑا رہی تھی جو نوجوان بننا چاہتا ہے۔ شاہ جہاں نے اس اشارے کو دیکھ لیا اور اپنی شہرت پر دھبہ لگتے دیکھ کر اس نے ان ادویات کا استعمال شروع کیا جن سے وہ اپنی بداعمالیوں کے لئے طاقت حاصل کر سکے۔ اس سے اس کا مثانہ اتنا کمزور ہو گیا کہ بالآخر اس کا پیشاب بند ہو گیا۔ وہ خود اب کافی بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا اور اس بیماری کا کوئی علاج نہ ہو سکا۔ اب اُسے دوسیبوں والے فقیر کا قول یاد آیا۔ یہ بات اس کی جوانی کے زمانے کی تھی۔ فقیر نے اُسے بتایا تھا کہ جب اس کی موت کا وقت آئے گا تو اس کے ہاتھوں سے سیب کی خوشبو ختم ہو جائے گی۔ یہ دیکھ کر کہ وہ بات سچ نکلی اُسے زندگی سے مایوسی ہو گئی اور وہ تھوڑی ہی مدت کے بعد مر گیا۔

جب اعتبار خاں نے یہ اطلاع دربار کو روانہ کی تو اورنگ زیب نے اس بات کو یاد کیا کہ کس طرح شاہ جہاں نے کہ ابھی وہ سلطان خرم تھا جیلے بہانے سے اپنی موت کی خبر مشہور کی تھی اور اس طرح تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اسی قسم کے طریق کار کو قید سے نکلنے اور تختِ سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کیا ہو۔ اس لئے اورنگ زیب نے اپنے ایک قابلِ اعتماد آدمی کو بھیجا کہ وہ ایک گرم لوہے کی سلاخ کو اس کے باپ کے پیروں سے گذارے اور اگر جسم میں کوئی حرکت نہ ہو تو اسی سلاخ کو سر سے حلق تک داخل کرے تاکہ اس طرح یہ کامل یقین ہو سکے کہ وہ فی الواقعی مر چکا ہے۔ اعتبار خاں کو یہ احکامات بھیجے گئے کہ وہ شاہ جہاں کو اس وقت تک دفن نہ ہونے دے جب تک کہ وہ خود بہ نفس نفیس وہاں نہ پہنچ جائے۔ اس نے دریا کے راستے تیزی سے سفر کیا کیونکہ یہ بات اس کے لئے بہت اہم تھی کہ اس کی یہ پریشانی دُور ہو اور اس امید پر کہ عوام الناس میں اس کے خلاف کانا پھوسی بند ہو جائے گی اس نے اپنے بغض پر باپ کے احترام کا پردہ ڈھانپ لیا۔

آگرے پہنچ کر اورنگ زیب نے تاج محل کے مقبرے میں قیام کیا اور وہاں باپ کی لاش کا انتظار کرتا رہا۔ لاش کو محل کے دروازے سے لانے کے بجائے دیوار توڑ کر سوراخ کے ذریعے

سر کی جانب سے اُسے باہر لایا گیا اس لئے کہ یہ مغلوں کا ایک توہم ہے جس کا سبب میں نہیں بتا سکتا۔ بیگم صاحب نے دو ہزار اشرفیاں بھیجیں کہ انھیں غربا میں تقسیم کر دیا جائے مگر محافظوں نے یہ رقم روک لی کہ قیدی کو کچھ دینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ جب لاش مقبرے پر لائی گئی تو اورنگ زیب نے نماز پڑھی اور بہت زیادہ عقیدت کا اظہار کیا وہ اپنی آنکھوں کو بار بار ملتا تھا گویا وہ سچ مچ رو رہا ہو۔ اس طرح ۱۶۶۵ء میں (صحیح تاریخ ۱۶۶۶ء ہے) اس نے گوہر مقصود پا لیا۔ اس لئے کہ اب وہ باپ دفن ہو چکا تھا جس کی موت کی خواہش وہ ایک مدت سے کر رہا تھا اور جس کی زندگی کو ختم کرنے کے لئے اس نے اتنی زیادہ تدابیر کی تھیں۔

تجہیز و تکفین کے بعد اورنگ زیب قلعے میں گیا جہاں بیگم صاحب اس سے ملنے آئیں۔ آداب و سلام کے بعد انھوں نے اورنگ زیب کو معافی کی وہ تحریر پیش کی جو بقول ان کے انھوں نے اپنے والد شاہجہان سے حاصل کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بیش قیمت قدیم جواہرات بھی پیش کئے جو شاہجہان کے قبضے میں تھے۔ یہی وہ خدمت تھی جو وہ اپنے بھائی کے لئے سرانجام دے سکتی تھیں اور پچھلے کچھ دنوں سے وہ اس کے لئے بلا کسی غرض کے اپنی جان کھپا رہی تھیں۔ اورنگ زیب نے اطمینان کا اظہار کیا گو اس شبہ کے لئے کہ وہ تحریر جعلی ہے اس کے پاس کافی جواز موجود تھا۔ تاہم عوام میں سرخروئی حاصل کرنے کے لئے اتنا کافی تھا۔ اس نے ان خادماؤں اور خواتین کو جو شاہجہان کی بیویاں نہیں تھیں اس بات کی عام اجازت دی کہ وہ جس سے چاہیں شادی کر لیں۔ بیگم صاحب کو وہ اپنے ساتھ دلّی لے گیا اور ان کو پادشاہ بیگم کا خطاب دیا۔ اس نے انھیں ان ہی کے محل میں رہنے کی اجازت دے دی۔ یہ وہ رعایت تھی جو وہ روشن آرا بیگم کے ساتھ برتنے کو تیار نہ تھا۔ شاہجہان کی بیگمات کو محل میں شاہی بیواؤں کے ساتھ گوشہ نشین کر دیا گیا۔

شاہجہان کی تجہیز و تکفین کے بعد اورنگ زیب نے شاہ عباس کے پاس اپنا سفیر روانہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سفارت کا اصل سبب ظاہر نہ کیا گیا لیکن عام خیال یہ تھا کہ اس کا مقصد شاہ ایران سے امن و دوستی قائم کرنا تھا۔ اُسے یہ خدشہ تھا کہ کہیں یہ بادشاہ اس سے جنگ نہ شروع کر دے جو اس نے شاہجہان کے ساتھ کی تھی۔ اس کی داخلی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ بیجاپور اور گولکنڈہ پر قبضہ کرے، چین پر حملہ کر کے قسمت آزمائی کرے، اراکان اور پیگو کی سلطنتوں کو فتح کرے جو اس کی مہم جوئی کی

راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔

جس سفیر کا اس نے انتخاب کیا اس کا نام تربیت خاں تھا۔ یہ ایک قد آور ازبک سردار تھا۔ اس کی داڑھی بہت بڑی تھی اور علم فضل کے باعث اعلیٰ فہم و فراست کا مالک تھا۔ تحفے میں اورنگزیب نے بیش قیمت اور مزین ہندوستانی کپڑوں کے تھان اور بہت سے ہاتھی روانہ کئے۔ سفیر کے ساتھ معمول کے مطابق مختلف عہدیدار بھی بھیجے گئے۔

اصفہان میں سفیر کا باقاعدہ استقبال کیا گیا۔ لیکن شاہ عباس کے حضور اس کی مناسب عزت افزائی نہیں ہوئی۔ جب اسے بادشاہ کے حضور پیش ہونے کی اجازت دی گئی تو بادشاہ کو یہ یاد آیا کہ اورنگ زیب نے اس کے سفیر کے ساتھ کیا کیا تھا۔ لہذا اب اس نے اس کا بدلہ لیا۔ اوّل تو یہ کہ اس نے سفیر کو اس وقت طلب کیا جب وہ دربار سے نکل کر گھوڑے پر سوار سیر کرنے جا رہا تھا۔ اس طرح بیچارے تربیت خاں کو کچھ فاصلہ تک بادشاہ کے ساتھ ساتھ چلنا پڑا تب اسے حکم ملا کہ وہ اب جائے اور کچھ دیر آرام کرے اور اسے پھر طلب کیا جائے گا۔ یہ پہلا کڑوا گھونٹ تھا جو سفیر کو پینا پڑا۔ اُسے وہاں ایک سال رہنا پڑا تب جا کر کہیں اسے رخصت ملی۔

اس دوران میں اُسے کئی بار دربار میں طلب کیا گیا۔ وہاں ایرانی رعایا کے مقابلے میں اس کی بہت کم توقیر کی جاتی تھی۔ دربار میں اس کی حاضری سے بجز اس کے کہ بادشاہ کی تضحیک تحقیر کا نشانہ بنے اور کوئی مقصد حل نہ ہوتا تھا۔ وہاں اس کا اور اورنگ زیب کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ بالآخر جب سفیر کی پریشانیوں کی مدت میں کافی اضافہ ہو چکا تو بادشاہ نے رخصت کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن یہ رخصت بھی کافی پریشان کن مرحلہ ثابت ہوئی۔ ایک روز شاہ عباس نے سفیر سے بڑی روح افزا گفتگو کی، یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ جب اندھیرا ہو گیا تو اس نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس ہندوستان کا کوئی سکہ اور بادشاہ کی کوئی تصویر ہے۔ سفیر نے اثبات میں جواب دیا اور سونے چاندی کے کچھ سکے پیش کئے جن پر یہ تحریر تھی:

سکہ زد در جہاں چو بدر منیر شاہ اورنگ زیب عالمگیر
سکہ زد در جہاں چو مہر منیر شاہ اورنگ زیب عالمگیر

اس نے بادشاہ کی ایک تصویر بھی جو کاغذ پر کھینچی ہوئی تھی پیش کی۔ اس تصویر میں بادشاہ کو گھوڑے پر

سوار دکھایا گیا تھا اور فضا میں ایک فرشتہ ایک تلوار اس کی نذر کر رہا تھا۔

شاہ عباس نے سکّے سفیر کو واپس کر دیئے اور اُسے حکم دیا کہ وہ سکّے کی تحریر کو زور سے پڑھے۔ اس نے مشعل بردار کو پہلے ہی سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اس کے قریب ہو جائے تاکہ وہ تحریر کو پڑھ سکے اور جب وہ پڑھ چکے تو مشعل بردار لغزش کے بہانے سے اس کی داڑھی کو آگ دکھا دے۔ ویسا ہی ہوا۔ اور شاہ عباس یہ کہتا رہا "کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں، یہاں بہت سے حجام ہیں جو اس نقصان کی تلافی کر دیں گے۔" اس کے بعد اورنگ زیب کی تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے اُس نے اس کے خلاف دشنام آمیز الفاظ کہے۔ اس کی زندگی کے حالات اور مخصوص کارناموں کی طرف اشارے کئے پھر تصویر پر تھوک کر اُسے زمین پر پھینک دیا اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس پر جوتے لگائیں کیونکہ وہ اسی قابل ہے۔ یہی ہوا اور تمام لوگوں پر مکمل خاموشی طاری رہی۔ اس نے کہا کہ سکّے پر ان الفاظ کے بجائے یہ تحریر کندہ ہونی چاہیے :

سکّہ اورنگ زیب زد بہ پنیر
کہ برادر کشش است و بابا گیر

اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ تربیت خاں کو پنتالیس گھوڑے شاہی اصطبل سے دیئے جائیں۔ اس نے اس سے کہا کہ اب اپنے فرمانروا کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میں نے یہ گھوڑے اس لئے بھیجے ہیں کہ اسے میرے خلاف نبرد آزما ہونے میں گھوڑوں کی کمی کا بہانہ نہ ہو۔ اس طرح اس نے اُسے میدانِ جنگ میں مقابلے کی دعوت دی اور اُسے یہ سبق دینا چاہا کہ کس طرح کوئی شخص فی الحقیقت عالمگیر ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں اور باتیں میں بعد میں کروں گا۔ شیواجی کی جنگیں مجھے اس تذکرے سے روکتی ہیں اس لئے کہ مجھے ان کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔

جب یہ سفارت ہو رہی تھی تو ہم اورنگ آباد کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں پہنچ کر ہم شاہ عالم سے مل گئے۔ راجہ جے سنگھ نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ میں اس کے سفیر کی حیثیت سے تین راجاؤں یعنی رام نگر، پنت اور چوتیا کے راجاؤں سے ملوں جو ہندوؤں کے چھوٹے چھوٹے راجہ ہیں۔ انہیں کی ریاستوں سے گزر کر شیواجی نے سورت پر حملہ کیا تھا۔ راجہ جے سنگھ نے مجھے ایک سراپا اور ایک گھوڑا دیا اور میرے ساتھ تیس سپاہی اور کچھ توپیں کر دیں۔ خرچ کے لئے کافی رقم بھی دی مجھے حکم تھا کہ میں ان راجاؤں

کے پاس جاؤں اور ان سے یہ وعدہ لوں کہ وہ شیوا جی کا ساتھ نہیں دیں گے اور نہ اُسے گزرنے کے لئے راستہ دیں گے۔ اگر وہ اورنگ زیب کی طرف سے شیوا جی کے خلاف جنگ نہ کریں گے تو جے سنگھ ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے گا۔ ضمانت کے طور پر یا تو وہ خود یا اپنے بیٹوں کو دربار میں روانہ کریں جہاں انھیں ان کی حیثیت کے مطابق عہدہ اور تنخواہ ملے گی۔

میں اپنے اس کام کے لئے روانہ ہُوا اور سب سے پہلے جس شخص سے ملا وہ رام نگر کا راجہ تھا جس کی ریاست خوفناک پہاڑیوں اور تاریک جنگلوں میں ہے۔ راجہ نے میرا خاطر خواہ استقبال کیا اور مجھے چند روز آرام کرنے کو کہا جس کے دوران میں اس نے اس معاملے پر غور و خوض کیا۔ اس اثنا میں میں شکار کھیلنے اور مچھلی پکڑنے میں مشغول رہا۔ راجہ نے میرے لئے مختلف کھیلوں سے دلچسپی کا سامان مہیا کیا۔ اس دوران میں وہ اور دونوں راجاؤں سے خط و کتابت کرتا رہا کہ آیا ان کے لئے یہ مناسب ہو گا کہ وہ شیوا جی کے خلاف مغل دربار سے ناطہ جوڑیں۔ میں بھی حسبِ موقع وعدے وعید کرنے اور دھمکیاں دینے میں تساہل نہ برتتا۔ کبھی کبھی میں جوش میں آ کر اس سے جواب طلب کرتا اور بصورتِ دیگر واپس ہونے کی دھمکی دیتا۔ بالآخر راجہ نے اورنگ زیب کا ساتھ دینا منظور کیا اور مجھے ایک گھوڑا اور ایک تلوار پیش کی۔ اپنے وعدے کی ضمانت کے طور پر اپنے بیٹے کو میرے ساتھ کیا۔

اس کے بعد میں دوسرے راجہ کے پاس گیا۔ یہاں بھی دوستانہ انداز میں میرا استقبال ہوا اور وہی سلوک کیا گیا جو پہلے راجہ نے کیا تھا۔ راجہ نے مجھ سے وقت طلب کیا اور یہ بہانہ کیا کہ مجھے دوسروں کو خطوط لکھنے کا وقت نہیں ملا۔ یہاں کے رواج کے مطابق ناچ کھیل اور شکار سے میری تواضع ہوئی۔ بالآخر اس نے بھی مجھے ایک تلوار اور گھوڑا دیا اور دربار کے لئے اپنا بیٹا حوالے کیا۔ لیکن یہ لمبا چوڑا جوان دھوپ کی شدت کے باعث خون میں حدت پیدا ہونے سے راستے ہی میں مر گیا۔ میں نے اُسے فصد کھلوانے کا مشورہ دیا مگر اس نے مجھ پر اعتماد نہ کرتے ہوئے انکار کر دیا۔

پھر میں تیسرے راجہ کے پاس گیا جس نے حیل و حجت کی لیکن یہ دیکھ کر کہ میں بھی اپنی ضد پر قائم ہوں اس نے مجھ سے معاملہ کرنا مناسب سمجھا۔ چونکہ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے اس نے اپنے بھائی کو دربار کے لئے میرے ساتھ کیا۔ اس کے بعد اس نے ایک تلوار اور گھوڑا دے کر مجھے رخصت کیا۔ اس موقع پر وہ ڈامن کے پرتگالیوں سے جنگ کر رہا تھا۔ میں نے ان سے معاملات

طے کر دیئے اور صلح کرا دی۔

اس دوران میں کہ میں اپنی خدمات سرانجام دے رہا تھا جس میں تقریباً سات ماہ لگے راجہ جے سنگھ نے اپنی ہمت اور شجاعت سے شیواجی کے چھکے چھڑا دیئے اور اُسے کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آخر میں جب شیواجی کا تناگر کا قلعہ چھین لیا گیا تو جے سنگھ نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے شیواجی کو یہ لکھنا شروع کیا کہ اگر وہ شخص اس سے بات کرے تو وہ اورنگ زیب سے اس طرح معاملات طے کرائے گا کہ وہ اس سے خوش ہو کر اُسے دکن کا صوبیدار مقرر کر دے گا۔ اسی وقت اس نے اپنے خزانے کا منہ کھول دیا اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کا اثر دل اور زبان دونوں پر ہوتا ہے۔ اس نے شیواجی کے وزرا کو کثیر رقوم کی رشوت دی کہ اگر وہ ان سے مشورہ کرے تو وہ سب اُسے یہی رائے دیں کہ مغل بادشاہ سے صلح کرنا بہتر ہے، اس لئے کہ وہ اُسے دکن کا صوبیدار بنانے کا وعدہ کر رہا ہے اور اگر راجہ جے سنگھ بادشاہ کے وعدے کی ذمہ داری لے تو وہ اس پیشکش کو قبول کر سکتا ہے۔ اورنگ زیب کے دل میں راجہ جے سنگھ کی اتنی قدر و منزلت ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے کبھی نہ پھرے گا۔

میری واپسی کے کچھ دنوں بعد شیواجی نے خود کو ہمارے حوالے کر دیا اور ہمارے پڑاؤ پر آ گیا۔ (جولائی ۱۶۶۵ء) میں رات کو راجہ کے پاس بات چیت کرنے اور اگر وہ چاہے تو اس کے ساتھ تاش کھیلنے جایا کرتا تھا۔ اس دوران میں ایک رات کو جب راجہ میں اور اس کا برہمن تینوں تاش کھیل رہے تھے تو شیواجی اندر داخل ہوا۔ ہم سب کھڑے ہو گئے اور شیواجی نے مجھے دیکھ کر، کہ میں جسیم نوجوان تھا، اور مجھے اس نے پہلے کسی موقع پر نہیں دیکھا تھا، راجہ جے سنگھ سے پوچھا کہ میں کس ریاست کا راجہ ہوں۔ جے سنگھ نے جواب دیا کہ میں فرنگی راجہ ہوں۔ اس جواب سے وہ متعجب ہوا اور بولا کہ میرے پاس بھی بہت سے فرنگی ملازم ہیں مگر ان میں سے کوئی اس طرح کا نہیں ہے۔ راجہ جے سنگھ میری عزت افزائی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ قدرت کا قانون ہے کہ وہ اعلیٰ اور ادنیٰ میں تمیز قائم کرتی ہے اور چونکہ یہ راجہ ہیں اس لئے قدرت نے انھیں وہ جسم اور دماغ بخشا ہے جو دوسروں سے بالکل مختلف ہے۔ میں عزت افزائی کے یہ کلمات سن کر کھڑا ہوا اور تسلیم بجا لایا۔ اس شروعات کے بعد مجھے کئی بار شیواجی سے گفتگو کا موقع ملا، اس لئے کہ فوج کے اور لوگوں کی طرح مجھے بھی فارسی اور ہندوستانی دونوں زبانیں آتی تھیں۔ میں نے اسے یورپی

بادشاہوں کی عظمت و شوکت سے آگاہ کیا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ یورپ میں پرتگال کے بادشاہ سے بڑا کوئی اور بادشاہ نہیں ہے۔ میں نے اُسے اپنے مذہب کے بارے میں بھی بتایا۔

جے سنگھ کا نائب دلیر خاں غداری کا عادی تھا اس نے کئی بار شیواجی کو قتل کرنا چاہا۔ اس نے راجہ جے سنگھ کو بھی یہ مشورہ دیا کہ اس کی جان سے لے یا کم از کم خود اسے ایسا کرنے کی اجازت دے اس نے کہا کہ وہ اس کام کی ذمہ داری لیتا ہے اور راجہ جے سنگھ پر کوئی الزام نہ آنے دے گا۔ اس کا خیال تھا کہ بادشاہ اس بات سے بہت خوش ہوگا۔ لیکن راجہ جے سنگھ نے دلیر خاں کی بات نہ مانی اس لئے کہ اس نے عہد کیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ نہ صرف یہ کہ وہ شیواجی کی جان کی حفاظت کرے گا بلکہ یہ بھی کہ بادشاہ اس سے عزت و احترام سے ملے گا۔ اس کے برعکس راجہ جے سنگھ نے حفاظتی دستے کے ساتھ شیواجی کو دربار کے لئے روانہ کیا۔ اس نے اپنے بیٹے رام سنگھ کو خط لکھا کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ کہیں بادشاہ شیواجی کو قتل نہ کرا دے اس لئے کہ اس نے شیواجی کی حفاظت کے لئے زبان دی تھی اور قسم کھائی تھی۔ یہ بہتر ہوگا کہ اس کا گھر بار تباہ ہو جائے بجائے اس کے کہ اورنگ زیب اس کے عہد کی آڑ لے کر غداری کرے۔

دلّی میں شیواجی کی آمد پر بادشاہ نے اُسے دربار میں بلوایا اور اُسے حسب وعدہ جگہ دینے کے بجائے جو دربار میں سب سے آگے ہوتی، اسے سب سے پیچھے کٹہرے کے اندر امرا کی پہلی صف میں جگہ دی۔ اورنگ زیب کے اس عمل سے جو اس سے کئے گئے وعدوں کے مطابق نہ تھا، شیواجی بہت آزردہ ہوا۔ آشفتگی کے عالم میں، گویا اس بات پر کہ وہ ابھی زندہ ہے، اس نے فیصلہ کن انداز میں اورنگ زیب سے کہا کہ جو حیثیت اسے ملی ہے وہ عہد نامے کے مطابق نہیں ہے نہ ہی وہ ان شرائط کے مطابق ہے جو راجہ جے سنگھ سے طے ہوئی تھیں۔ اپنے پہلے ہی استقبال سے وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ اورنگ زیب کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس دربار میں نامدار خاں کے علاوہ کہ وہ ایک اچھا سپاہی ہے سارے کے سارے بوڑھی عورتوں کے مانند ہیں، جنھیں وہ نہایت آسانی سے میدان جنگ میں زیر کر چکا ہے۔ پس ان میں سے ایک بھی اس جگہ کے لائق نہیں ہے جو اُسے ملی ہے۔ اس کے بعد وہ غصہ میں باہر نکل آیا۔

ہر ایک نے یہ اندازہ لگایا کہ اب اورنگ زیب اس کے قتل کے احکامات نافذ کرے گا لیکن

اورنگ زیب اپنے جذبات کے برملا اظہار کا عادی نہ تھا اور ہمیشہ اپنے منصوبوں کو رازدارانہ طور پر پورا کرتا تھا۔ اُس نے اشارہ کیا کہ درباری شیواجی سے گفتگو کریں کیوں کہ اس وقت تک یہ پتہ نہ تھا کہ وہ کیا فیصلہ سنائے گا۔ بعض لوگ باہر آئے اور انھوں نے شیواجی کو تسلی دینی شروع کی۔ انھوں نے اسے بتایا کہ شاہنشاہ ہندوستان دربار میں پہلے پہل آنے والے کو اوّل صف میں جگہ نہیں دیتا لیکن آئندہ وہ یہ ضرور کرے گا، اس لئے کہ اس کی نظر میں ایک شجاع سردار کی حیثیت سے شیواجی کا بہت مقام ہے۔ لیکن اُسے چند دنوں تک صبر و سکون سے کام لینا چاہیئے۔

اس دوران میں اورنگ زیب نے یہ احکامات نافذ کئے کہ شیواجی کو اس کے خیمے میں لے جایا جائے اور اس کے خیمے کے چاروں طرف فوج کے تین دستے حفاظت کے لئے متعین کئے جائیں۔ یہ انتظام اس وقت تک کے لئے تھا جب تک کہ فدائی خاں کا محل خالی نہیں ہو جاتا۔ اس طرح شیواجی نے چند ماہ خیمے میں گذارے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ نہ تو بادشاہ کی طرف سے ایفائے وعدہ کا کوئی اظہار ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے چنگل سے نکلنے کا کوئی امکان ہے، اس نے اورنگ زیب سے اپنے سپاہیوں اور سرداروں کو اپنے اپنے گھروں کو روانہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ اورنگ زیب نے یہ اجازت دے دی اور محض شیواجی، اس کے بیٹے سمبھاجی اور اس کے مشہور سردار نیتوجی کو مقید رکھنے پر اکتفا کی۔

شیواجی نے راجہ جے سنگھ کے بیٹے رام سنگھ کے مشورے پر جو حفاظتی دستے کے سرداروں میں سے ایک تھا، ہفتے میں کئی بار مٹھائی کے بڑے بڑے ٹوکروں کو باہر بھیجنا شروع کیا تاکہ وہ سپاہیوں اور افسروں میں تقسیم ہو۔ گو اورنگ زیب بہت طباع تھا مگر اس بارے میں اس نے کوئی احتیاط نہ برتی۔ اس نے یہ سمجھا کہ شاید وہ شکرانے کے طور پر خیرات کر رہا ہو کہ خدا نے اُسے آزادی دی۔ جب فدائی خاں کے محل کی تزئین ہو چکی تو اورنگ زیب نے شیواجی کی عزت افزائی کے بہانے یہ حکم دیا کہ اگلی صبح کو اُسے وہاں منتقل کر دیا جائے۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ اُسے وہیں مار کر دفن کر دیا جائے۔ رام سنگھ نے، جو باپ کی ہدایات پر بھرپور عمل کر رہا تھا اور جسے اورنگ زیب کے کردار کے بارے میں پورا علم تھا، دل کھول کر روپیہ خرچ کیا تاکہ شیواجی کے خلاف یا اُس کے حق میں اسے بادشاہ کے احکامات کے بارے میں اطلاع ملتی رہے۔ اس طرح اسے شاہی احکام کے بارے

میں اطلاع مل گئی۔ بلا تاخیر شیواجی کو مطلع کیا گیا اور اس نے معمول کے مطابق مٹھائی کے ڈھکے ہوئے ٹوکرے منگوا لئے۔ اس طرح ٹوکرے میں چھپ کر وہ اور اس کا بیٹا دونوں ایک محفوظ مقام پر پہنچ گئے جہاں سے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوکر وہ اپنے ملک کی راہ لے سکتے تھے۔ اس طرح یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

دوسری صبح کو لوگ شیواجی کو لینے پہنچے تاکہ اسے اس محل میں پہنچائیں جہاں ان کی جان لی جانے والی تھی۔ خیمے میں داخل ہوکر انھوں نے بستر کے ایک سرے پر پگڑی رکھی دیکھی گویا وہ ابھی سو رہا ہو۔ انھوں نے کچھ دیر انتظار کیا اور ایک بار پھر یہ دیکھنے گئے کہ وہ جاگا یا نہیں۔ لیکن جو کچھ وہاں پڑا تھا اس میں کسی طور حرکت ہی نہ ہوتی تھی۔ پس وہ کئی بار اندر گئے۔ وہاں نہ انھوں نے کوئی حرکت دیکھی اور نہ ہی خراٹوں کی کوئی آواز سنی۔ انھوں نے یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر گیا چادر اُلٹی۔ یہ دیکھ کر انھیں اصل حقیقت معلوم ہوئی اور رام سنگھ کو فوراً اطلاع دی گئی۔ پیشتر اس کے کہ کوئی اور شخص بادشاہ کو بتاتا رام سنگھ خود اس کے سامنے حاضر ہوا۔ کورنش بجا لانے کے بعد وہ افسردہ چہرے کے ساتھ خاموش کھڑا ہوگیا۔ اس تبدیلی کو دیکھ کر اورنگ زیب چکرا گیا۔ کیونکہ رام سنگھ بالعموم خوش و خرم نظر آتا تھا۔ اس نے اس آزردگی کا سبب دریافت کیا اور پوچھا کہ وہ گھر کیوں نہیں گیا۔ رام سنگھ نے بہت دھیمی آواز میں یہ بتایا کہ وہ ایک خبر لایا ہے اور وہ یہ کہ شیواجی غائب ہوگیا ہے۔

اس خبر سے اورنگ زیب بہت افسردہ ہوا۔ اس نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا گویا وہ خیالات میں غرق ہے اور پھر ساری سلطنت میں یہ حکم بھیجا کہ شیواجی کو تلاش کیا جائے۔ لیکن شیواجی اپنے راستے پر بہت دور نکل چکا تھا۔ اس نے ایک رات میں ہی اتنا سفر کیا جو کسی اور کے لئے تین دنوں اور تین راتوں میں ممکن تھا۔ اس طرح اس کا پکڑا جانا محال تھا۔ اس کی راہ بھی جنگلات اور پہاڑوں سے گزرتی تھی جہاں سے گزرنا بہت مشکل تھا۔ اس ڈر سے کہیں نیتو جی بھی بھاگ نہ جائے اورنگ زیب نے اسے زبردستی ملازمت دی اور اسے دریائے سندھ کے پار صابت خان کے تحت لڑنے کے لئے بھیج دیا۔

—— ٭٭٭ ——
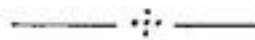
بابِ ہشتم

شیواجی کے فرار کے ذکر میں ہم کچھ آگے بڑھ گئے اور بہت سے حالات و واقعات کا ذکر باقی رہ گیا جس میں اورنگ زیب کے ان احکامات کا تذکرہ بھی ہے جو اس نے راجہ جے سنگھ کو بھیجے۔ جب اورنگ زیب کو یہ یقین ہو گیا کہ شیواجی نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں تو اس نے یہ حکم بھیجا کہ اب شیواجی کی مملکت میں جنگ بند کی جائے اور ہماری فوجیں بیجاپور کی تسخیر کے لئے روانہ ہوں۔

راجہ پچاس ہزار سواروں کی معیت میں روانہ ہوا۔ اُسے اس بات پر بھی بھروسہ تھا کہ بیجاپور کے بہت سے سردار اورنگ زیب کی طرف ہیں۔ ہم ابھی راہ میں تھے کہ ہمیں شرزا خان کی طرف سے دیر خان کے نام ایک خط ملا۔ شرزا خان نسل کا پٹھان اور بیجاپوری فوج کا سالار اعلیٰ تھا۔ اس خط کا متن یہ تھا:۔

"بہادر اور وفادار سردار دیر خان! میں یہ خط راجہ جے سنگھ کے بجائے تمہیں لکھ رہا ہوں اس لئے کہ ہم ایک ہی نسل و مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی سبب سے مجھے یقین ہے کہ تم میرے الفاظ کا پاس کرو گے۔ میں تم سے یہ التماس کرتا ہوں کہ تم معاملات کو اس طرح طے کرو کہ راجہ جے سنگھ بادشاہ اورنگ زیب سے ایسے احکامات حاصل کرے کہ یہ جنگ نہ ہو۔ شاہ بیجاپور بھی ایمان والوں میں سے ہے اور آج تک اس نے خراج کی رقم ادا کرنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ اگر تم یہ نہ کر سکو

گے تو میں بھی اس بات پر مجبور ہوں گا کہ حتی المقدور اس سلطنت کے دفاع کی کوشش کروں۔ اور اگر میں تمھارا مقابلہ کروں یا تمھیں شکست دوں اور اس طرح تمھیں فتح مندی کی ناموری سے محروم کر دوں تو تمھیں اس کا ملال نہ ہونا چاہیے۔"

جب دلیر خاں کو یہ خط ملا تو اس نے اس کا مختصر جواب یہ دیا کہ جب تک شاہ بیجاپور اس کے قبضہ میں نہ آ جائے گا اس وقت تک اورنگ کسی پیشکش کو قبول نہیں کرے گا۔ جہاں تک میدان جنگ کا تعلق ہے تو وہ شرزا خاں کی شجاعت کا امتحان لے کر مسرت محسوس کرے گا اور اس کے ساتھ ہی اس شجاعت کا نمونہ بھی پیش کرے گا جو وہ خود جنگ دکھا سکتا ہے۔ اس جواب کے بعد شرزا خاں نے میدان سنبھالا اور اپنی فوجوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد اس نے ہمیں درمیان سے گذرنے دیا۔ یہاں تک کہ ہم نے پندرہ یوم کی راہ طے کی۔ جب ہم بیجاپور کے قریب پہنچے تو اس نے مغل مملکت میں اندھا دھند لوٹ مار شروع کر دی۔

جے سنگھ نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ چونکہ وہ وہاں کے سرداروں سے خط و کتابت کر رہا ہے اس لئے۔ وہ نہایت آسانی سے بیجاپور کو فتح اور بادشاہ کو گرفتار کرے گا۔ مگر سازش پکڑی گئی اور بادشاہ نے ان سرداروں کو جو خطوط لکھ رہے تھے برطرف کر کے نئے سرداروں کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ اس تبدیلی سے وہ تمام لوگ ختم ہو گئے جن پر جے سنگھ بھروسہ کر رہا تھا اور یوں اُسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اُسی سمے شرزا خاں نے ان تین سرداروں کو گرفتار کر لیا جو ہماری فوج میں شامل ہونے آ رہے تھے۔ اس نے انھیں قتل کرا دیا اور ان کا سر اپنے بادشاہ کے پاس بھیجا تاکہ اُسے معلوم ہو کہ اس کے پاس کم از کم ایک سپہ سالار ایسا ہے جو اپنے بادشاہ کی مدافعت میں ایسے کسی شخص کو بخش نہیں سکتا۔ ہماری واپسی کے دوران میں شرزا خاں نے ہمیں بہت پریشان کیا اور دن رات میں کسی وقت بھی ہمیں چین نہ لینے دیا تا این کہ ہم بیجاپور کی سرحدوں سے باہر آ گئے۔

واپسی کے بعد جب ہم خیمہ زن ہونے لگے تو میرے دل میں عیسائیوں کے درمیان رہنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ میں نے جے سنگھ سے ملازمت ترک کرنے کی اجازت طلب کی، اس بنا پر کہ میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں میں نے اپنی شادی کا بہانہ بھی کیا۔ اگر کوئی شخص شادی کے لئے رخصت طلب کرے تو اُسے کبھی انکار نہیں کیا جاتا۔ جے سنگھ نے اپنے براہمی اور دیگر جوتشیوں سے، جو تمام راجاؤں کے پاس ہوتے ہیں، یہ پوچھا کہ

کیا میں دوبارہ اُسے کبھی مل سکوں گا؟ انھوں نے جواباً کہا کہ یہ ملاقات ناممکن ہے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ میری موت یقینی ہے مگر اس سلسلے میں اس کا اندازہ غلط نکلا اس لئے کہ جب میں مغل سلطنت میں واپس آیا تو راجہ اپنے وطن سے بہت دور مر چکا تھا، جس کا ذکر میں مناسب مقام پر کروں گا۔

فوج کی ملازمت ترک کر کے میں شیواجی کی مملکت میں 'بیجے' نامی گاؤں میں پہنچا جو پرتگالیوں کے قبضے میں تھا۔ اس گاؤں میں لکڑی کی مختلف چیزیں مثلاً خوبصورت کرسیاں، میزیں، مسہریاں اور مختلف اقسام کے کھلونے بنائے جاتے ہیں۔ یہاں میں نے کافی دنوں اپنے ایک دوست کی خواہش پر اس کے گھر میں قیام کیا جو اس گاؤں کا مالک تھا تا اینکہ اس نے میری کچھ اشرفیاں چرا لیں۔ وہاں سے میں ایک پرتگالی شہر بسین میں آ گیا تا کہ یہاں میں روزوں کے ایام گذار سکوں۔
اس کے بعد میں گوا کے لئے روانہ ہوا اور مئی ۱۶۶۶ء (۱۶۶۷ء) میں وہاں پہنچ گیا۔

لیکن ہمیں مغل سلطنت میں واپس ہو کر اس ایک سال کی مدت کا ذکر کرنا ہے جس میں بہت سے واقعات رونما ہوئے (۱۶۶۶ء - ۶۷)۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ اورنگ زیب کی چہیتی ملکہ اودے پوری کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام کام بخش رکھا گیا۔ یہ پانچواں اور آخری بیٹا تھا۔ شاہجہاں کی رسم کے مطابق اورنگ زیب اُسے رحم مادر میں ہی ضائع کرنے کا فیصلہ نہ کر سکا۔ شاید اس بات کی وجہ اودے پوری کے لئے اس کی شدید محبت تھی۔ دوسرا واقعہ یہ تھا کہ اورنگ زیب کا سفیر جسے اس نے شاہ ایران کے پاس بھیجا تھا ان پینتالیس گھوڑوں بمعیت دلّی واپس آیا جنھیں شاہ عباس نے اورنگ زیب کو جنگ کے لئے مبارزطلبی کے طور پر بھیجا تھا۔ اس بات سے ساری مملکت میں بالخصوص شہر دلّی میں کھلبلی مچ گئی اورنگ زیب نے یہ دکھانے کے لئے کہ اُسے شاہ عباس کے حملے کا کوئی خوف نہیں ہے، جس نے ہندوستان کی طرف پیش قدمی شروع کر رکھی تھی، یہ حکم دیا کہ ان پینتالیس عمدہ گھوڑوں کا گلا کاٹ ڈالا جائے۔

گو اورنگ زیب نے یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ ایرانیوں سے بالکل خوفزدہ نہیں ہے تاہم اُسے کچھ نہ کچھ خوف ضرور تھا اور اسی لئے اس نے فوراً شاہ عالم کو دربار میں واپس بلوالیا اور راجہ جے سنگھ

کو شاہ بیجا پور سے صلح کرنے کا حکم دیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ ایرانیوں سے جنگ کرے۔ اس نے اس کے علاوہ اور احتیاطی تدبیریں بھی کی۔ اس نے مفتی عبدالکریم کو حکم دیا کہ وہ یہ معلوم کرے کہ شاہ عباس کیا کر رہا ہے اور اس کی واضح اطلاع دربار کو روانہ کرے۔

عبدالکریم نے اس معاملے میں اتنی تیزی دکھائی کہ اُسے اپنی جان گنوانی پڑی۔ اس نے چند ایرانی تاجروں کو پکڑوا لیا جو شاہ عباس کے منصوبوں سے بالکل ناآشنا تھے اور انھیں ایذا دینی شروع کی تاکہ وہ ایسی تمام باتیں بتا دیں جو وہ نہیں جانتے تھے۔ بالآخر ان میں سے ایک نے جو ان تمام مصائب کے باعث زندگی سے مایوس ہو ااپنی جان ہتھیلی پہ رکھ لی۔ اس وقت جبکہ وہ چھ ایرانی تاجر حجرۂ عدالت میں موجود تھے اور ان سے پوچھ گچھ ہو رہی تھی تو ان میں سے ایک عبدالکریم کے قریب پہنچا۔ عبدالکریم ایک قالین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی تلوار جیسا کہ عام رواج ہے، ان کے سامنے پڑی ہوئی تھی۔ اردگرد بہت سے اور اشخاص بیٹھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے کہا کہ وہ تلوار پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھائے گا اور سب کچھ جو وہ جانتا ہے سچ سچ بتائے گا۔ اس نے ہاتھ تلوار پہ رکھا جو میان میں تھی، مگر یکایک تلوار کھینچ لی اور اپنے ایذا دہندہ کے سر پہ ایک کاری ضرب لگائی۔ عبدالکریم قتل ہو گیا۔ پاس کھڑے ہوئے لوگوں نے باقی ماندہ پانچ تاجروں کو جو زنجیروں میں جکڑے کونے میں کھڑے تھے قابو میں کر لیا مگر یہ بہادر شخص جس نے تلوار ماری تھی افراتفری میں بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس واقعہ نے اورنگ زیب کو شدید ذہنی الجھن میں گرفتار کر دیا۔ اُسے یہ شبہ تھا کہ ایرانیوں نے ایک نہ ایک بہانے سے ہندوستان پر قبضہ کر لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لہٰذا اس نے ہر ایک کو یہ حکم دیا کہ وہ زرہ پہن کر گھومے۔

اس دوران میں شاہ عباس بڑے عزم کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا اور اورنگ زیب کی فوج اس سے مقابلے کے لئے بیتاب تھی۔ تین لاکھ سوار اس کے ہمراہ تھے اور یہ بات یقینی ہے کہ اگر اورنگ زیب اس بہادر بادشاہ سے جنگ کرتا تو اس بات کا کافی خطرہ تھا کہ اس کی سلطنت جاتی رہے، جس کے حصول کے لئے اس نے دل و جان سے کام کیا تھا۔ لیکن یہ اورنگ زیب کی خوش قسمتی تھی کہ وہ راستے میں خناق کی بیماری میں مبتلا ہو کر وفات پا گیا۔ اس سے اورنگ زیب کو بہت سکون ہوا۔ حالانکہ اس وقت وہ خود جنگ کرنے

کے لئے تیار ہو چکا تھا اور راجہ جے سنگھ نے بیجاپور کے حکمران سے صلح کر لی تھی۔

شاہ عباس کی وفات کے بعد اس کی بوڑھی ماں نے اورنگ زیب کو یہ خط لکھا کہ اب جبکہ اس کا حریف انتقال کر چکا ہے، اُسے میدان جنگ میں آنے کی حاجت نہیں ہونی چاہیئے تاہم اگر وہ چاہتا ہے تو وہ ماں کو بیٹے کی جگہ پائے گا۔ وہ محض اس کے جواب کی منتظر ہے اور جواب ملتے ہی وہ جنگ کے لئے پیش قدمی شروع کر دے گی۔ گو اورنگ زیب نے جنگ کی ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ شیواجی کی گرفتاری کے بعد اب کوئی اور اہم کام باقی نہ تھا تاہم اس نے ایرانیوں کو مشتعل کرنا مناسب نہ سمجھا اور یہ جواب دیا کہ عورت کے خلاف صف آرا ہونا اس کے شایان شان نہیں اور اللہ تعالیٰ نے بدی کرنے والے کو خود ہی سزا دے دی ہے۔ البتہ شاہ عباس نے جو کچھ کرنا چاہا تھا اس کے بدلے میں اس نے ہندوستان سے ایران جانے والے قافلوں کو روک دیا مگر ایران سے ہندوستان آنے والوں کو داخلے کی اجازت تھی۔

بادشاہ کو تمام مصیبتوں سے بری دیکھ کر، اسی سال، مفتیان دین نے اس سے عورتوں کے متعلق کچھ قوانین نافذ کرائے۔ مثلاً یہ کہ عورتوں کے لئے مردوں کی طرح کے تنگ پائجامے ممنوع قرار دیئے جائیں۔ وہ اس کے بجائے ڈھیلے پائجامے پہنیں۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ عورتوں اور مردوں میں تمیز قائم کرنے کے لئے یہ ضروری تھا لیکن ان کا اصل مفہوم کچھ اور ہی تھا۔ انہوں نے بادشاہ سے یہ قانون بھی منوا لیا کہ عورتیں شراب، پوست، بھنگ افیون اور دیگر منشیات کے استعمال سے بھی پرہیز کریں۔ جب اورنگ زیب نے اپنی حکومت کے شروع میں یہ احکامات نافذ کئے تھے تو عورتوں نے اس کی مطلق پروا نہ کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ احکامات محض مردوں کے لئے تھے اس لئے وہ ان پر منطبق نہ ہوتے تھے۔

جب بادشاہ بیگم یعنی بیگم صاحب کو نئے احکامات کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے محل میں قاضیٔ شہر اور دیگر علماء و مشائخ کی بیویوں کو دعوت دی اور انہیں اتنی شراب پلائی کہ انہیں نشہ چڑھ گیا۔ اورنگ زیب جب ان کے محل میں آیا تو انہوں نے اس سے عورتوں پر اس نئی پابندی کا ذکر کیا۔ اس نے معذرت کرتے ہوئے یہ کہا کہ شرع کی پابندی کرانا اس کا فرض ہے۔ بیگم صاحب نے جواب دیا کہ انہیں یہ علم نہ تھا کہ یہ چیزیں شرعاً منع ہیں۔ اورنگ زیب نے کہا کہ سارے علماء و مشائخ کا یہی خیال ہے۔ اس پر بادشاہ بیگم بادشاہ کو پردے میں لے گئیں۔ وہاں اس نے دیکھا کہ سارے علماء کی بیویاں نشہ میں وحشت اور بے حال ہیں۔ ساتھ ہی تنگ پائجامے بھی پہنے ہوئے ہیں۔

اس پر بادشاہ بیگم نے یہ کہا کہ اگر یہ تمام چیزیں شرعاً ممنوع ہیں تو علما کو اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو ایسے کپڑے پہن کر باہر نہ نکلنے دینا چاہیئے، نہ ہی انھیں نشہ آور چیزیں استعمال کرنے کی اجازت دینی چاہیئے۔ دوسروں کے لئے قوانین نافذ کرنے سے پہلے انھیں اپنے گھریلو حالات درست کرنے چاہئیں۔ اس طرح جو طوفان عورتوں کے خلاف کھڑا کیا گیا تھا ختم ہوا۔

شاہ ایران کے مرنے کے بعد اب اورنگ زیب کو راجہ جے سنگھ کی (ایرانیوں سے جنگ کے لئے) کوئی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی اور اُسے یہ شک تھا کہ شیوا جی کا فرار اُسی راجہ کی وجہ سے ممکن ہوا۔ اس نے راجہ جے سنگھ کو دربار میں حاضر ہونے کی ہدایات جاری کیں اور اُسے راستے ہی میں زہر دلوا دیا۔ جس کے اثر سے وہ برہان پور میں مرگیا۔ اس طرح اُسے اپنی اعلیٰ خدمات کا انعام مل گیا۔

جب جے سنگھ کی وفات کی خبر دربار پہنچی تو جو شخص یہ خبر لایا تھا یہ سمجھا کہ وہ اورنگ زیب کے پاس ایک افسوسناک خبر لایا ہے، اس لئے کہ بادشاہ اور سلطنت کے لئے مرحوم راجہ کی خدمات سے سارا ملک واقف تھا اور وہ یہ جانتے تھے کہ بادشاہ اس خبر کو سن کر شدید رنج والم کا اظہار کرے گا۔ گو یہ صحیح ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا کو محض اس وقت خاطر میں لاتے ہیں جب انھیں ان کی ضرورت ہو اور جب ان کی خدمات ختم ہو جائیں تو انھیں خدمتوں کی قیمت تغافل و بے اعتنائی کے سکوں سے ادا کرتے ہیں لیکن اورنگ زیب ایسے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ ناشکر گذار تھا۔ وہ اس اصول پر کاربند تھا کہ جن لوگوں نے اس کے لئے بہت کچھ کیا ہو انھیں اپنی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دے۔ پس اس نے علانیہ اپنی مسرت کا اظہار کیا اور خبر رساں کو یہ کہا کہ راجہ جے سنگھ کی موت سے اس کی دلی آرزو پوری ہوئی ہے۔ تاہم اورنگ زیب کے علاوہ اور تمام لوگ اس خبر پر رنجیدہ تھے۔ بادشاہ نے ایک ایسے راجہ سے نجات پاکر جس کا اثر رسوخ اس کی سلطنت کے لئے خطرناک ہوتا فوراً ہی ہندوؤں کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔

اس نے یہ احکامات بھیجے کہ دلّی کے پاس لاتا نامی خوبصورت مندر کو فوراً تباہ کر دیا جائے اور تمام نائبین سلطنت اور صوبیداروں کو بھی یہ حکم دیا کہ ان کے صوبوں میں جتنے مندر ہیں انھیں ڈھا دیا جائے۔ دیگر مندروں کے ساتھ متھرا کا عالیشان مندر بھی جو اتنا بلند تھا کہ اس کا سنہرا برج آگرے

سے جو اٹھارہ کوس کے فاصلے پر واقع ہے ۔ دکھائی دیتا تھا۔ اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کرنے کی تجویز تھی جس کا نام اس نے اسلام آباد رکھا یعنی مومنوں کا تعمیر کردہ ۔ محض اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس نے تمام سنیاسیوں اور جوگیوں کو جو ہندوؤں کے درویش اور ولی ہوتے ہیں باہر نکلوا دیا۔ اس نے یہ ہدایات بھی دیں کہ دربار کے ہندو اعلیٰ عہدیداروں کو برطرف کر دیا جائے اور ان کی جگہ مسلمانوں کا تقرر کیا جائے ۔ اس نے ہندوؤں کے جشن منانے میں مداخلت کی ۔ اس موقع پر مسلمان بھی لہو و لعب اور اور عامیانہ کھیل تماشوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ اس تیوہار کا زمانہ بالعموم مارچ کے چاند پڑتا ہے ان کا رواج یہ ہے کہ اگر وہ باحیثیت اور بڑے لوگ ہیں تو ایک دوسرے پر خوشبودار رنگ اور عطر سیندور چھڑکتے ہیں اور اگر کم حیثیت لوگ ہیں تو ایک دوسرے پر گندا پانی یا بدبودار چیزیں پھینکتے ہیں ادھر اُدھر بھاگتے ، گالیاں بکتے اور ہنگامہ کرتے ہیں ۔ بالکل اسی طرح جیسے یورپ میں میلوں کے موقع پر کیا جاتا ہے ۔

پہلے ہم جعفر خاں کی بابت بتا چکے ہیں جو عیسائیوں اور پادریوں کا بہت دوست تھا اور یہاں اس کردار کے متعلق کچھ کہنا ضروری ہے ۔ وہ مغلوں کا بہت مشہور عالم تھا اور وزیر اعظم کے عہدے پر فائز تھا ۔ وہ اتنا شریف اور با اخلاق تھا کہ ہر شخص سے جناب کہہ کر مخاطب ہوتا تھا اور غصہ کا اظہار تو کر ہی نہ سکتا تھا ۔ وہ بہت زیادہ مہذب تھا اور اس کی خوبیاں خبط کی حد تک تھیں ۔ وہ کسی رنگ میں بھی عامیانہ زبان سن ہی نہ سکتا تھا ۔ ایک موقع پر اس کا گھوڑا رفع حاجت کے لئے ایک لمحہ کو رک گیا ۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور پالکی میں سوار ہو گیا ۔ اپنے اس عمل کی آڑ کے لئے اس نے یہ بہانا کیا کہ گرمی بہت ہے

اس نے اس سے زیادہ عجیب ایک اور حرکت کی ۔ ایک بار ایک معمار اس کے لئے ایک خوبصورت محل کا نقشہ بنا کر لایا جو وہ بنوانا چاہتا تھا ۔ اس نقشہ کے مختلف حصوں کے متعلق سوالات کرنے کے بعد اس نے ایک اور جگہ کے متعلق جو بیت الخلا تھی سوال کیا ۔ معمار نے جواب دیا کہ یہ پیخانہ ہے ۔ اس پر اس نے اپنے داہنے ہاتھ سے ناک دبائی اور اپنا منہ بگاڑتے ہوئے بائیں ہاتھ سے نقشہ اٹھائے جانے کا اشارہ کیا ، گویا محض نشان ہی بدبو کے لئے کافی تھا ۔

یہ شخص دو ایک گھونٹ پی بھی لیتا تھا ۔ اور چونکہ اورنگ زیب سخت مسلمان تھا اس بات کے لئے اس نے کئی بار اُسے منع کرایا ۔ بالآخر اس نے خود گفتگو کی اور یہ کہا کہ مسلمان مملکت کے وزیر

کے لئے یہ اچھی بات نہیں ہے کہ وہ شراب پیئے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اچھی مثال پیش کرے۔ جعفر خاں نے جواب دیا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں، ہاتھوں کی طاقت پیروں کی توانائی اور آنکھوں کی بصارت سے محروم ہوں اور بہت غریب ہوں۔ شراب سے آنکھوں کی بینائی پاتا ہوں، بادشاہ سلامت کی خدمت کے لئے قلم چلانے کی طاقت محسوس کرتا ہوں، جب کبھی شہنشاہ معظم یاد کرتے ہیں تو دربار تک دوڑنے کی توانائی حاصل کرتا ہوں، تخیل میں خود کو امیر دیکھتا ہوں اور انھیں وجوہات کی بنا پر پیتا ہوں۔

اب یہ موقع ہے کہ اس مہم کا ذکر کیا جائے جس پر اورنگ زیب نے اپنے بیٹے شاہ عالم کو جس کے معنی ہیں "دنیا کا بادشاہ" روانہ کیا۔ اورنگ زیب کو یہ خوف تھا کہ شیواجی کسی ایسے موقع کو ہاتھ نہ جانے دے گا جس میں وہ طاقت کے ذریعے اس دغا بازی کا جو اورنگ زیب نے اس کے ساتھ کی تھی اور ان وعدہ خلافیوں کا، جن کے ذریعے اس نے اُسے پھنسایا تھا۔ بدلہ لے سکے۔ اس سبب سے اس نے شاہ عالم کو بلایا اور اُسے ضروری ہدایات دیں جن پر کاربند رہ کر وہ پھر شیواجی کو پکڑ سکتا تھا۔

شاہ عالم کو اس کی ہدایات کے مطابق راجہ جسونت سنگھ کو اپنے ساتھ لے جانا تھا جسے دکن جانے کے احکامات بھیجے جا چکے تھے۔ راجہ کو شہزادے کے ماتحت کام کرنا تھا۔ دوسرے بڑے سرداروں کو بھی جن میں دلیر خاں شامل تھا اس کے ساتھ جانا تھا۔ دکن پہنچ کر شہزادے کو شیواجی کے خلاف مہم شروع کرنی تھی اور جب جنگ کا دن قریب آ جائے تو بادشاہ سے بغاوت کے بہانے شیواجی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا تھا۔ مرہٹہ سردار کو ایسے خطوط لکھنے تھے کہ گویا واقعی وہ (شہزادہ) بغاوت کرنا اور تخت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اُسے یہ بھی کوشش کرنی تھی کہ اس کے سردار بھی اس کے خیالات سے متفق ہو جائیں اور اس کی بغاوت کی تائید کریں۔ اس طرح اورنگ زیب یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کون کون سے سردار وفادار ہیں اور کون یہ چاہتے ہیں کہ وہ بادشاہ نہ رہے۔ یہ اس کے لئے اپنی عیارانہ چال دکھانے کا ایک موقع تھا کہ اس بہانے سے وہ یہ بھی معلوم کر سکے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر وہ مکمل بھروسہ کر سکتا ہے۔

شاہ عالم نے بڑے طمطراق، آن بان، اور کثیر فوج کے ساتھ دلی سے کوچ کیا اور بادشاہ کے پاس بمشکل دس ہزار سوار رہ گئے۔ باپ کو یہ معلوم تھا کہ شاہ عالم فی الحقیقت بغاوت کرنے کا اہل نہیں

ہے۔ پس شاہزادہ آرام سے سفر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اورنگ آباد پہنچ گیا۔ اس شہر کے پاس شیواجی ایک دیہاتی کسان کے بھیس میں شہزادے کے پاس آیا یہ رواج ہے کہ جب شاہزادے گشت کرتے ہیں تو انھیں بکریاں، دودھ اور پھل نذر کئے جاتے ہیں۔ اس مصنوعی دیہاتی نے اُسے دودھ کا ایک برتن پیش کیا۔ جب اس دودھ کے برتن کو باورچی خانے میں خالی کیا گیا تو اس میں سے موم جامہ کیا ہُوا ایک پرچہ نکلا۔ یہ پرچہ شہزادے کے پاس لایا گیا۔ اس میں یہ لکھا تھا: "میں، شیواجی، یہ جاننے کے لئے کہ کون میرے خلاف فوج کشی کر رہا ہے تاکہ میں اسے پہچان سکوں، اس دودھ کے برتن کو آپ کی نذر کرتا ہوں اور آپ کی آمد پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں بجالانے کو تیار ہوں وغیرہ" شاہ عالم شیواجی کی تیزی پر متحیر ہُوا مگر اس بات نے اسے اُس کے گرفتار کرنے کے ارادے سے باز نہ رکھا۔

لہٰذا اس نے شیواجی کو خفیہ خطوط بھیجے اور اس میں دوستی کا اظہار کیا اور آخر میں اس سے یہ مشورہ کیا کہ ایسی صورت میں جب کہ اس کے باپ کی ساری فوج اس کے ساتھ ہے اور تمام سردار اس کی طرف ہیں، کیا اس کے لئے یہ بہتر نہ ہوگا کہ وہ بغاوت کرے اور اپنے باپ کے ساتھ وہی کرے جو اس نے شاہ جہاں کے ساتھ کیا۔ شیواجی نے یہ جواب دیا کہ موقع غنیمت ہے اور اگر اب اس نے کوشش نہ کی تو پھر اُسے ایسا موقع کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ شاہ عالم نے یہ سوچ کر کہ شیواجی بھی اس کوشش میں اس کا شریک ہو۔ اس نے یہ وعدہ کیا کہ اگر یہ کوشش کارگر ہوئی تو وہ اسے سارے دکن کا راجہ تسلیم کرے گا اور اس سے کبھی ایسی بدعہدی نہ کرے گا جو اس کے باپ نے کی۔

شیواجی نے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ اورنگ زیب کی اس چال کو نہیں سمجھتا، شاہ عالم کو لکھا کہ وہ اس کا ساتھ دینے اور اورنگ زیب سے بدلہ لینے اور اس کی موت سے دکن کی جنگ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کو بخوشی تیار ہے۔ لیکن کسی بڑی مہم کی تیاری کے لئے اس کے پاس رقم نہیں ہے اور اس لئے یہ ضروری ہے کہ اُسے ایک گرانقدر رقم بھیجی جائے۔ اس سے وہ اپنے تمام آدمیوں کو جمع کرے گا جو اس کی قید کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ علاوہ ازیں اسے مختلف شہروں اور گاؤں کو لوٹنے کا بھی اختیار ملنا چاہیے۔ اس کے بعد وہ اس سے ملنے کا عہد کرتا ہے۔ شاہ عالم نے یہ تمام شرائط منظور کرلیں شیواجی کو کثیر رقم بھیجی گئی اور اُسے ہر چہار جانب

لوٹ مار کرنے کی اجازت بھی مل گئی۔ اس طرح وہ پھر امیر ہو گیا۔ اس نے بہت سے آدمیوں کو فوج میں شامل کیا اور اپنے قلعے کو مستحکم کیا۔

اس وقفے کے دوران میں شاہ عالم نے اپنے سرداروں کو معمولی کاموں پر لگائے رکھا انہیں اس بات کے سخت احکامات تھے کہ وہ شیوا جی کی مملکت میں داخل نہ ہوں۔ اس سبب سے ان سرداروں نے جو اس کے واقف راز نہ تھے اورنگ زیب کو خط پر خط لکھنے شروع کر دیئے۔ انہوں نے بادشاہ کو یہ بتایا کہ شاہ عالم کے ارادوں کا انہیں کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ان سب کا وقت خواہ مخواہ ضائع ہو رہا ہے اور شیوا جی لوٹ مار کر کے دکن کو سخت نقصان پہنچا رہا ہے۔ اور دوں کی طرح دلیر خاں نے بھی خط لکھا لیکن اس کی تحریر زیادہ تلخ تھی۔

اورنگ زیب تو ان احکامات سے واقف ہی تھا جو اس نے بیٹے کو دیئے تھے۔ لہٰذا اس نے ہر بات پوشیدہ رکھی اور سرداروں کو یہ جواب دیا کہ وہ احکامات بجا لاتے رہیں اور شاہ عالم ٹھیک کام نہیں کرتا تو اسے دربار میں واپس بلا لیا جائے گا۔ اس دوران میں اس نے شاہ عالم کو خطوط لکھے اور اس کی کارکردگی کی بہت تعریف کی اور یہ لکھا کہ تم شیوا جی کے لئے سُونے کا پُل بنا دو تاکہ وہ تمہاری طرف آ جائے۔

حالات اس طرح تھے جب شاہ عالم نے یہ فرض کرتے ہوئے کہ اب شیوا جی کی تسلی ہو گئی ہو گی اُسے ایک اور خط لکھا جس میں اس سے یہ خواہش کی کہ اب وہ اس کے ساتھ ملنے میں دیر نہ کرے کیونکہ خدشہ ہے کہ کہیں اورنگ زیب کو اس سازش کا پتہ نہ چل جائے۔ شیوا جی نے جواب دیا کہ میں آنے کو تیار ہوں مگر میں اس بات کی یقین دہانی چاہتا ہوں کہ فی الواقع راجہ جسونت سنگھ اور دوسرے سردار آپ سے مل گئے ہیں۔ جب مجھے اس بات کا یقین ہو جائے گا تو میں یقیناً مع اپنی فوج کے آپ کے ساتھ مل جاؤں گا۔ اس جواب سے مطمئن ہو کر شاہ عالم نے راجہ جسونت سنگھ سے گفتگو شروع کی۔ چونکہ راجہ اورنگ زیب سے خوش نہیں تھا اس لئے اس نے فوراً یہ پیشکش قبول کر لی۔ اس طرح ایک ایک کر کے ہر سردار نے عہدناموں پر دستخط کر دیئے جن میں شاہ عالم نے مختلف لوگوں سے مختلف عہد کئے تھے۔

یہ دیکھ کر کہ سرداروں کی بیشتر تعداد نے بغاوت کے عہدنامے پر دستخط کر دیئے ہیں شاہ عالم

نے دلیر خاں کو حکم دیا کہ وہ دربار میں حاضر ہو کہ اُسے اُس سے کچھ کہنا ہے۔ گفتگو بغاوت سے متعلق ہو رہی تھی اور شاہ عالم کو یہ امید تھی کہ جب وہ سب سے آخر میں دلیر خاں کو بلوائے گا تو دوسروں کی مثال دے کر وہ بہ آسانی اُسے بھی اپنی جانب کرے گا۔ لیکن دلیر خاں کو سازش کا پتہ چل گیا تھا اور یہ جانتے ہوئے کہ اورنگ زیب کتنا تیز ہے اس نے شاہ عالم پر بالکل بھروسہ نہ کیا یوں کہ ممکن ہے کہ یہ ساری سازش محض دکھاوا ہو۔ پس اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس نے شاہ عالم سے یہ کہلوا دیا کہ چونکہ میں بادشاہ کا ملازم ہوں اس لئے مجھے آپ کے دربار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس وقت میں میدانِ جنگ میں ہوں اور جس سمت بھی آپ چاہیں مجھے لڑنے کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ اس قسم کا حکم تو میں فوراً بجا لانے کو تیار ہوں مگر میں آپ کے دربار میں نہیں آؤں گا۔

دلیر خاں کو اپنی سمت تبدیل کرنے کیلئے شاہ عالم کی ہر کوشش ضائع گئی اس لئے کہ بادشاہ یہ چاہتا تھا کہ اُسے اپنی نگاہوں سے اوجھل کر دے۔ لیکن چونکہ یہ سردار ہر قسم کے نشیب و فراز سے واقف ہو چکا تھا اس لئے اس نے شاہ عالم کے دربار میں حاضری کی ہامی نہ بھری۔ اُسے یہ پتہ تھا کہ اگر فی الواقعی شاہ عالم بغاوت کر کے سلطنت پر قابض بھی ہو جائے تو بھی اس غیر حاضری سے اس کے نام کو بٹہ نہ لگے گا اس لئے کہ یہ اس کی وفاداری کا ثبوت ہے اور یوں اس کا احترام قائم رہے گا۔

یہ دیکھ کر کہ وہ دلیر خاں کو قائل نہیں کر سکتا، شاہ عالم نے وہ عہد نامے جن پر سرداروں نے دستخط کئے تھے شیواجی کے پاس روانہ کر دیئے۔ یہ بھی لکھ بھیجا کہ اب مقصد کے حصول یعنی باپ کو گرفتار کر کے مملکت پر قبضہ کر لینے میں جو کمی رہ گئی ہے وہ شیواجی کی شجاعت اور اس کی طاقتور فوج کی اعانت ہے۔ اب وہ اسی پختہ ارادے سے کوچ کرے گا۔ لہذا اس نے شیواجی سے پرزور درخواست کی کہ اب وہ دیر نہ کرے اور اس طرح اورنگ زیب کو فوج کی فراہمی کا موقع نہ فراہم کرے۔ اس لئے کہ فی الوقت اس (شاہ عالم) کے پاس دس ہزار سواروں سے زیادہ نہ تھے اور ان کے ساتھ وہ اپنے باپ کی زبردست فوجوں کی جرأت و ہمت کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ وہ یہ بات ساری دنیا کو بتائے گا کہ اس کا مددگار مشہور سردار شیواجی تھا جو اورنگ زیب کی تلوار کا بدلہ لینے میں سراسر حق بجانب تھا۔

اس طور شاہ عالم نے میدان سنبھالا اور یہ اعلان کیا کہ وہ دلی کی طرف کوچ کر رہا ہے تاکہ باپ

کو گرفتار کر کے خود بادشاہ بن جائے۔ اس بات کے مظاہرے کے طور پر کہ گویا اب بادشاہت اُسی کی ہے، اس نے سرداروں کی تنخواہوں میں قابل قدر اضافے کئے، حکومتیں بخشیں، جاگیریں عطا کیں اور خراج معاف کئے۔ اس طرح سارے ملک میں یہ افواہ پھیل گئی اور جیسا کہ بغاوتوں میں ہوتا ہے بعض اس بات سے خوش ہوئے، دوسروں کو یہ شکایت تھی کہ وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے کہ اب وہ خوش حالی جو اورنگ زیب کی حکومت میں پھیل رہی تھی ختم ہو جائے گی۔ یہ سب بچوں کا کھیل تھا مگر اس کھیل میں شریک سربرآوردہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ سازش ہو کر یہ مغل بادشاہ کے لئے بہت فائدہ مند تھی۔

بظاہر اورنگ زیب بہت خوفزدہ ہوا اور اس نے اس بغاوت پر بڑی پریشانی کا مظاہرہ کیا۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس نے خزانے کا منہ کھول دیا، جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں اور اس نے فوج میں نئے سپاہی بھرتی کرنے شروع کئے۔ اس دوران میں اس نے فدائی خاں کو دس ہزار سواروں کی جمعیت میں روانہ کیا تاکہ دریائے چنبل کے گھاٹ پر قبضہ کر لیں۔ یہ دکھانے کے لئے کہ وہ فرار کرنے والا ہے اس نے سونا لادنے کے لئے خچروں اور اونٹوں کو اکٹھا کیا اور اس بات کی افواہ گرم کر دی۔

یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ کتنا بہادر ہے فدائی خاں نے مجوزہ مقام پر ڈیرہ ڈالنے کے بعد بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ اب وہ مطمئن ہو جائے، اس لئے کہ اگر ایک آدمی بھی فوج میں باقی ہے تو شاہ عالم کو آگے نہ بڑھنے دیا جائے گا۔ بالفرض اگر کوئی تباہی ہوئی تو بھی بادشاہ سلامت کے پاس اتنا وقت ہو گا کہ وہ جہاں چاہیں جا سکیں۔ فدائی خاں بہادر سپاہی تھا لیکن اس نے یہ سب محض اس لئے کیا کہ بادشاہ کی خوشنودی حاصل کر سکے۔ اسے اس معاملے کی اصلیت کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور تھا۔

اورنگ زیب نے خوفزدگی کا مظاہرہ اس لئے کیا کہ اس معاملے سے شیواجی کی دلچسپی بڑھ جائے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ اگر اتنے جعل فریب سے تیر نشانہ پر مارنا ہو تو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اپنی فطری معاملہ فہمی اور اب تک کے تجربے کی بنا پر اور دولت و طاقت حاصل کرنے کے مقاصد کی تکمیل کے بعد شیواجی نے اس چالاک لومڑی کا اس طرح مذاق اڑایا کہ اب شاہ عالم سے ملنے کی بجائے اس نے اُسے یہ لکھا کہ چونکہ اورنگ زیب کے پاس محض دس ہزار سوار ہیں جبکہ تمہارے پاس

ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ سپاہی ہیں اس لئے اس مہم پر تم اکیلے ہی جا سکتے ہو۔ اس میں کامیابی حاصل کرنا بہت آسان ہے۔ اس دوران میں، میں یہ خیال رکھوں گا کہ دکن پر کوئی حملہ نہ کرے اور ساتھ ہی یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس مالیہ سے زیادہ وصول نہ کروں گا جو اورنگ زیب نے جب وہ دکن کا صوبیدار تھا میرے لئے منظور کیا تھا۔

اس جواب سے شاہ عالم پر بجلی ٹوٹ پڑی۔ اس نے فوراً بادشاہ کو مطلع کیا۔ لیکن اپنی مستعدی دکھانے کے لئے اس نے پیش قدمی جاری رکھی۔ مزید براں وہ شیواجی کو خط پر خط لکھتا رہا اور التجا کرتا رہا کہ وہ اس نازک موقع پر اس کا ساتھ نہ چھوڑے، اس لئے کہ محض اس کی رائے سے اس نے اس معاملہ میں عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اب اگر اس نے اس کی مدد نہ کی تو اس مہم کو سر کرنا ناممکن ہو گا۔ حق یہ ہے کہ شیواجی کے علاوہ اگر کوئی اور ہوتا تو وہ اس جال میں پھنس جاتا لیکن شیواجی اپنی اس بات پر اڑا رہا کہ وہ مغل فوج سے بجز اس کے کہ ہاتھ میں تلوار ہو اور وہ لڑنے کے لئے بالکل تیار ہو، اور کسی طور ملنا نہ چاہتا تھا۔ اس نے محض یہ جواب دیا کہ شاہزادے کو آگے بڑھ کر جنگ کرنی چاہیئے اور اگر بدقسمتی سے اسے کوئی نقصان پہنچے تو وہ اپنے دوست پر ہمیشہ بھروسہ کر سکتا ہے۔

جن سرداروں نے عہدناموں پر دستخط کئے تھے انہوں نے شاہ عالم پر زور دیا کہ وہ ان کا ساتھ نہ چھوڑے نہ ہی بادشاہ کو اتنا موقع دے کہ وہ فوج جمع کر سکے۔ اس طرح اس یقین کے ساتھ کہ انھیں فتح ہو گی اور نیا بادشاہ ملے گا، انہوں نے پیش قدمی جاری رکھی۔

جب اورنگ زیب کو یقین ہو گیا کہ اس کی سازش ناکام ہو گئی ہے اور اب شیواجی کو دھوکا دینا ناممکن ہے، اور اسے یہ خوف بھی ہوا کہ سرداروں بالخصوص راجہ جسونت سنگھ کے نذر رہنے سے کہیں جھوٹ حقیقت میں نہ بدل جائے، تو اورنگ زیب نے ایک سردار عبدالجعفر کو بھیجا۔ اس کو یہ حکم تھا کہ وہ ایک ہاتھ سے شاہ عالم کے گھوڑے کی لگام پکڑے اور دوسرے سے اس کے ہاتھ میں خط تھمائے ساتھ ہی کڑک دار آواز میں یہ کہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا یہ حکم ہے کہ وہ جہاں سے آیا ہے وہاں واپس جائے اور ایک قدم آگے نہ بڑھائے۔

ان الفاظ کو سن کر شاہ عالم پر خوف طاری ہوا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا اور اب اس نے شجاعت کے بجائے پریشانی کا مظاہرہ کیا اور برہان پور اور اورنگ آباد کی جانب چلنے کا حکم دیا۔

اب قاری اس خوف اور پریشانی کا خود اندازہ کر سکتا ہے جو سرداروں کو لاحق ہوئی۔ سب کے سب غدار ثابت ہو چکے تھے بجز دلیر خاں کے کہ جس نے شاہ عالم کی پیشکش کو قبول نہیں کیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ سب بہت پریشان ہوئے یہ جانتے ہوئے کہ جب اورنگ زیب ان غداروں کو نہ بخشتا تھا جو اس کے لئے سود مند تھے تو وہ بھلا انہیں کیسے معاف کر سکتا تھا جو اُسے تخت سے اتارنے پر تُل گئے تھے۔

شیواجی کے خلاف پھر سے جنگ شروع ہو گئی مگر چونکہ اورنگ زیب کا اعتبار سرداروں پر سے اُٹھ گیا تھا لہذا انہیں وہاں سے ہٹا کر اس نے دوسرے سرداروں کو مقرر کیا۔ دیگر سرداروں کے علاوہ اس نے بہادر خاں کو بھی بھیجا۔ جن سرداروں کو ہٹایا گیا انہیں دوسرے مقامات پر نائبین سلطنت اور صوبیداروں کی حیثیت سے تعینات کیا گیا، اور جب تک وہ زندہ رہے اورنگ زیب انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا رہتا۔ راجہ جسونت سنگھ کو دریائے سندھ کے پار بھیجا گیا۔ راجہ نے اس تبادلہ پر بہت ناک بھوں چڑھائی لیکن حکم عدولی اس ڈر سے نہ کی کہ کہیں اورنگ زیب اس پر حملہ کر کے اس کا گھر بار نہ اجاڑ دے۔ بہادر خاں کو شیواجی کے خلاف مہمات کی نگرانی سپرد کر کے شاہ عالم اورنگ آباد چلا گیا۔ نئے سپہ سالار کو اورنگ زیب کا حکم یہ تھا کہ وہ صوبہ دکن کو شیواجی کی لوٹ مار سے بچائے اور بیجاپور پر حملہ کرے۔ اورنگ زیب یہ بات جانتا تھا کہ جب تک وہ بیجاپور کو فتح نہ کرے شیواجی کو تباہ نہ کر سکتا تھا۔ مگر ان مہمات کا ذکر میں بعد میں کروں گا تاکہ زمانی تسلسل برقرار رہے۔

ہندو سادھوؤں کی ایک قسم وہ ہے جو اپنے تمام جسم کے بال منڈا دیتے ہیں یہاں تک کہ پلکوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اسی سبب سے انہیں منڈا کہتے ہیں۔ یہ لوگ ہر چہار جانب سے دلی سے چالیس میل دور ایک مقام پر یاترا کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ سنان کے دن ان کی تعداد تقریباً پچیس ہزار ہو جاتی ہے۔ سنان ایک بہت بڑی جھیل میں ہوتا ہے جو راجہ جے سنگھ کے چھوٹے بیٹے کرت سنگھ کی ریاست سے ملی ہوئی ہے۔ سنان ختم ہوا تو ایک بوڑھی جادوگرنی نے اعلان کیا کہ اگر تم سب میرا حکم مانو تو میں تمہیں دلی شہر پر قابض کرا دوں گی۔ اس وقت بادشاہ کے پاس دس ہزار سواروں سے زیادہ نہیں ہیں کیونکہ اس کی ساری فوج شاہ عالم کے ساتھ شیواجی کے خلاف

عم پڑ گئی ہے۔

انھوں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور اتنی تیزی سے دِلّی کی سمت کوچ کیا کہ جب یہ خبر دربار میں پہنچی تو اورنگ زیب پریشان ہو گیا۔ اس نے ان کے خلاف اپنے دس ہزار سوار بھیجے۔ "منڈوں" نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا۔ بڑھیا نے اپنے جادو کے بل پر انھیں جمائے رکھا یہاں تک کہ اورنگ زیب کی فوج شکست کھا گئی۔ اس تجربہ سے وہ پہلے کی بہ نسبت اور زیادہ پریشان ہوا۔ وہ دِلّی سے پندرہ کوس کے فاصلے تک پہنچ چلے تھے کہ اورنگ زیب نے جتنی فوج وہ اکٹھی کر سکتا تھا۔ اُسے ان کے مقابلے پر روانہ کیا۔ جو کچھ ہو رہا تھا اس کی اطلاع اُسے لحظہ بہ لحظہ بھیجی جاتی تھی۔ لیکن وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ لوگ جادو کی مدد کے بغیر اتنی بڑی کوشش نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے اس نے خود بڑی جانفشانی سے بہت سے تعویذ لکھے اور حکم دیا کہ انھیں ہاتھیوں اور گھوڑوں کے سروں پر اور جھنڈوں سے باندھ دیا جائے۔

ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو میرے اس بیان پر شک ہو لیکن یہ تو مورخوں کی تقدیر ہے کہ بہت سے لوگ ان پر یقین رکھتے ہیں اور بہت سے نہیں رکھتے۔ میں یہ بات ایمانداری سے کہتا ہوں کہ اگر حقائق یہ نہ ہوتے تو میں کبھی نہ لکھتا۔ نہ ہی قاری کو اس بات پر تعجب ہونا چاہیے کہ اورنگ زیب اس قسم کی حرکت کرتا تھا۔ وہ خود جادو ٹونے کا ماہر ہے جیسا کہ مرچوں سے نظر اتارنے کا عمل جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ اگر اس نے جانفشانی سے کام لیا تو یہ معاملہ کی اہمیت کے باعث تھا، یوں کہ یہ مسئلہ تخت کھونے اور جان گنوانے کا تھا۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اورنگ زیب نے جو خطرہ اس وقت محسوس کیا، ایسا خطرہ اس کی بقیہ زندگی میں کبھی پیدا نہ ہوا۔ اس لئے کہ اس کے پاس بہت کم فوج تھی۔ ان تعویذوں کی قوت نے "منڈوں" کی قوت سلب کر دی اور ایک جنگ سر کر لینے کے بعد بوڑھیا کے زور دینے پر بھی انھوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اورنگ زیب کے جادو نے بوڑھی عورت کے جادو کو دبا لیا اور "منڈوں" کے سر اُڑ گئے۔ بڑھیا سمیت تقریباً تمام کے تمام مارے گئے۔ اس کے بعد اورنگ زیب کی شہرت بحیثیت ولی اللہ بڑھ گئی، گویا معجزے کے ذریعے اس نے ان فقیروں کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ جب میں دِلّی میں وارد ہوا جس کا تذکرہ میں کرنے والا ہوں تو میں نے دیکھا کہ توپیں ابھی تک میدان میں نصب ہیں۔

باب نہم

گوا میں میرا قیام ایک برس تین ماہ رہا۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں کی آب و ہوا چالیس سال سے اوپر کے لوگوں کو تو موافق آتی ہے۔ مگر نوجوانوں کے لئے نہایت مضر ہے پس یہاں آنے کے چند ماہ بعد میں بیمار ہو گیا اور پھر پہلی تندرستی کو دوبارہ نہ پا سکا۔ اس لئے میں اطالوی کارملی راہبوں کے گرجا میں منتقل ہو گیا جہاں مجھے خوش آمدید کہا گیا اور بیماری کے دوران میں چھ ماہ تک مجھ پر کافی توجہ دی گئی۔

میں گوا کو خیر باد کہنے کے لئے بیتاب تھا لیکن میں عام کپڑوں میں ایسا نہ کر سکتا تھا (گوا کے حاکم نے گوا سے باہر نکلنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔) اس لئے میں کارملی راہب کے بھیس میں باہر نکلا یہاں تک کہ میں گوا کے ضلع سے باہر نکل آیا اور بیجاپور کی ان حدود میں داخل ہوا جن پر شیواجی نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں نے اپنے معمولی کپڑے پہن لئے اور خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

دریائے بھیما کے قریب بیجاپور کی سرحدوں میں آتے ہوئے میں نے موضع پندھر پور میں رات گذاری۔ وہاں پہنچ کر مسافروں کے رواج کے مطابق بازار کی ایک کھلی ہوئی دوکان میں

قیام کیا بعض گذرنے والوں نے کہا کہ میری کمر کا پٹکا موتیوں کے باعث مُڑ چڑ گیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں تو ایک غریب مسافر ہوں۔ اس رات اللہ نے مجھ پر رحم کیا۔ آدھی رات کے قریب گاؤں میں ڈاکو گھس آئے اور انہوں نے پتھر پھینکنے شروع کئے جس پر میں اندر چھپ گیا اور اپنے ساتھ اپنے ملازم لڑکے کو بھی اندر گھسیٹ لے گیا جسے میں اپنے ساتھ لایا تھا اور اس طرح میں نے اُسے موت سے بچا لیا۔ وہ اندر تو نہیں آئے لیکن بآواز بلند مجھ سے یہ کہا کہ جو کچھ میرے پاس ہے میں اُسے باہر پھینک دوں۔ ساتھ ہی انہوں نے دروازے کو برچھیوں سے چھیدنا اور تلواروں سے کاٹنا شروع کیا۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں غریب آدمی ہوں اس لئے میرے پاس باہر پھینکنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ خوف سے میری ایسی گھگی بندھی تھی کہ منہ سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہوتا تھا۔ مجھے پچھلی شام کا واقعہ یاد آیا جب کسی نے مجھے یہ کہا تھا کہ میری کمر کے پٹکے میں موتی بھرے ہیں اور مجھے یہ لگ رہا تھا کہ وہ لوگ میرے قتل پر آمادہ ہیں۔ اس لئے میں نے دو زنجیریں باہر پھینکیں جس میں سے ہر ایک تقریباً پچاس روپے قیمت کی ہوگی۔ اس پر وہ لوگ بھاگ گئے اور بھاگتے بھاگتے بازار کو لوٹتے اور لوگوں کو قتل کرتے گئے، یوں سارے گاؤں کو بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

دوکان میں خود کو محفوظ نہ سمجھتے ہوئے میں وہاں سے چل پڑا اور گلیوں کو پار کرتا ہوا ایک مکان پر پہنچ کر رک گیا۔ دروازہ کھلا دیکھ کر میں اندر داخل ہوا اور چند زینے چڑھ کر سائبان میں پہنچا۔ یہاں میں نے خود کو محفوظ سمجھا مگر مالک مکان جس نے گاؤں کا شور و غل سنا تھا اپنے کمرے سے ڈھال تلوار لے کر نکلا۔ مجھے دیکھ کر اس نے بڑی ترش روئی سے مجھے نکل جانے کا حکم دیا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں مسافر ہوں اور بازار سے بھاگ کر آیا ہوں جہاں چوروں نے مجھے لوٹ لیا اور دروازہ کھلا دیکھ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں آ گیا ہوں۔ اس بات کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے مجھے باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ یہی بہت تھا کہ اس نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، ورنہ اس کی پہلی گفتگو سے تو میں یہی سمجھا تھا کہ جس کام کا آغاز ڈاکوؤں نے کیا اس کا انجام یہاں ہوگا۔

اب میں ایک مندر کے در پر پہنچا جہاں اور بہت سے آدمیوں نے سڑکوں پر تیروں کی بوچھاڑ اور ہر چہار جانب تلواروں کی باڑھ سے پناہ لی تھی۔ وہاں بھی مجھے آسانی سے پناہ نہ ملی۔ وہاں ایک برہمن نے مجھے ٹھہرنے نہ دیا اور دھکا دے کر باہر نکالنے لگا۔ جلد ہی خدا نے اس کی ہیر پھیر

کا بدلہ لیا کیونکہ جب وہ مجھے دھکا دے رہا تھا اسی اثنا میں ایک تیر اس کے پیروں میں لگا اور مجھے اس سے نجات مل گئی۔ لیکن میں پہلی دوکان میں نہ گیا اس لئے کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں چور پھر نہ آ جائیں۔ اب آپ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں نے کتنی پریشانیوں میں رات گذاری۔ علی الصبح بہت زیادہ تکلیف محسوس کرتے ہوئے میں نے لونگ چبائی پھر تھوڑا سا گرم پانی پیا۔ اس کے بعد مجھے قے ہوئی جس میں خونی بلغم خارج ہوا اور مجھے اس سے سکون ملا۔

اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے میں اس مقام پر پہنچا جہاں سے دریا پار کرتے ہیں۔ یہ دریا خاصا چوڑا تھا مگر یہاں کشتیاں نہ تھیں۔ میں نے لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھ کر جو چار ہانڈیوں پر بندھا ہوا تھا، دریا پار کیا۔ اس کے بعد میں مغل سلطنت کی حدود میں پانڈا کے مقام پر پہنچا۔ یہاں مجھے بھکر کے قلعے کے دوست مل گئے۔ انہوں نے میری غربت پر رحم کھاتے ہوئے، میری مہمان نوازی کی، روپے کپڑے اور گھوڑے سے میری مدد کی جس پر سوار ہو کر میں نے اپنا سفر جاری رکھا اور اورنگ آباد پہنچ گیا۔

وہاں سے میں آگرے پہنچا جیسوئٹ پادریوں سے ملا اور انھیں گوا کے حالات سے آگاہ کیا۔ میں وہاں زیادہ مدت نہ ٹھہرا اور دلّی روانہ ہو گیا۔ یہاں پہنچتے ہی بہتیری عورتوں نے مجھ سے شادی کی پیشکش کی اور مجھے کپڑے، روپے اور کھانے پینے کی چیزوں کے تحفے بھیجے ایک نے تو مجھے پچاس اشرفیاں، ایک گھوڑا اور کپڑوں کے لئے خوبصورت تھان بھیجے۔ میں راجہ جے سنگھ کے چھوٹے بیٹے کرت سنگھ کی ملاقات کو گیا۔ اس محبت کی یاد میں جو اس کے باپ کو مجھ سے تھی، اس نے بھی مجھ سے وہی لگاؤ جاری رکھا۔ ایک خلعت اور دو گھوڑے مجھے بخشے۔ پانچ روپے میرے روزینے کے لئے مقرر کئے اور ایک خوبصورت مکان مجھے رہنے کو دیا۔ وہ لوگ جو میری خوش قسمتی سے حاسد تھے اور جو مجھ سے یہ چاہتے تھے کہ چونکہ میری کوئی ملازمت نہیں ہے اس لئے میں ضرورت کے تحت اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے ان سے درخواست کروں، انھیں مجھے اچھے کپڑوں میں، گھوڑوں اور ملازموں سمیت دیکھ کر سخت اچنبھا ہوا۔ کوئی اجنبی شخص جس کی کوئی ملازمت نہیں ہوتی اس ملک میں بڑی مصیبت و پریشانی میں ہی گذارا کر سکتا ہے۔

دلّی پہنچ کر مجھے علم ہوا کہ محض تھوڑی مدت پہلے ہی بادشاہ نے تمباکو کا محصول ختم کیا تھا جس

کا سبب ایک خوفناک واقعہ تھا۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ چنگی اور محصول وصول کرنے والے نہایت بے شرم اور بے سلیقہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کسی با عزت آدمی کو نہیں بخشتے بجز ان کے جو اعلیٰ منصب پر فائز ہوں بالخصوص مسلمان، جو بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں۔ ہُوا یوں کہ ایک سپاہی جو بہت پرہیزگار آدمی تھا، اپنی بیوی کو پردے دار گاڑی میں لئے جیسا کہ مسلمانوں کا طریقہ ہے، شہر میں داخل ہوتا جاتا تھا۔ محصول وصول کرنے والے ایک کارندے نے اُسے روکا اور پوچھا کہ کیا اس کے پاس تمباکو ہے۔ مسلمان کثرت سے تمباکو نوشی کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ چنگی کا ٹھیکیدار محض اس شہر کے لئے پانچ ہزار روپے روزانہ ادا کرتا تھا۔ قاری اس بات سے یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ بادشاہِ ہندوستان کو پوری مملکت سے کتنا محصول وصول ہوتا ہوگا۔

سپاہی نے جواب دیا کہ میں پرہیزگار آدمی ہوں اور تمباکو نہیں پیتا۔ نہ تو مجھے اور نہ میری بیوی کو جو گاڑی میں بیٹھی ہے تمباکو پینے کا شوق ہے اور اس کے لئے تم میری بات پر اعتماد کرو۔ محصول وصول کرنے والے کو یقین نہ آتا تھا اور اس نے گاڑی کی تلاشی لینی چاہی۔ سپاہی نے اس امر کی اجازت نہ دی کیونکہ وہ بیوی کو بے پردہ نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر تم نے یہ بے حرمتی کی تو تمہیں پچھتانا پڑے گا۔ چنگی وصول کرنے والے نے ایک لفظ نہ سنا اور پردہ ہٹا دیا تاکہ تلاشی لے سکے۔ سپاہی نے تلوار کھینچی اور اس شخص کا سر اُڑا دیا اور ساتھ ہی بہت سے اور لوگوں کو زخمی کیا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اپنی بیوی کو اور ایک لڑکی کو جو اس کے پاس تھی قتل کر دیا۔ اُسے پکڑ کر جیل خانے لے جایا گیا اور بادشاہ کے پاس شکایت ہوئی۔ سپاہی کا بیان سن کر بادشاہ نے محصول اُٹھا دیا اور سپاہی کے غصے پر رحم کھاتے ہوئے اُسے چھوڑ دیا۔ مسلمانوں میں بیوی کا بے پردہ ہونا سخت توہین سمجھا جاتا ہے۔ اس واقعے کے بعد تمباکو مہنگا نہ رہا اور اسی سبب سے بہت سے تاجروں کا بڑا نقصان ہُوا مگر بادشاہ کے اس عمل سے غریبوں کو فائدہ پہنچا۔

دلی میں ایک برس میں نے شان و شوکت سے گزارا اور عزت سے روزی کمائی۔ بادشاہ کے حکم سے کرت سنگھ کا تبادلہ کابل ہو گیا۔ اب میں نے یہ طے کیا کہ لاہور جاؤں اور خود کو طبیب مشہور کر دوں۔ میں دلی میں یہ کام شروع نہ کر سکتا تھا اس لئے کہ یہاں پہلے ہی کئی یورپی موجود تھے جبکہ لاہور میں کوئی نہ

تھا۔

لاہور پہنچ کر مجھے علم ہوا کہ محمد امین خان وہاں کا صوبیدار ہے۔ اورنگ زیب نے اُسے اپنا نائب مقرر کرنے کے وعدے کو پورا کیا تھا۔ جیسے ہی میں لاہور پہنچا میں نے اپنے خوبصورت قالینوں اور دیگر ساز و سامان کے ہمراہ اس وقت تک کے لئے سرائے میں قیام کیا جب تک کہ مجھے کوئی مناسب مکان نہ ملے۔ میں نے برقندازخاں کا مکان کرائے پر لے لیا جو دارا کی فوج میں میرا سردار تھا، اور اپنے ملازموں کو ہدایت دی کہ اگر کوئی پوچھے تو مجھے فرنگی طبیب بتائیں۔ اس طور سے بہت سے لوگ مجھ سے ملنے آئے۔ ان کے لئے میرے پاس لفظوں کی کوئی کمی نہ تھی یوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیزی و طراری میری سرشت میں ہے۔ پس لاہور میں یہ شہرہ ہو گیا کہ یہاں ایک فرنگی طبیب آیا ہے جو نہایت خوش اخلاق، رطب اللسان اور تجربہ کار ہے۔ اس شہرت سے میں بہت خوش ہُوا لیکن میرا دل دھڑکتا تھا اس لئے کہ اس وقت تک مجھے کوئی تجربہ نہ تھا۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے جو ہم سب کا مالک ہے اپنی شانِ خداوندی سے ایک ایسا علاج میرے سپرد کیا کہ میرے لئے کامیابی کی راہ نکل آئی۔

جس مکان میں میں مقیم تھا وہاں ایک بوڑھی عورت مجھ سے ملنے آئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ قاضی کی بیوی سخت علیل ہے اور سارے ہندوستانی اور ایرانی طبیبوں نے اُسے جواب دے دیا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ التجا کی کہ میں قاضی کے گھر جا کر اس کی عورت کو دیکھوں کہ آیا اس کا کوئی علاج ممکن ہے یا نہیں، اس لئے کہ تمام اطبا یہ کہہ چکے تھے کہ اگر کوئی شخص اس کا علاج کر دے تو وہ اپنی تمام کتابیں جلا دیں گے اور اس شخص کے شاگرد ہو جائیں گے۔ میں نے اس عورت کی بیماری کے متعلق بڑھیا سے چند سوالات کئے اور اس سے کہا کہ گو بیماری جان لیوا ہے مگر میں یہ دیکھوں گا کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ میں نے بڑھیا کو یہ کہہ کر واپس بھیجا کہ وہ چلے اور میں آتا ہوں۔

میں اپنے ملازموں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر قاضی کے گھر پہنچا۔ گھر میں داخل ہو کر میں نے مریض کی نبض دیکھی۔ علالت شدید تھی اور نبض کا پتہ نہ چلتا، نہ ہی میں بیماری کی تشخیص کر سکتا تھا۔ اب میں نے چند ایسے نسخوں پر بھروسہ کیا جن کے بارے میں مجھے کچھ معلومات تھیں اور پھر اپنے سوالات پر۔ میں دل میں یہ سوچتا رہا کہ کوئی ایسی چیز یاد آئے جو میں مریض کو مرض کے افاقے کے لئے دوں۔ میں نے دریافت کیا کہ مریض کو اجابت ہوئی ہے یا نہیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ کئی دن گذر گئے اور اسے اجابت

نہیں ہوئی ۔ مجھے اپنا علاج شروع کرنے کے لئے یہ کافی تھا، اور میں نے اس بڑھیا سے کہا کہ اب صرف یہ صورت ممکن ہے کہ مریض کو حقنہ دیا جائے ۔ بڑھیا اور مریض کا بیٹا دونوں ہی اس کے خلاف تھے ۔ میں نے ان سے کہا کہ قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ ضرورت کسی قانون کو نہیں مانتی پس وہ میرے اس علاج پہ متفق ہوگئے ۔ میں نے بڑھیا سے کہا کہ چند گھنٹوں کے بعد میرے گھر آئے اور میں اسے وہ مطلوبہ چیزیں دوں گا جن کا استعمال کرنا ہے ۔

میں اس گھر سے چلتے وقت سب پر بہت سے سوالات اور جامع گفتگو سے ایک تاثر چھوڑ آیا۔ مگر اب وہ وقت آیا کہ میاں نکولاؤ مانوچی مخمصہ میں پھنس گئے ۔ مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ دوا میں کون کون سے اجزا استعمال کروں اور دوا کو اندر پہنچانے کے لئے کون سا اوزار ہو گا ۔ بہت غور و خوض کے بعد مجھے یاد آیا کہ گوا میں مجھے جو حقنہ دیا گیا تھا وہ جنگلی کاسنی، بھیری اگر، نمک، روغن زیتون اور دیگر بوٹیوں سے بنا تھا ۔ میں نے یہ چیزیں منگائیں اور ان سے ایک مرکب تیار کیا ۔ اب ضرورت اوزار کی تھی ۔ اس کے لئے میں نے گائے کا تھن منگوایا ۔ اور نلکی کے لئے حقے کے بید کا ٹی جس سے مسلمان تمباکو پیتے ہیں ۔ میں نے ان سب کو مناسب طور پر جمع کیا ۔ دوا کو تھن میں ڈالا اور اس کے ساتھ نلکی کو باندھ دیا ۔ تب وہ بڑھیا آئی اور میں نے اسے یہ سامان دیا اور اُسے ترکیب استعمال بتائی ۔ میں نے اُسے ہدایت کی کہ جب وہ اُسے استعمال کر چکے تو مجھے اطلاع دے ۔

میں نے اسے کہہ دیا کہ اگر تین گھنٹے کے اندر اندر یہ حقنہ اثر نہ دکھائے تو مریض کی زندگی کی کوئی امید نہیں ۔ یہ کہنا میرے لئے ضروری تھا، اس لئے کہ اگر واقعی مریض مرجائے تو مجھے یہ کہنے کو ہو کہ میں نے تو اس بات کی پیشین گوئی پہلے ہی کر دی تھی ۔ میری اپنی شہرت کی بقا کے لئے یہ بات ضروری تھی ۔ بڑھیا چلی گئی اور اب مجھے اس بات کا دھڑکا لگا کہ خدا جانے میری دوا کا کیا اثر ہوتا ہے ۔ جلد ہی میں نے کسی کو اپنا دروازہ کھٹکھٹاتے سنا جیسے کوئی بہت جلدی میں ہو ۔ اب میری پریشانی دونی ہو گئی کہ کہیں یہ مریض کے مرنے کی خبر نہ ہو جس کی بنا پر میری وہ شہرت ختم ہو جائے گی جس کی مجھے تلاش تھی ۔ مسلمانوں کی تو یہ عادت ہے کہ کسی کو بآسانی بام شہرت پر پہنچا دیتے ہیں اور اتنی ہی آسانی سے اُسے نیچے گھسیٹ لیتے ہیں ۔ شروع شروع میں اچھا علاج نام آوری کے لئے کافی ہوتا ہے گو یہ محض اتفاق ہی کیوں نہ ہو ۔ اس کے برخلاف اگر پہلے ہی علاج میں ناکامیابی ہو تو خواہ طبیب کتنا ہی لائق

اور تجربے کار کیوں نہ ہو، اس کی شہرت پر ہمیشہ کے لئے بٹہ لگ جاتا ہے۔

میں نے دروازہ کھلوایا۔ بڑھیا میرے پیروں پر گر گئی اور مجھے دعائیں دینے لگی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ مریض کو بہت افاقہ ہے۔ اسے کھل کر اجابت ہوئی ہے جس میں اتنے سخت سخت ڈھیلے گرے ہیں جیسے اُونٹ کی مینگنیاں۔ پس اس نے مجھ سے یہ التجا کی کہ میں فوراً قاضی کے گھر جا کر مریض کو دیکھوں اور علاج جاری رکھوں۔ اس خبر پر نازاں و فرحاں، میں نے اس سے کہا کہ یہ بہت ضروری ہے کہ تجربہ کار طبیبوں پر ہی اعتماد کیا جائے، اس لئے کہ اگر میں یہ دوا نہ دیتا جو میں نے ان اجزا سے بنائی تھی جو محض میں ہی جانتا ہوں تو مریض یقیناً مر جاتا۔ میں مریض کو دیکھنے گیا اور پتہ چلا کہ اس نے گفتگو کرنی اور حاضرین کو پہچاننا شروع کر دیا ہے۔ اب وہ پہلے کی نسبت بہت بہتر تھی اس لئے کہ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ وہ نہ تو کسی کو پہچانتی تھی اور نہ گفتگو کرتی تھی۔ میں نے یہ بہتر سمجھا کہ اُسے اور اجابت ہو پس میں نے اُسے ایک ہلکی دوا دی جس کے چند روزہ استعمال سے پیٹ ٹھیک ہو گیا۔ تب میں نے چوزے کی یخنی اور بے زور پتھر کی مدد سے مریض کو اس طرح طاقت پہنچانی شروع کی کہ چند ہی دنوں میں وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو گئی۔

لاہور کے مشاہیر میں اس علاج کا بڑا چرچا ہوا۔ چونکہ قاضی اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اس لئے اس نے تمام طبیبوں کو اس کے علاج کے لئے طلب کیا تھا۔ اس طرح یہاں اس فرنگی طبیب کے متعلق باتیں ہونے لگیں جو مردے کو بھی از سر نو زندہ کر سکتا تھا۔ یوں مجھے بہت سے مریضوں کو دیکھنے کے لئے بلایا گیا اور ان کتابوں کی مدد سے جو میرے پاس تھیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میں تقریباً ان تمام مریضوں کو شفا بخشنے میں کامیاب ہو گیا جن کے لئے مجھے طلب کیا گیا تھا۔

میری شہرت صوبہ لاہور کے صوبیدار اور شہر لاہور کے حاکم محمد امین خاں کے دربار تک پہنچ گئی۔ اس نے مجھے طلب کیا اور بیماریوں اور صحت کے موضوع پر ایک طویل گفتگو کرنے کے بعد مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں اس کی ملازمت اختیار کر لوں۔ تنخواہ تھوڑی رکھی مگر آزادی زیادہ دی۔ مگر میں اس شخص کے رویوں سے واقف تھا۔ وہ اپنے باپ میر جملہ کی طرح نہایت خشک اور بد دماغ تھا۔ پس میں نے اس سے کہا کہ جہاں تک نوکری کا سوال ہے مجھے منظور نہیں البتہ جب کبھی میری ضرورت خواہ آپ کو خواہ آپ کے خاندان کو ہو میں فوراً محل میں خدمت کے لئے حاضر ہوں گا۔ میرے

اس جواب سے وہ کسی قدر ناراض ہوا لیکن میں نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی اس لئے کہ شہر کے عمائدین سے میری دوستی تھی اور خدا کی مہربانی سے میری طبابت اچھی چل رہی تھی اس لئے میں یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر محمد امین خاں مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو بھی اس کی ہمت نہ پڑے گی۔ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے گا جس سے دیگر روساء کو یہ موقعہ ملے کہ وہ دلی دربار کو اس کی شکایت بھیجیں، اس کے برخلاف گو اُسے اس بات کا افسوس تھا کہ میں اس کے دربار میں حاضر نہیں ہوتا مگر وہ ناراض نہ ہوا کیونکہ وہ یہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی بچوں کے علاج کے لئے میں کارآمد ثابت ہوں گا۔

پیشتر اس کے کہ میں ان واقعات کا بیان کروں جو میری طبابت کے دوران میں رونما ہوئے، ان واقعات کا بیان ضروری ہے جو مملکت میں ظہور پذیر ہوئے تاکہ میں زمانی تسلسل کو قائم رکھ سکوں۔ حتی الامکان میں ان تمام واقعات پر نگاہ رکھتا ہوں تاکہ قاری کو وہ تاریخیں معلوم ہو سکیں جن میں وہ تمام باتیں وقوع پذیر ہوئیں۔ ۱۶۷۲ء میں ایک شہزادہ جس کا نام اسلام خاں تھا چھ سو عرب سپاہیوں کی معیت میں، جن میں اکثر کے پاس عمدہ گھوڑے تھے، بصرے سے یہاں وارد ہوا۔ شہزادہ اس لئے بھاگا تھا کہ وہاں کے حاکم نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس سزا کا سبب مجھے نہیں معلوم۔ جب وہ یہاں آیا تو اس کے پاس موتیوں کی شکل میں کافی دولت تھی۔ اورنگ زیب کی یہ خواہش تھی کہ اُسے سلطنت کا حامی بنائے اس لئے اس نے اپنی بھتیجی، مراد بخش کی بیٹی کا عقد اس شخص کے بیٹے سے کرنا چاہا۔ لیکن اسلام خاں نے اس رشتہ کو پسند نہ کیا۔ اس کے انکار کے بعد اورنگ زیب نے جو ریاکاری سے کام لینا جانتا تھا اس کی اور اس کے بیٹے کی اعلیٰ تنخواہ مقرر کی اور اس کے ساتھ ہی اس سے غداری کا منصوبہ بھی بنا لیا۔ اس نے اُسے بیجاپور کے خلاف جنگ پر روانہ کیا اور خفیہ طور پر بہادر خاں کو جس کے تحت اسے لڑنا تھا، یہ کہلایا کہ کسی لڑائی میں اُسے اپنے چھوٹے سے دستے کے ساتھ تنہا چھوڑ دیا جائے اس طرح شرزا خاں نے (جو بیجاپور کی فوج کا ایک سردار تھا) اُسے اور اس کے بیٹے کو ختم کر دیا۔ اورنگ زیب نے کبھی بھی ایسے شخص کو معاف نہ کیا جو اس کی مرضی کے خلاف عمل کرے۔

یہ سال (۱۶۷۳ء) شادیوں کا سال تھا۔ اسی سال اس لڑکی (مراد بخش کی بیٹی) کی شادی بلخ کے ایک پیرزادے سے ہوئی۔ اسی سال اورنگ زیب نے اپنی دو بیٹیوں کی شادیاں کیں —— ایک کی شادی دارا کے بیٹے سے اور دوسری کی شادی مراد بخش کے بیٹے سے۔ اس نے خوبصورت جانی بیگم کی شادی

سلطان اعظم سے کی جسے اس موقع پر اعظم تارا کا خطاب ملا۔ اپنی پیاری بھتیجی کی رخصت پر بیگم صاحبہ نے کچھ موتی آنکھوں سے نکالے اور ان کے ساتھ پیارے پیارے موتیوں اور خوبصورت زیورات کا اضافہ کیا۔ شادی کے بعد اورنگ زیب نے شاہزادے اعظم تارا کو بنگال کا صوبیدار مقرر کیا۔

اگر یہ برس شادیوں کے باعث مسرت انگیز تھا تو یہ ان واقعات کے باعث غمناک بھی تھا جو روشن آرا بیگم کی اقامت گاہ میں واقع ہوئے۔ انھوں نے اپنی دلچسپی کے لئے نو نوجوانوں کو محلسرا میں چھپا رکھا تھا۔ اس اعلیٰ کارکردگی کا سراغ اورنگ زیب کی بیٹی فخر النسا بیگم نے لگایا۔ یہ خاتون ویسے تو شادی سے کوئی دلچسپی نہ رکھتی تھی مگر وہ اپنی تسلی کے مواقع بھی نہ کھونا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے پھوپھی سے درخواست کی کہ کم از کم ان نو نوجوانوں میں سے ایک اُسے مل جائے۔ روشن آرا بیگم نے ضد کے باوجود اپنی بھتیجی کی درخواست قبول نہ کی۔ حسد کے جذبہ کے تحت لڑکی نے اپنے باپ کو یہ بتا دیا کہ روشن آرا بیگم کی اقامت گاہ میں کیا کچھ چھپا ہے۔ احتیاط کے ساتھ تلاشی ہوئی تو وہ نوجوان برآمد ہوئے جو خوش پوش اور خوش شکل تھے۔ دنیا کو یہ بتایا کہ وہ چور ہیں اور انھیں شعبۂ جرائم کے سپرد کر دیا گیا۔ احکامات کے مطابق کوتوال سیدی فولاد نے انھیں مختلف طریقوں سے ایک ماہ کے اندر اندر ختم کر دیا۔ اپنی بہن کی نازیبا حرکت پر ناراض ہو کر اورنگ زیب نے اس کی زندگی کو زہر کے ذریعے مختصر کر دیا۔ پس ان تمام باتوں کے باوجود جو اس نے اپنے بھائی کو بادشاہ بنانے کے لئے کیں اسے خود اس کے ظلم کا تجربہ ہوا اور وہ پیپے کی طرح پھول کر مر گئی اور اپنے پیچھے شہوت پرستی کی شہرت چھوڑ گئی۔

یہی وہ سال تھا جس میں شاہ شجاع دوبارہ زندہ ہو گیا اس سے اورنگ زیب کو بہت پریشانی ہوئی اور ساری مملکت میں بدنظمی پھیل گئی۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ نقلی شاہ شجاع فی الحقیقت اصل شہزادہ ہے اور صحیح معنوں میں تخت کا دعویدار ہے۔ لیکن دراصل وہ محض ایک سردار کا نائب تھا جو دریائے سندھ کے اس پار یہ مشہور کر رہا تھا کہ وہ شاہ شجاع ہے جو ارکان سے بھاگ کر آیا ہے۔ وہ اتنی خوبی سے اورنگ زیب کے خلاف اپنی مہمات کا ذکر کرتا تھا کہ بہت سے لوگ اس کی مدد کو تیار ہو گئے۔ ہر اس شخص کو جو خود کو اس کا طرفدار بتاتا وہ ایک روپیہ دیتا اور اس سے بہتر تنخواہ کا وعدہ کرتا۔ اس نے اپنے گرد تقریباً تیس ہزار سپاہی اکٹھے کر لئے۔ ان لوگوں نے کشتیوں کے ذریعے دریائے سندھ کو عبور

کر دیا۔ اب اورنگ زیب نے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ فوراً دریا کے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیں اور کسی کو دریا عبور کرنے دیں۔ سردار سرعت سے وہاں پہنچ گئے اور میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ ایک سردار کے کتے نے باغیوں کے خلاف ایسے عجیب و غریب کارنامے سرانجام دیئے اور ان میں سے اتنے سارے مر گئے کہ بالآخر انھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔

لیکن اس واقعہ سے بھی نقلی شاہ شجاع ہمت نہ ہارا۔ اس نے اس وعدے پر لوگوں کی بھرتی جاری رکھی کہ جب وہ بادشاہ ہو جائے گا تو انھیں زیادہ تنخواہ اور بہادروں کو انعام و اکرام دے گا۔ ان وعدوں کی بنا پر زیادہ سے زیادہ آدمی اس کے گرد اکٹھے ہوتے گئے۔ تب اورنگ زیب نے حسن ابدال (ضلع راولپنڈی) کے حاکم کو لکھا کہ مجھے تعجب ہے کہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے زیادہ تردد نہیں کیا گیا۔ تب حاکم نے کچھ نقلی پٹھان روانہ کئے کہ وہ اس اصل پٹھان اور نقلی شاہ شجاع کو زہر دے دیں۔ اس طرح اس بغاوت کا خاتمہ ہوا جو دریائے سندھ کے اس جانب سے شروع ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے لوگ اورنگ زیب سے خوش نہیں تھے بالخصوص پٹھان جو تقریباً تین لاکھ کی تعداد میں تھے۔

اورنگ زیب کو یہ علم تھا کہ اس کا بیٹا سلطان محمد بہت بہادر ہے۔ اس پر شک کرتے ہوئے اس نے اُسے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ بالآخر اپنے بیٹے کو اتنی مدت تک قید میں رکھ کر اُسے خود بھی تکلیف ہوئی۔ اُسے اپنے کئی منصوبوں کی تکمیل کے لئے بھی اس کی ضرورت تھی مثلاً شیواجی کی تباہی، بیجاپور اور گولکنڈہ کی فتح اور راناادوے پور کے خلاف مہم کے منصوبے۔ پس اُس نے اُسے گوالیار سے بلوا کر سلیم گڈھ کے قلعہ میں رکھا۔ یہاں اُسے تھوڑی بہت آزادی ملی اور باپ اُسے ساتھ مسجد بھی لے جاتا تھا۔ اس کے باوجود اُسے بیٹے پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ اس کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ آیا اُسے قید بند نے کمزور کیا ہے یا نہیں۔

ایک دن اس نے بیٹے کو ٹبے پیار سے ایک سردا بھیجا جس کا ایک حصہ وہ خود کھا چکا تھا۔ اس سے وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آیا سلطان محمد میں بیٹے ہونے کی خصوصیات موجود ہیں یا نہیں۔ ملازم سردا اس کے پاس لائے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ آپ کے والد بادشاہ سلامت نے اس میں سے چکھ کر باقی ماندہ آپ کو بھیجا ہے۔ اس نے چاقو مانگا۔ خواجہ سرا جو سردا لے کر آیا تھا اپنی انگلی اس

ٹکڑے پر رکھ کر، جسے اورنگ زیب نے کاٹا تھا، بولا کہ یہ پہلے ہی سے کٹا ہوا ہے اب کاٹنے کے لئے چاقو کی کیا ضرورت ہے۔ سلطان محمد نے جواب دیا کہ جو خود اس نے نہیں کاٹا وہ اُسے کھانے کو تیار نہیں۔ خواجہ سرا نے جواب دیا کہ قیدیوں کو چاقو نہیں دیئے جاتے، اتنا سننا تھا کہ سلطان محمد غضبناک ہوا اور اس نے سر دا اُٹھا کر اپنے پوری قوت کے ساتھ خواجہ سرا کے سر پہ دے مارا۔ خواجہ سرا اورنگ زیب کے پاس واپس آیا اور جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا اس کی اِطلاع اُسے دی۔ اس پر بادشاہ نے اپنے ہونٹ کاٹے اور سر پکڑ کر یہ کہا کہ وہ جنون بھی کس قدر زبردست ہو گا کہ اتنی مدت کی قید و بند کے علاج اور افیون کے استعمال کے بعد بھی ختم نہ ہو سکا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کے بیٹے کی خاطر خواہ نگرانی کی جائے اور بعد ازاں اُسے پوشیدہ طور پر زہر دلوا دیا" تاکہ وہ بیٹا نظروں سے اوجھل ہو جائے جس نے دارا کے خلاف جنگ میں عظیم خدمات سرانجام دی تھیں اور جو اپنے باپ کا اتنا مطیع تھا کہ اس کے احکامات پر خود اپنے دادا کو بھی گرفتار کر لیا۔

جس دن شہزادے کو زہر دیا جانے والا تھا اُس دن اورنگ زیب شکار کھیلنے چلا گیا۔ تمام کو اُسے بیٹے کی موت کی اطلاع ملی۔ اس نے گھوڑا روک لیا اور بظاہر رو دیا۔ تب اُس نے بیٹے کی روح کو بخشنے کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھی اور حکم دیا کہ اُسے ہمایوں کے مقبرے میں دفن کر دیا جائے دوسرے دن تمام درباریوں کے ساتھ حسبِ دستور دعا کے لئے مقبرے گیا۔ وہاں اس نے ایک قبر پہ ایک سفید چادر دیکھی اور دریافت کیا کہ وہ قبر کس کی ہے۔ یہ سن کر کہ وہ قبر دارا کی ہے اس نے حکم دیا کہ اس کی چادر ہٹا دی جائے اور کوئی شخص جو وہاں فاتحہ پڑھنے آئے موت کی سزا دی جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دارا کی یاد بھی دلوں سے مٹا دی جائے۔

اس برس محمد امین خاں نے مجھے بہت پریشان کیا۔ بادشاہ نے اس کا تبادلہ مہابت خاں کی جگہ کابل کر دیا تھا۔ اور وہ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے بہت سے وعدے وعید کئے مگر میں اُسے بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے مجھے ایک جنسی بیماری کے علاج کے لئے دس روپیہ روز دینے کا وعدہ کیا۔ اس بیماری کے علاج سے وہ نااُمید ہو چکا تھا مگر بالآخر اس نے وعدہ فراموش کیا اور مجھے رقم دینے سے انکار کیا۔ پس میں نے اس سے معذرت کی کہ میں لاہور سے جانا نہیں چاہتا۔

وہ اپنے خاص ملازمین کے ساتھ روانہ ہُوا اور یہ دیکھ کر کہ میں نہ تو وعدے وعید سے متاثر ہو کر اور نہ ہی دھمکیوں سے ڈر کر اس کے ساتھ جانے پر رضا مند ہوں، اس نے یہ حکم دیا کہ مجھے زبردستی سے جایا جائے۔ پس میں تین روز تک اس کے ساتھ سفر کرتا رہا یہاں تک کہ ہم گجرات خورد پہنچ گئے۔ یہ محض اس کی ہی خواہش نہ تھی کہ میں اس کے ساتھ جاؤں بلکہ اس کی بیوی بھی یہی چاہتی تھی۔ اس نے یہاں تک کیا کہ میرے سامنے بیٹی کی نقاب ہٹا دی (جو نہایت غیر معمولی عمل ہے) اور مجھ سے یہ کہا کہ اگر میں اس کی خاطر نہیں تو کم از کم اس کی بیٹی کی خاطر ہی اس کے ساتھ جاؤں جسے میں نے سخت بیماری سے نجات دلا کر صحت بخشی تھی۔ میں یہاں تک تو آ گیا تھا مگر وہ منصوبہ میرے ذہن میں تھا جس پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ ہمارا سفر دن کی گرمی کے باعث رات میں ہوتا تھا اور ہمیں بجز ایک انگریز کے کسی کو کچھ کہنے کی اجازت نہ تھی۔ انگریز کو میں نے یہ کہا کہ میں گجرات خورد میں کچھ دوائیں خریدنے جا رہا ہوں اور اگر محمد امین خاں پوچھے تو اسے یہ بتا دے۔

محمد امین خاں کے احکامات یہ تھے کہ کسی شخص کو دریا پار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ دریا کے اس کنارے پر صرف چند کشتیاں رہ گئی تھیں جن میں درباری خبر رسانوں کو دریا پار کرایا جاتا تھا۔ لیکن میں نے کچھ ایسی تدبیر کی کہ کشتی رانوں کو مجھے دریا پار کرانا پڑا۔ میں جیسے ہی دریا کے قریب آیا میں نے اپنے ملازموں کو آگے بھیجا کہ وہ کشتی پر قبضہ کر لیں تاکہ میں پہنچ جاؤں۔ میں پہنچا اور میں نے کشتی رانوں کو حکم دیا کہ وہ مجھے اس پار لے جائیں۔ میں نے ظاہر کیا کہ میں خبر رساں ہوں اور مہابت خاں کی طرف سے دربار کو جا رہا ہوں۔ جب میں نے دریا پار کیا تو صبح ہو رہی تھی۔ راستے میں مجھے محمد امین خاں کے آدمی ملے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اس پر میں نے غصے سے جواب دیا کہ میرزا عبداللہ بیمار ہیں اور شاہزادے نے مجھے ان کے علاج کے لئے بھیجا ہے۔ اس طرح میں نے ان سے چھٹکارا پایا۔ میں نے تیزی سے سفر کیا اور اس سے پیشتر کہ وہ مجھے راستے میں پکڑ سکتا میں لاہور پہنچ گیا۔

محمد امین خاں نے مجھے تباہ کرنے کے لئے غداری کا ایک منصوبہ بنایا۔ اس نے قلعہ کے حاکم اور قائم مقام صوبیدار کو، اپنے عامل کو، کوتوال اور قاضی کو خطوط لکھے کہ مجھے اس کے پاس بھجوائیں اور اگر میں انکار کروں تو مجھ پر اس کے پانچ لاکھ روپے چرانے کا الزام عائد کریں۔ یہ سب لوگ جانتے

تھے کہ یہ الزام جھوٹا ہے مگر چونکہ محمد امین خاں بڑا آدمی تھا اس لئے انھوں نے مجھے پکڑنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ لیکن میں غافل نہ تھا اور مسلمانوں کے حیل فریب سے کافی واقف ہو گیا تھا کہ وہ اپنی خواہشات کے حصول کے لئے کسی بات سے باز نہیں آتے۔ اس لئے میں نے لاہور میں اپنے گھر میں قیام نہ کیا۔ باغات میں چھپا رہا اور بھیس بدل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہا۔ چالیس روز تک میں یوں کرتا رہا تا آنکہ یہ اعلان کیا گیا کہ جو شخص یہ بتائے گا کہ میں کہاں چھپا ہوں اور میرا سراغ لگائے گا اُسے انعام واکرام دیا جائے گا اور جو شخص مجھے اپنے گھر میں چھپائے گا اُسے وہ پانچ لاکھ روپے ادا کرنے ہوں گے جو میں نے محمد امین خاں کے یہاں سے چرائے ہیں۔

اس موقع پر فدائی خاں جو محمد امین خاں کی جگہ صوبیدار مقرر ہوا تھا آنے والا تھا۔ وہ سابق صوبیدار کا دشمن تھا۔ پنجاب آنے سے پہلے اس نے دو سو سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا تھا اور قائمقام صوبیدار کو توال اور قاضی کو خط بھیجے تھے کہ وہ اس کے نام پر حکومت کا کاروبار جاری رکھیں تا آنکہ وہ بہ نفس نفیس پہنچے۔ ہر عدالت پر فدائی خاں کا ایک سوار متعین تھا تاکہ وہ ساری کارروائی خود دیکھے۔ جب میں نے یہ دیکھ لیا تو بے باکی سے لاہور میں وارد ہوا اور اس سوار سے ملاقات کی جو کوتوال کی عدالت میں متعین تھا اور اس شخص سے بھی جو نائب حاکم کی عدالت میں تھا اور انھیں سارے قصے سے آگاہ کیا۔ ان دونوں نے وعدہ کیا کہ وہ میری مدد کریں گے۔ آخر میں نے ان سے یہ کہا کہ وہ اس وقت تک کوئی مداخلت نہ کریں جب تک کہ وہ یہ نہ دیکھ لیں کہ مجھے زبردستی محمد امین خاں کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ اگر کچھ ہوا تو یہ لوگ میری مدد کریں گے تو میں اپنے گھر آ گیا۔ چونکہ کوتوال اور دیگر حکام کو محمد امین خاں کا خوف تھا اس لئے کوتوال نے مجھے بلایا اور قید کر لیا اور تین مختلف موقعوں پر تین بار مجھ سے بر سر عام یہ پوچھا کہ آیا میں بخوشی محمد امین خاں کے پاس جانے کو تیار ہوں یا نہیں جب میں نے فیصلہ کن انداز میں یہ کہا کہ میں نہیں جاؤں گا تو اس نے یہ کہا کہ چونکہ مجھے محمد امین خاں کے حسابات چکانے ہیں اس لئے مجھے زبردستی جانا ہو گا۔ میں نے جواب دیا کہ میرے ذمے کوئی حساب نہیں ہے نہ میں ان کے جواہرات کے بارے میں کچھ جانتا ہوں اس لئے کہ میرا تعلق ان کے امور خانہ داری سے نہ تھا میں تو محض ایک فرنگی طبیب ہوں جس کی تحویل میں جواہرات ہو ہی نہ سکتے تھے۔ اس طور مجھے اپنے ارادوں میں مضبوط دیکھ کر اور محمد امین خاں کے عامل کے اکسانے پر اس نے بھی قطعی انداز

میں یہ کہا کہ مجھے جانا ہی پڑے گا۔

جب وہ مجھے عدالت سے باہر لے گئے اور مجھے اس گاڑی میں بٹھانے کی تیاری کر رہے تھے جو اس مقصد کے لئے تیار کی گئی تھی تو اس سوار نے جس سے میں نے پہلے ہی دوستی کر رکھی تھی علی الاعلان یہ کہا کہ اگر تم اُسے بھیجنا چاہتے ہو تو بھیج دو مگر اس سلسلے میں فدائی خاں تم سے ضرور جواب طلب کرے گا۔ اس کی خاص ہدایات یہ ہیں کہ فرنگی حکیم نکراؤ کا بہت خیال رکھا جائے، اس لئے کہ وہ اس کا ذاتی حکیم ہے۔ کوتوال یہ سن کر خوفزدہ ہوا اور ایک بار پھر مجھے بلوایا۔ اس نے زوردار آواز میں مجھ سے کہا کہ سوار نے فدائی خاں کے نام سے تمہاری سفارش کی ہے لیکن قانون کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اپنی ضمانت دلواؤ تاکہ محمد امین خاں کے دعوے کے برخلاف تمہیں روکنے کا جواز ہو سکے۔

ضامنوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ لوگ یہ جانتے تھے کہ حقیقت کیا ہے پس وہ اس بات پر رضامند تھے کہ میرے لئے خود کو پابند کر لیں۔ لیکن کوتوال اور عامل انہیں بحیثیت ضامن قبول نہ کرتے تھے اور انہیں یہ کہہ کر خوفزدہ کر رہے تھے کہ ایسی صورت میں انہیں محمد امین خاں جیسے تندخو آدمی سے خود کو بچانا پڑے گا۔ پس سب کے سب وہ کچھ کرنے سے خائف تھے جو وہ چاہتے تھے۔ بالآخر ایک ہندو آیا جو محمد امین خاں سے خائف نہ ہوتے ہوئے میرا ضامن بن گیا۔ میں نے اُسے تو یہ دی اور اس طرح میں آزاد ہو گیا۔

باب دہم

اب ہم یہ دیکھیں کہ محمد امین خاں کو پٹھانوں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا اس کے ساتھ نہ جانے کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تحریک تھی جس سے میری جان بچ گئی۔ جب وہ کابل کے علاقے میں پہنچا تو اس نے سابقین کی طرح عمل کرنے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے بے جا غرور کے ساتھ، پٹھانوں کے معاملات میں مداخلت کی۔ دیگر صوبیداروں نے ان جنگجو لوگوں کے ساتھ دوستی قائم کر رکھی تھی۔ لیکن آتے ساتھ ہی اس نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ خراج ادا کریں۔ بصورت دیگر وہ ان سے جنگ کرے گا اور جو کچھ وہ محبت سے نہیں کرتے طاقت کے ذریعے انہیں وہ کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اتنی بات پٹھانوں کو یہ موقع فراہم کرنے کے لئے کافی تھی کہ وہ اسے تباہ کر دیں۔ انھوں نے اس دھمکی کا کوئی اثر نہیں لیا اور محمد امین خاں کو چالیس ہزار سواروں اور دو لاکھ پیادہ فوج اور ساز و سامان کے ہمراہ پشاور کے پہاڑوں میں داخل ہونے دیا۔ جب شاہی فوج کافی آگے بڑھ گئی تو پٹھانوں نے راستے بند کر دیئے۔ ایک صبح جب کہ ابھی اندھیرا تھا، سارے پٹھان چاروں طرف کی پہاڑیوں پر چڑھے ہوئے اور بیک آواز چیخنے لگے۔ اس سے محمد امین خاں کے آدمی اتنے خوفزدہ ہوئے کہ وہ دیوانہ وار

کے پیڑوں کی طرح کانپنے لگے۔ پھر وہ سب پہاڑی سے ننگی تلواریں لئے محمد امین خاں کے آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔

محمد امین خاں باہر نکلا اور خود کو سب کے پیچھے پاکر اس نے بلخ کے ایک درویش کو پٹھانوں کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ اس نے یہ کہلوایا کہ وہ انھیں کافی رقم دے گا اور ان کی خواہشات کے مطابق عمل کرے گا۔ لیکن غضبناک پٹھانوں نے ایک بات نہ سنی۔ انھوں نے درویش کا سر اڑا دیا اور محمد امین خاں کے سپاہیوں پر پل پڑے اور ایک آدمی بھی نہ چھوڑا۔ محمد امین خاں نے اپنی جان بچانے کے لئے ایک ترکیب کی۔ اس نے اپنے نائب کو اپنی جگہ ہاتھی پر بٹھا دیا اور اس طرح وہ شخص مارا گیا۔ پٹھانوں نے یہ سمجھا کہ وہ محمد امین خاں ہے۔ انھوں نے اس آدمی کا سر کاٹ لیا اور پہاڑوں میں غائب ہو گئے۔ محمد امین خاں نے اپنی پٹھانوں کی مدد سے جو اس کی ملازمت میں تھے پٹھانوں کے کپڑے پہن لئے اور وہ لوگ اسے لے کر چلے یہاں تک کہ وہ پہاڑوں سے باہر نکلا اور پشاور پہنچ گیا۔

جب یہ خبر دربار میں پہنچی تو اورنگ زیب نے مہابت خاں کو حکم دیا کہ وہ فوراً ایک بار پھر کابل کا نظم و نسق سنبھالے۔ اس نے محمد امین خاں کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا اور کہا کہ اگر اس کو نہ ہٹایا جائے تو وہ پٹھانوں سے جنگ کے اخراجات خود برداشت کرے گا اور انھیں ان کی سابقہ بد اعمالیوں کی سزا دے گا۔ جب مہابت خاں آیا تو پٹھانوں نے اسے راستہ دے دیا اس لئے کہ وہ عقلمند آدمی تھا اور ان سے اس کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اس طرح محمد امین خاں جب صوبہ گجرات کے حاکم کی حیثیت سے لاہور سے گذرا تو اس نے برسرِ عام یہ تسلیم کیا کہ میں سچا ہوں اور اسی طرح اس نے مجھے وہ عزت بخشی جو پہلے جھوٹا الزام لگا کر مجھ سے چھین لی تھی۔

اورنگ زیب یہ چاہتا تھا کہ پٹھانوں کو اس جنگ کی سزا دے کر عزت بھی حاصل کرے لیکن چونکہ وہ شیواجی اور بیجاپور کے خلاف جنگ میں مصروف تھا اس لئے انھیں سزا نہ دے سکتا تھا۔ پس اس نے فدائی خاں کو پشاور بھیجا کہ وہ معاملات ٹھیک کرے مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ یہ کام اس کے بس کا نہیں تو اس نے توپ خانے کے سپہ سالار کو جو بہت بہادر آدمی تھا ایک زبردست فوج کے ساتھ بھیجا تاکہ پٹھانوں کو خوفزدہ کر سکے۔ مگر جب یہ شخص پہاڑوں میں پہنچا تو پٹھانوں نے اس کا سر کاٹ لیا اور اس کی فوج کو اسی طرح تباہ کیا جیسے محمد امین خاں کی فوج کو کیا تھا۔ یہ ایک نئی جنگ کا آغاز تھا۔ پٹھان

بہت طاقتور تھے اور کسی فوج کے بس کی یہ بات نہ تھی کہ اُن کے غیظ و غضب کو دبائے۔ ایک زمانے میں یہ لوگ ہندوستان کے بادشاہ اور شہر دلی کے حاکم تھے۔ جب سے شیر شاہ کی بادشاہت ختم ہوئی تھی انہوں نے پگڑی باندھنا چھوڑ دی اور اس کی جگہ محض کپڑے کا ایک ٹکڑا لپیٹتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ یہ رسم اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک کہ کوئی پٹھان بادشاہ نہیں ہوتا۔ اس طرح اورنگ زیب شیواجی سے صلح کرنے پر مجبور ہوا اور شیواجی نے اُسے اتنی مہلت دینی منظور کی جو پٹھانوں سے جنگ کے لئے ضروری تھی لیکن اورنگ زیب نے ان کے خلاف اس پختہ ارادے سے میدانِ کارزار گرم کیا کہ وہ انہیں مکمل طور سے تباہ کر دے گا اس کا خیال تھا کہ جس طرح اس نے پرانے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا ہے اسی طرح یہ مقصد بھی بہ آسانی حل کر لے گا۔ پس اس نے دکن سے کافی تعداد میں فوجیں ہٹا لیں اور بہادر خاں کو بیجاپور سے جنگ جاری رکھنے کے لئے وہیں چھوڑ دیا۔

شیواجی اپنے سپاہیوں کی تلواروں کو زنگ آلود نہ کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے شاہ گولکنڈہ سے راستہ طلب کیا تاکہ وہ کرناٹک میں ان راجاؤں سے جنگ کر سکے جو بیجاپور اور گولکنڈہ سے باغی ہو گئے تھے۔ شاہ گولکنڈہ نے اجازت دے دی اور شیواجی کرناٹک پہنچ گیا۔ وہاں شجاعت اور پختہ ارادے کی مدد سے اس نے جنجی کے بڑے قلعے پر قبضہ کر لیا جس میں پہاڑیوں پر بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے سات قلعے شامل ہیں۔ یوں تو کرناٹک میں بہت سے راجہ ہیں مگر وہ سب متفقہ دفاع کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ شیواجی ایک عقلمند باز کی طرح ان پر جھپٹا اور ان کے بہت سے اہم قلعے اور ایسے علاقے چھین لئے جو پہلے بیجاپور میں شامل تھے۔ ان فتوحات سے اس نے کافی طاقت حاصل کر لی اور یوں بعد ازاں اورنگ زیب کی فوجوں کو روکنے کا اہل ہوا لیکن ان فتوحات کے دوران میں اُسے ایک پریشانی لاحق ہوئی۔ اس کا بیٹا سمبھاجی بدکردار شخص تھا جو دوسروں کی بیویوں کو چھین لیتا تھا۔ اس طرح سرداروں اور دوسرے لوگوں کو شکایتیں ہوئیں اور یہ شکایتیں اگر بغاوت کی صورت اختیار کرتی تو شیواجی کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ دیکھ کر کہ سمبھاجی اس کی نصیحت پر عمل نہیں کرتا، باپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اُسے پکڑ کر کسی قلعہ میں قید کر دے۔ اس وقت اس کا یہ ارادہ ہوا کہ آئندہ اپنے چھوٹے بیٹے رام راجہ کو تخت و تاج کا والی بنائے۔ لیکن سمبھاجی کو باپ کے ارادوں کا پتہ چل گیا اور یہ جان کر کہ شاہ اورنگ زیب اُسے اپنی سلطنت میں بخوشی قبول کرے گا،

اس نے اس بات کی درخواست کی اور اُسے بہت احترام سے خوش آمدید کہا گیا ۔

اورنگ زیب نے پٹھانوں کے خلاف میدانِ جنگ سنبھالا ۔ وہ ہاتھ میں برچھا لے کر سورج کی تپتی دھوپ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور گرد اور گرمی سے کوئی بچاؤ اختیار نہ کیا ۔ یہ سب اس نے یہ ثابت کرنے کے لئے کیا کہ وہ پٹھانوں کو تباہ کرنے کا پختہ عزم رکھتا ہے ۔ اس نے اپنے سرداروں کی رائے ماننے سے انکار کر دیا ۔ انھیں پٹھانوں کے عزم و استقلال اور ان کی غضبناکی کا پورا علم تھا ۔ انھیں ان اہم علاقوں کا بھی علم تھا جو ان کے قبضے میں تھے ۔ اس لئے انھوں نے اُسے یہ مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے نپٹنے کا طریق کار مختلف ہونا چاہیے ۔ لیکن اورنگ زیب کا یہ خیال تھا کہ جب وہ خود وہاں موجود ہے تو ہر کام آسان ہے ۔ وہ یہ بھول گیا کہ امیرِ اعظم پر وہاں کیا گذری تھی جس نے پٹھانوں کے خلاف اسی سردار ہوا گنوا دیئے تھے ۔ اس نے کسی کی بات نہ سنی اور پیش قدمی جاری رکھی ۔ لاہور پہنچ کر اس نے حکم دیا کہ حرم آگے نہ جائیں اور محض چند عورتوں کو وہاں سے اپنے ساتھ لیا ۔ باقی ماندہ لاہور میں بادشاہ کی واپسی یا آگے بڑھنے کے حکم کی منتظر رہیں ۔ بادشاہ آگے بڑھتا رہا اور دریائے سندھ کے نزدیک حسن ابدال میں محاذ قائم کیا ۔

یہ جنگ چھبیس ماہ جاری رہی مگر بادشاہ کو پٹھانوں پر مطلق فوقیت نہ حاصل ہو لی ۔ اس کے برعکس اس کے کئی بہادر سپاہی ضائع ہوئے ۔ [illegible] شجاع تھا پٹھانوں کے ہاتھ لگ گیا اور بادشاہ کو تاوان دے کر اسے واپس لینا پڑا ۔ یہ دیکھ کر کہ وہ پٹھانوں کو زیر نہیں کر سکتا اور اس طرح اس کی شہرت کو بھی بٹہ لگے گا اورنگ زیب نے دوسرے ذرائع استعمال کئے ۔ اُسے شک ہوا کہ مہابت خان پٹھانوں کو جنگ پر اُکسا رہا ہے اس لئے اس نے اس کی برطرفی کے احکامات بھیجے ۔

اپنی برطرفی پر طیش کھا کر مہابت خان نے یہ منصوبہ بنایا کہ وہ پٹھانوں کی مدد سے بغاوت کرے اور کابل کا بادشاہ بن جائے ۔ لیکن اس کے دوستوں نے اُسے ایسا کرنے سے باز رکھا ۔ لوگوں نے اسے اس کے باپ کی وفاداری کا واقعہ یاد دلایا کہ اس نے جہانگیر کو قتل نہیں کیا جبکہ اگر وہ چاہتا تو اُسے بہ آسانی قتل کر سکتا تھا ۔ مہابت خان کو پٹھانوں نے بلا تعرض جانے دیا اور وہ بہت جلد میں بادشاہ کے حضور پیش ہوا ۔ اورنگ زیب نے اُسے ہندوستان واپس جانے کا حکم دیا لیکن راستے ہی میں اس نے اُسے زہر دلوا دیا ۔ اس کی دو وجوہ تھیں : ایک تو یہ کہ مہابت خان کے دشمنوں نے بادشاہ سے کہا کہ چونکہ وہ راجپوتوں کا دوست ہے اس لئے ممکن ہے کہ ہندوستان پہنچ کر وہ بغاوت کا علم

کرے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ اس موقع پر جبکہ وہ بادشاہ کے حضور سے باہر نکلا تو اس نے غصہ کی حالت میں یہ حکم دیا کہ بادشاہ کے خیموں کے درمیان ہی اس کے طبل زور زور سے بجائے جائیں۔ بادشاہ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ گویا وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اُسے اپنی زندگی کی مطلق پروا نہیں ہے اور یہ کہ اب وہ اورنگ زیب کی رعایا نہیں رہا۔

جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ اورنگ زیب کا حکم یہ تھا کہ اُسے خفیہ طور سے زہر دیا جائے۔ اور چونکہ وہ امیر اکثر بیمار رہتا تھا اس لئے لوگوں نے بادشاہ کو بتایا کہ اس شہر میں ایک فرنگی طبیب ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کا علاج کر دے۔ اس سبب سے میرے پاس ایک خط آیا جس پر کوئی نام نہ تھا۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ میں کسی طور سے بھی مہابت خاں کی کوئی مدد نہ کروں۔ وہ شخص جو یہ خط لایا تھا اسے میں مطلق نہ جانتا تھا۔ اس نے میرے ہاتھ پکڑ لئے اور کہا کہ میں اس خط پر بہت توجہ دوں اور اس کے خلاف نہ کروں۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔

یہ جانتے ہوئے کہ مہابت خاں راستے میں ہے، اور چونکہ اس سے میرے تعلقات بہت دوستانہ تھے اس لئے میں نے اُسے اپنی شراب کا تحفہ بھیجا جسے میں نے خود تیار کیا تھا۔ اس کے طبیب نے جسے یہ حکم ملا تھا کہ اسے زہر دے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میری تباہی اور اپنی زندگی کا منصوبہ بنایا۔ جس دن نواب نے میری شراب پی اسی دن اس نے اُسے زہر ایک اور شربت میں ملا کر دے دیا جو مسلمان اپنی جنسی قوتوں کے فروغ کے لئے پیتے ہیں۔ مہابت خاں کو شدید درد شروع ہوا اور اس نے یہ شک کیا کہ میری شراب میں زہر ہوگا نیز یہ کہ میں نے یہ کام فدائی خاں کے کہنے پر کیا ہے جو اس کا دشمن تھا۔ اس نے فوراً مجھے بلوایا اس وقت جب کہ میں محل جا رہا تھا۔ میرے دل میں شکوک پیدا ہوئے۔ میں گھوڑے پر بیٹھا اور اٹھارہ کوس طے کرکے اس کے پاس پہنچ گیا۔

خیمے میں داخل ہو کر میں نے ہر ایک کو حیران دیکھا انہیں یہ خیال تھا کہ چونکہ میں مجرم ہوں اس لئے ہرگز نہ آؤں گا۔ اس نے حکم دیا کہ میرے لئے ایک خیمہ لگایا جائے اور طعام کا خاطر خواہ انتظام ہو۔ اس نے میرے پاس میری خاطر داری کے لئے اپنے بھانجوں کو بھیجا جو میرے بہت دوست تھے نیز ایک سردار کو بھی جس کا نام میرک عبد اللہ تھا۔ یہ شخص میری خفیہ نگہداشت کے لئے مقرر کیا گیا تھا تاکہ وہ یہ دیکھے کہ کہیں میری گفتگو میں خوف یا تعجب تو نہیں ہے۔ لیکن چونکہ میں بالکل معصوم تھا اس لئے میرا

لبہ حسب معمول تھا۔ دوسری صبح کو میں پھر مہابت خاں سے ملنے گیا اور میں نے پوچھا کہ کیا آپ نے میری بھیجی ہوئی شراب چکھی؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے درخواست کی کہ مجھے بھی اس میں سے پینے کی اجازت دی جائے۔ وہ بوتل جس میں سے وہ پی چکا تھا لائی گئی میں نے پی اور اس کے بعد میں نے کچھ اس کے بھانجوں کو بھی دی جنھوں نے شراب کی تعریف کی۔ میں نے یہ اس لئے کیا تاکہ اُسے یہ تشفی ہو جائے کہ یہ میری شراب نہ تھی جس کے باعث اُسے ضرر پہنچا بلکہ اس کا سبب کچھ اور ہے۔ میں بہت دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور اس نے یہ دیکھ دیا کہ شراب نے نہ مجھے اور نہ اس کے بھانجوں کو کوئی نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد اس نے مجھے اپنا علاج کرنے کو کہا۔

میں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ آپ کے پاس اپنا طبیب ہے جو نہایت عقلمند آدمی ہے نیز یہ کہ مجھے اس بیماری کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اس طرح میں اس کے ساتھ تین دن رہا اور اس نے مجھے اس لئے روکا کہ وہ یہ دیکھے کہ شراب مجھے یا اس کے بھانجوں کو کوئی نقصان پہنچاتی ہے یا نہیں۔ پس یہ معلوم کئے بغیر کہ آیا اس کے جسم میں زہر موجود ہے یا نہیں، اس نے بالآخر مجھے رخصت کیا۔

مجھے رخصت کرتے ہوئے اس نے ایک خلعت بخشی اور اسی سردار کو بیس سواروں کی معیت میں میرے ساتھ کیا تاکہ کہیں اس کے آدمی جو مجھے اس کی بیماری کا سبب سمجھتے تھے، نقصان نہ پہنچائیں۔ چند دنوں بعد وہ بدبودار مادے کے اخراج سے مر گیا۔ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس کی اوجھڑی میں ناسور ہو گیا تھا۔

میں ابھی لاہور پہنچا ہی تھا کہ ایک خوفناک واقعہ ہوا۔ بلخ کا وہ درویش جس سے اورنگ زیب نے مراد بخش کی بیٹی بیاہی تھی پاگل ہو گیا۔ میں اس کا علاج کرنے لگا۔ فدائی خاں پشاور میں تھا، اور امانت خاں اس کا قائم مقام تھا۔ اس نے جادوگروں پر اعتماد کیا جو کہتے تھے کہ اس درویش پر کسی بدروح کا سایہ ہے اور وہ پاگل نہیں ہے۔ مجھے علاج ترک کرنا پڑا اس لئے کہ امانت خاں مجھ سے اس سبب سے ناراض ہوا کہ میں نے شاہی خاندان کے فرد کا علاج اس سے مشورہ کئے بغیر کیوں شروع کیا۔ میرا جواب یہ تھا کہ میں پیشہ ور طبیب ہوں اور جو کوئی بھی مجھے بلاتا ہے میں بلا کسی امتیاز اس کے گھر جاتا ہوں۔ چونکہ آپ کی مرضی یہ نہیں کہ میں علاج جاری رکھوں اس لیے

میں اسی وقت یہ مریض اور یہ گھر چھوڑتا ہوں۔

پھر یہ ہوا کہ چونکہ چند دنوں بعد جادوگروں نے یہ کہہ دیا کہ بد روح اس کے جسم سے نکل گئی ہے اور وہ شخص بالکل ٹھیک ہے اس لئے اسے شہزادی اور اس کی خواصوں کے ساتھ باغ میں ٹہلنے کی اجازت مل گئی۔ اس نے اپنی کمر کا خنجر کھینچا اور شہزادی کی پسلیوں کے نیچے اور بغل میں گھونپ دیا۔ جب اس کا شور سن کر خواصیں اور خواجہ سرا اس جگہ پہنچے تو اس نے اسی خنجر سے ایک عورت کو قتل اور دوسری کو بازوں پر زخمی کیا۔ اس کے بعد وہ تالاب میں کود پڑا۔ تب وہ شہزادی کو پالکی میں ڈال کر تیزی سے محل میں لے گئے اور ایک خواجہ سرا گھوڑے پر سوار میرے گھر آیا۔ مجھے جلد چلنے کو کہا گیا۔ میں یہ نہ جانتا تھا کہ کیوں اور کہاں جانا ہے۔ میں نے حکم دیا کہ میری گاڑی تیار کی جائے تاکہ ہم دونوں جا سکیں لیکن میں اس کے منہ سے یہ نہ اگلوا سکا کہ کہاں جانا ہے۔ بالآخر اس نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے ساتھ زخم کے علاج کے لئے کچھ دوائیں لے چلوں جو درویش نے شہزادی کے جسم پر لگائے ہیں۔ میں نے اعتراض کیا کہ میں مالک کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتا اس لئے کہ شہزادی شاہی خاندان کی ہے نہ ہی میں بلا بادشاہ کی اجازت کے اس کا علاج کر سکتا ہوں۔ اس نے میری ان باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور مجھ سے درخواست کی کہ میں مطلق دیر نہ کروں کیونکہ شہزادی کی موت کا خطرہ ہے۔ اس کے بعد اس نے مجھے سارا قصہ بتایا۔

ہم گاڑی میں روانہ ہوئے اور اس نے یہ ظاہر کیا گویا میں نے شراب پی ہوئی ہے اور گاڑی کو تیزی سے چلانے کو کہا کہ خوانچے والوں، دکانوں یا لڑکوں کے لئے بھی نہ رکے۔ ہر شخص اس فرنگی کو دیکھ کر متحیر تھا جو بالعموم خاموشی سے گزرتا تھا اور آج جان پر کھیل کر بھاگ رہا تھا۔ ہم محل میں پہنچ گئے اور جب مجھے زخم کی بابت بتایا گیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اوجھڑی کو صدمہ نہ پہنچا ہو۔ تاہم استفسار کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ زخم کاری نہیں ہے۔ میں نے حتی الامکان یہ کوشش کی کہ علاج شروع کرنے سے پہلے زخم کا معائنہ کروں لیکن مسلمان اس معاملہ میں کہ ان کی عورتوں کو کوئی دیکھے یا ہاتھ لگائے بہت حساس واقع ہوئے ہیں۔ مزید برآں چونکہ یہ خاتون شاہی خاندان سے تھی اس لئے بادشاہ کی اجازت کے بغیر یہ ناممکن تھا۔ پس معائنہ ناممکن تھا۔ تاہم میں نے انھیں زخم کی تفصیل بتانے کو کہا اور منگوایا اور میں نے دیکھا کہ خدا کے رحم و کرم سے اوجھڑی نہیں کٹی۔ میں نے پٹیاں تیار کیں اور ان

پر اپنی بنائی ہوئی دوا لگائی اور چونکہ بڑے آدمیوں کے ملازم عقلمند ہوتے ہیں میں نے انھیں بتایا کہ کیا کیا کرنا ہے۔ خدا کی مہربانی سے میرا علاج کامیاب ہوا اور گیارہ دنوں میں میں نے اسے پوری طرح شفایاب کر دیا۔

جب میں نے پہلی بار دوا دی تو میں حاکم شہر کے پاس گیا اور اُسے واقعات سے آگاہ کیا۔ یہ میں نے اس لئے کیا کہ مبادا بعد ازاں وہ اس خبر کو سن کر تعجب کا اظہار کرے اور اس بات سے خوفزدہ ہو کہ کہیں بادشاہ اس بات پر نہ خفا ہو کہ ایسے شخص کی صحیح نگرانی کیوں نہ کی گئی جسے پاگل قرار دیا جا چکا تھا۔ اس نے مجھ سے پرزور درخواست کی کہ میں شہزادی کو روبہ صحت کرنے میں اپنی ہر ممکن کوشش کروں۔ اسی دوران میں اس نے اس بارے میں بادشاہ کو مطلع کیا اور اُسے یہ بتایا کہ درویش کے جسم میں بد روح داخل ہو گئی تھی اور شہزادی خنجر سے زخمی ہو گئی۔ لیکن ایک فرنگی طبیب حکیم نکولاؤ نے اس کا علاج شروع کیا ہے اور امید دلائی ہے کہ وہ بہت جلد صحت یاب ہو جائے گی۔ اس واقعہ سے مجھے بہت سے امراء جانتے تھے جو بادشاہ کے ساتھ پشاور پر تھے۔ جب اس معاملے کی خبر عام ہوئی تو میرے دوستوں نے اپنے دوستوں کو لکھا اور صحت یاب ہو کر خود شہزادی نے بھی بادشاہ کو لکھا کہ میں نے اسے مکمل طور پر شفا بخشی ہے۔ میرے لئے مجھے ایک خوبصورت تحفہ بھی دیا۔

یہ بات ذہن نشین کر لی چاہیئے کہ پیشتر اس کے کہ کوئی یورپی طبیب ان شہزادوں کا طبیب بنے اُسے کئی بار آزمایا جاتا ہے کیونکہ وہ ایسے معاملات میں بہت شکی ہوتے ہیں اور باریکیاں نکالتے ہیں۔ ہر ماہ شہزادیاں اور بیگمات اپنی فصد کھلواتی ہیں اور یہ کام ہمیشہ ایک ہی طور سے سرانجام پاتا ہے خواہ وہ پیروں سے ہی خون کیوں نہ نکلوائیں یا کسی زخم کی مرہم پٹی کیوں نہ کروائیں۔ اس عضو کے علاوہ جہاں تکلیف ہو یا اس نس کے علاوہ جسے کاٹنا ہو جسم کا کوئی حصہ بے پردہ نہیں ہوتا۔ جب میں نے شاہ عالم کی بیویوں اور بیٹیوں کی فصد کھولی تو ان میں سے ہر ایک نے مجھے دو سو روپے اور ایک سرایا دیا لیکن جب مجھے شہزادے کی فصد کھولنی تھی جو میرا آقا تھا اور دربار میں مقیم تھا میں یہ کام بادشاہ کی اجازت کے بغیر نہ کر سکا۔ اس کے لئے مجھے چار سو روپے ایک سراپا اور ایک گھوڑا ملا۔ کام ختم کرنے کے بعد مجھے خون کی مقدار اور شہزادے کے مزاج کے بارے میں بادشاہ کو مطلع کرنا ہوتا اور پھر اس موضوع سے متعلق بادشاہ کے مختلف سوالات کا حالات کے مطابق جواب دینا

پڑتا۔ اس کے بعد وہ مجھے سراپا بخش کر رخصت کرتا۔ شہزادے کے بیٹوں کی فصد کھولنے کا مجھے دو سو روپے فی کس ایک سراپا اور ایک گھوڑا ملتا تھا۔

میں ابھی طبیبوں کے بارے میں بتا چکا ہوں اور یہ بھی کہ شہزادے اور شہزادیوں کا برتاؤ ان کے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔ اب میں یہ بتاؤں گا کہ خود مغل بادشاہ طبیبوں کے انتخاب میں کتنی احتیاط برتتا ہے۔ صرف وہی لوگ شاہی طبیب مقرر ہو سکتے ہیں جو بہت عالم اور تجربے کار ہوں تاکہ بادشاہ کی صحت زیادہ محفوظ رہ سکے۔ مزید براں چونکہ اس کے محل میں بہت زیادہ لوگ ہوتے ہیں اور درباریوں کی بھی غیر معمولی تعداد ہوتی ہے لہٰذا طبیب بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

وہ اطبا جن کا خطاب 'خان' ہوتا ہے یعنی جن کا شمار امرا میں ہوتا ہے انھیں بیس ہزار، تیس ہزار، پچاس ہزار، ایک لاکھ سے دو لاکھ روپے سالانہ تک ملتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے اکثر گرمی کی بیماریوں کا ٹھنڈی دواؤں سے علاج کرتے ہیں۔ بہت کم طبیب ایسے ہیں جو ایسی بیماریوں مثلاً پتھری، فالج، مرگی، استسقا، خون کی کمی اور متعدی بخاروں اور دیگر پیچیدہ امراض کا علاج کر سکتے ہوں ان کی طب کی کتابیں قدیم ہیں ان میں دعوے تو بہت ہیں لیکن اصلیت کم ہے۔ بہر حال مغل سلطنت میں بیماریوں کا علاج آسان ہے اس لیے کہ گرمی زیادہ پڑتی ہے جس کے باعث پسینہ آتا ہے اور مریض سکون محسوس کرتا ہے۔ طبیب جب حرم سرا میں داخل ہوتے ہیں تو خواجہ سرا ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کے سر پر موٹا کپڑا پڑا ہوتا ہے جو تقریباً پیٹ تک ہوتا ہے اور اسی طور پر وہ باہر لائے جاتے ہیں۔

ایک اور واقعہ ہوا جس کے سبب میں ساری مملکت میں مشہور ہو گیا۔ یہ واقعہ اس طرح تھا: فدائی خاں نے ایک طاقتور باغی کو قتل کی سزا دی جو سلطنت میں چاروں جانب لوٹ مار کر رہا تھا۔ یہ لاہور کے قاضی کا برادر نسبتی تھا اور بہت موٹا تھا۔ میں نے سوچا کہ انسانی چربی کا ایک ذخیرہ اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ اس شخص سے اور اس کے ساتھی سے کہ وہ بھی بہت موٹا تھا چربی حاصل کی جائے۔ میں نے فدائی خاں سے بات کی اور اسے بتایا کہ مجھے اس دوا کی ضرورت ہے۔ میں نے درخواست کی کہ یہ موقع ہے کہ میں ان دو مجرموں سے جنھیں سزائے موت مل چکی ہے چربی حاصل کر سکتا ہوں۔ اس نے کوتوال کو حکم دیا کہ میری درخواست پر عمل کیا جائے اور اس کام کے لئے آدمی

بھیجے گئے کہ وہ جسم سے چربی آتاریں - اس طرح مجھے اٹھارہ سیر اصل چربی مل گئی -

اس معاملہ پر شہر میں بڑا شور و غوغا ہوا اور قاضی نے بہت سے علما کو اکٹھا کر کے اپنے آدمی بادشاہ کے پاس بھیجے کہ وہ اس کے پاس اس بات کی شکایت کریں کہ فدائی خاں ایک فرنگی کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اسی بنا پر اس نے یہ گناہ کیا کہ ایک مسلمان کی لاش سے چربی نکلوائی - شرع کے مطابق فرنگی کو معتوب ہونا چاہیئے۔ لیکن چونکہ فدائی خاں اس مسئلہ پر کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہے اس لئے ہم بادشاہ سلامت کے حضور یہ شکایت لائے ہیں اور انصاف چاہتے ہیں -

مجھے اس منصوبے کی خبر مل گئی اور میں نے فدائی خاں کو قاضی کے ارادوں سے آگاہ کیا۔ اس نے فوراً ایک آدمی دربار کو روانہ کیا اور یہ اطلاع بھیجی کہ لاہور کی آبادی میں کچھ اضطراب ہے اور اگر کوئی شکایت کسی معتوب مجرم کے بارے میں آئے تو نہ سنی جائے کیونکہ قاضی اور دوسرے افراد اس کی پشت پناہ تھے - اتنا اس بات کے لئے کافی تھا۔ جب دربار میں شکایت پہنچی اور وہاں سے یہ فیصلہ کیا گیا لوگوں نے درخواست گذاری تو بادشاہ نے ایک مختصر فقرے کے بعد انھیں رخصت کر دیا - اس نے کہا۔ "مقدمہ جہاں، فیصلہ وہاں" - اس طرح مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا اور میں اس آفت سے بچ گیا جو میرے لئے جان لیوا ثابت ہوتی -

میری آزمائش اور مجھے الزام دینے کے لئے ایک اور ترکیب کی گئی - میرے گھر پہ ایک بہت خوبصورت نوجوان لڑکی کو ایک بڑھیا کے ہمراہ بھیجا گیا اس بہانے سے کہ کمسن پیکر حسن کی طبیعت ناساز ہے - وہ زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال کی تھی اور نبض سے معلوم ہوا کہ وہ مطلق بیمار نہیں ہے - میں نے اس سے پوچھا کہ کہیں اُسے درد کی تکلیف تو نہیں جس کا پتہ نبض سے نہیں چلتا - میں ابھی اس سے سوالات کر رہا تھا کہ بڑھیا جو یہ بظاہر کہہ رہی تھی کہ وہ بہت بیمار ہے ہمیں چھوڑ کر باغ میں چلی گئی - یہ لڑکی قول و فعل دونوں اعتبار سے فوراً مجھ سے بے تکلف ہو گئی - وہ کہنے لگی کہ وہ مجھ سے آشنائی کے لئے بیتاب ہے اور یہ کہ اس کی دوستی میرے لئے بے کار نہ ہوگی - وہ میرے لئے بہت سے فائدے حاصل کر سکتی ہے - میں نے جب اس کی باتیں سنیں تو میں بہت بے تکلف ہوا اور اُسے چھوڑ کر باہر نکل آیا - میں نے بڑھیا کو آواز دی کہ وہ اُسے لے جائے - میں نے ناراضگی کا اظہار بھی کیا اور اپنے ملازموں کو بلا کر انھیں حکم دیا کہ وہ دونوں کو باہر نکال دیں -

یہ باتیں میرے لئے اذیت ناک تھیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسائیوں نے مجھے مسلمانوں سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی۔ میرے نام ونمود اور شہرت کے باعث وہ مجھ سے حسد کرنے لگے گو میں نے جس مقام پر بھی سکونت اختیار کی وہاں ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی بار انھوں نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ میرے گھر آدمی بھیجے کہ وہ میری وہ کتابیں چرالیں جن پر میری ملکیت کا انحصار تھا۔ یہ دیکھ کر کہ ان کا کوئی منصوبہ کامیاب نہ ہوا انھوں نے برسرعام وہ کچھ کرنے کا تہیہ کیا جو وہ پوشیدہ طور پر کرنے میں ناکام ہوئے تھے۔

اس کام کے لئے انھوں نے مختلف اقوام کے چار یورپی باشندے میرے قتل پر مامور کئے۔ ان میں سے دو میرے گھر دوستانہ طور پر آئے اور مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ دوسرا شخص جسے یہ کام کرنا تھا دروازے پر کھڑا میرے ملازموں کو ہزاروں گالیاں سناتا رہا اور آخری شخص گھوڑے پر سوار پستول سے لیس جو کچھ دروازے پر ہو رہا تھا ان کی ہمت افزائی کے لئے موجود تھا۔ یہ سن کر میں باہر نکلا اور شور مچانے والے شخص سے پیار سے کہا کہ خاموش ہو جائے۔ اگر وہ آنا چاہتا ہے تو بے شک اندر آجائے اور اگر نہیں آنا چاہتا تو اپنا راستہ لے۔ جب اس نے یہ سنا تو گولی چلا دی کیونکہ پستول بھرا ہوا تھا۔ فوراً ہی میرے ایک ملازم نے بزور اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ ملازموں سے بچنے کے لئے اس نے تلوار کھینچ لی۔ ملازموں نے اس کا حساب چکانے کے لئے موٹے موٹے ڈنڈوں کا استعمال شروع کر دیا تھا اور بلا کسی رحم کے اس پر اور اس کے ملازموں پر اتنے ڈنڈے برسائے کہ بالآخر ملازم بھاگ نکلے۔ تب مجھے یہ علم ہوا کہ یہ ایک سازش ہے اور میں نے ایک ملازم کو جس کے ہاتھ میں تیر و کمان تھا یہ حکم دیا کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ وہ شخص جو گھوڑے پر سوار ہے اپنا ہاتھ پستول کی طرف نہ لے جائے اور اگر وہ ایسا کرے تو فوراً تیر مارے۔ اسی خوف سے نہ تو وہ ہلا اور نہ اپنے اس ساتھی کی کوئی مدد کی جو مار کھا رہا تھا۔ میں نے دوسرے ملازموں سے یہ کہا کہ وہ بھی اپنے تیر کمان لے کر ان دو اشخاص کو نظر میں رکھیں جو مکان کے اندر تھے۔ اسی اثنا میں میں نے حکم دیا کہ اس بیہودہ شخص کی خوب پٹائی کی جائے۔ اپنے آپ کو ملازموں سے بچانے کے لئے اس نے تلوار کھینچی مگر اس کے ہاتھ زخمی ہو گئے اور میرے ایک ملازم نے اسے اس زور سے جکڑ لیا کہ بالآخر وہ زمین پر آ رہا۔ لیکن وہ تلوار کسی طرح ہاتھ سے نہ چھوڑتا تھا۔ اس لئے میں نے انھیں حکم دیا کہ اس کو اتنی مار

ماریں کہ وہ تلوار چھوڑ دے ۔ یہ دیکھ کر وہ تلوار سے چپٹا ہُوا ہے میرے ایک ملازم نے ایک پیراسس کی پسلیوں پر رکھ دیا اور اُسے اس زور سے دبایا کہ بالآخر اس نے تلوار چھوڑ دی ۔ پھر میں نے ملازموں سے کہا کہ اُسے باندھ کر قاضی کے پاس لے چلیں ۔ اس پر گھوڑے پر سوار شخص نیچے اتر آیا اور مجھ سے نہایت عاجزی سے ملتمس ہُوا کہ میں یہ سزا ایک سفید فام شخص کو نہ دوں ۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ وہ اپنے حاکم کے پیروں پر گرے ۔ اس نے انکار کر دیا لیکن میرے ملازموں نے اس کی گردن پکڑ کر اور دھکا دے کر اُسے گھٹنوں کے بل جھکا دیا ۔

پھر میں نے ان چاروں کو چھوڑ دیا اور فوراً فدائی خاں کے پاس گیا جو اس وقت جب کہ یہ واقعہ ہُوا لاہور میں ہی تھا ۔ اس نے یہ تسلیم کیا کہ جو کچھ میں نے کیا اس کا جواز میرے پاس تھا ۔ فدائی خاں نے کچھ آدمی بھیجے کہ وہ میرے حملہ آوروں کو دریائے چناب کے اس پار پہنچا آئیں مگر وہ شخص جوان کا سربراہ تھا راستے میں مر گیا ۔

علاج میں میری کامیابی کی شہرت اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ لاہور سے دور دراز کے مقامات کے لوگ مریضوں کو دیکھنے کے لئے بلانے آتے تھے ۔ اس سے مجھے بہت فائدے پہنچے یہاں تک کہ بہت سی خواتین مجھ سے شادی کرنے کی خواہش مند بھی ہوئیں ۔ اگر میں کم عقل ہوتا تو مسلمانوں میں میرے لئے اعلیٰ رشتوں کی کوئی کمی نہ تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے ایام نوجوانی میں ہی اپنا گھر بار چھوڑ دیا تھا مگر اپنے والدین کی اچھی تعلیمات ہمیشہ میری لوحِ دل پر نقش رہیں ۔

لیکن میں ایک واقعہ کا ذکر ضرور کرنا چاہتا ہوں جو ایک اعلیٰ خاندان کی بیوہ یعنی دیندار خاں کی بیٹی کے سلسلے میں مجھے پیش آیا ۔ ایک موقع پر میں نے قصور میں جو لاہور سے بیس کوس کے فاصلے پر ہے اس کی ایک بہن کا علاج کیا تھا ۔ یہ خاتون بھی وہاں موجود تھی اور میری ایسی شیدا ہوئی کہ مجھ سے شادی کرنا چاہا ۔ اس نے اس سلسلے میں مجھ سے خود بات کی اور یہ کہا کہ وہ یہاں سے فرار کا انتظام خود کرے گی ۔ اول اول میں نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی لیکن اس عورت کے بچوں اور اس کو دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ وہ امیر و دلکش اور عقل مند ہے میں بھی اس کی خواہش کے مطابق اُسے لے کر بھاگ جانے کے متعلق سوچنے لگا ۔

طے یہ ہوا کہ وہ مجھے ایک بڑا جہاز خریدنے کے لئے کافی رقم دے گی جس پر اس کی مال و دولت

[illegible] ہو جائے گی۔ پھر وہ یہ بہانہ بنائے گی کہ اس نے مکہ جانے کی منت مانگی ہے، اور اس کی اجازت سے [illegible] گھر سے روانہ ہو گی۔ جب وہ سفر پہ روانہ ہو گی اور سورت کی بندرگاہ سے آگے جائے گی [illegible] جہاز چلنے دے کر مکہ جانے والے جہاز پر حملہ کروں گا اور اسے اپنے ساتھ یورپ لے جاؤں گا۔ ابھی [illegible] طے ہو ہی رہے تھے کہ اس نے بے احتیاطی سے کام لیا اور مجھے ایک بوڑھی عورت کے ذریعے پیغام پر پیغام بھیجنے شروع کئے اس طرح لوگوں میں میرے لئے اس کی محبت کے بارے میں شکوک بیدار ہوئے۔ [illegible] اس منصوبے کی تکمیل نہ ہونے کا اصل سبب ایک پرتگالی تھا۔ میں نے اس کے ساتھ بڑے احسانات کئے تھے اور اس کی وفاداری بھی ثابت تھی۔ اس لئے میں نے اپنے منصوبے میں اُسے راز دار بنایا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ اُسے بھی ساتھ لے جاؤں۔ لیکن اس نے میری دوستی کا حق نہ ادا کیا اس [illegible] اس نے مصری خاں کو سب کچھ بتا دیا جو خود اس عورت سے شادی کا خواہش مند تھا۔

مصری خاں ہمارے منصوبے اور [illegible] بیوہ سے میری دوستی سے آگاہ ہوا اس لئے کہ وہ مجھے پیغامات اور قیمتی تحائف بھیجا کرتی تھی۔ لیکن [illegible] خاں اور دوسرے امراء کے خوف سے جو مجھے عزیز رکھتے تھے اس نے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچایا [illegible] نے میرے قتل کے لئے آدمی بھیجے اس نے محض مجھے ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا کہ اُسے اچھی طرح معلوم ہے کہ جانی بی بی یعنی بیوہ کی بوڑھی ملازمہ میرے گھر بار بار کیوں آتی ہے اور یہ بھی کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں بالآخر میرے لئے ہلاکت ثابت ہو گا۔ میں نے یہ بہانہ کیا کہ اسکی تحریر میری [illegible] سے باہر ہے اور جواب دیا کہ جانی بی بی میرے گھر میری ماں کی حیثیت سے آتی جاتی ہے۔ اگر مصری خاں کو [illegible] نہیں کہ وہ میرے گھر آئے تو وہ اسے منع کر سکتا ہے۔ اس طرح مجھے یہ علم ہو گیا کہ لوگوں کو ہمارے منصوبے کا پتہ چل چکا ہے۔ جب جانی بی بی آئی تو میں نے اس سے کہا کہ اپنی مالکہ کو [illegible] کہ اب اس کا میرے پاس آنا ٹھیک نہیں اور یہ کہ وہ ہر بات کو پوشیدہ رکھے ورنہ میری موت [illegible] کر کہ اب اس کا منصوبہ پورا نہیں ہو سکتا، بیوہ نے مصری خاں سے شادی کر لی لیکن شادی کے بعد محض آٹھ دن زندہ رہی۔

میری شہرت بحیثیت حکیم و جراح بہت ہو گئی تھی اور دیگر اسباب کے علاوہ ایک سبب یہ بھی

تھا کہ خواجہ سرا دولت جو سنجیدہ، دولت مند اور مشہور آدمی تھا میرے پیچھے لگ گیا - یہ خواجہ سرا علی مردان خاں کا ملازم تھا اور جب اس کا آقا ۱۶۵۷ء میں فوت ہو گیا تو یہ خواجہ سرا اس کی لاش لے کر ایران گیا کہ اُسے اپنے اجداد کے قبرستان میں دفن کرے۔ شاہ عباس کو جو اس وقت ایران کا بادشاہ تھا اس کا پتہ چل گیا - اس نے خواجہ سرا دولت کی گرفتاری کا حکم دیا - اس نے یہ بھی حکم دیا کہ علی مردان خاں کی لاش کو جلا دیا جائے اور خواجہ سرا کی ناک اور کان کاٹ لئے جائیں - بادشاہ نے اس عمل کو گستاخی قرار دیا کہ ایک ایسے شخص کی لاش اس مملکت میں لائی جائے جس کا وہ اپنی زندگی میں علی الاعلان دشمن رہا ہو۔

بدنصیب دولت شرمساری کے ساتھ لاہور آ گیا اور اپنے گھر میں مقید ہو گیا - ان کارناموں سے واقف ہو کر جو میں نے یہاں انجام دیئے تھے اس نے کئی بار مجھ سے یہ درخواست کی کہ میں کسی ترکیب سے اس کی ناک اور کان پھر سے پیدا کر دوں —— یہ کام ناممکن تھا مگر اس کا خیال تھا کہ عیسائی عرق کے ذریعے معجزے دکھا سکتے ہیں۔ پس اس نے مجھ سے نہایت عاجزی سے یہ درخواست کی میں اس پر یہ احسان کر دوں اس کے بدلے میں میں جو چاہوں اس سے لے لوں۔ میں نے یہ جواب دیا کہ اب اس کا علاج ممکن نہیں اس لئے کہ زخم پرانے ہو چکے، البتہ اگر وہ نئے ہوتے تو شاید کچھ ہو سکتا تھا۔ میرے اس جواب سے اس کی امید اور بڑھ گئی - اس نے مجھ سے کہا کہ میں نئے سرے سے اس کے زخم تازہ کر دوں اور اس کے بعد کسی کی ناک اور کان اس کے کسی غلام سے کاٹ کر اس کے چہرے پر لگا دوں - اس نے مجھے سینے سے لگایا، مجھے جالینوس، ارسطاطلیس اور افلاطون بنایا اور مجھ سے گذارش کی کہ میں اس کے ساتھ یہ احسان کروں اسے بقیہ زندگی کے لئے خوش کر دوں۔

وہاں جتنے غلام موجود تھے سب کے سب بہت سوچ میں پڑ گئے کہ کہیں میں خواجہ سرا کے منصوبے سے متفق نہ ہو جاؤں۔ سب مجھے غمگین صورت بنائے گھور رہے تھے گویا یہ کہہ رہے ہوں کہ میں اس کی درخواست قبول نہ کروں - میں دل ہی دل میں دولت کی آرزو اور غلاموں کے خوف کے تضاد پر ہنس رہا تھا۔ بالآخر میں نے دولت کو یہ جواب دیا کہ اگر میں اس کی بات مان کر غلاموں کے ناک کان کاٹ بھی لوں تو بھی اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لئے کہ دوسرے کا گوشت اس کے گوشت سے میل نہ کھائے گا۔ اس کا نتیجہ محض یہ ہوگا کہ غلاموں کی شکل بگڑ جائے گی جب کہ اُسے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا - جب

اس نے یہ دیکھا کہ اس کا کوئی علاج نہیں اور چونکہ وہ زندہ دل آدمی تھا اس لئے اس نے ازراہ مذاق یہ کہا: "خدا جانے مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے کہ مجھے دوبار خواجہ سرا بننا پڑا پہلے نچلے دھڑ میں اور پھر اوپر کے دھڑ میں۔ اب میرے پاس اور کوئی چیز نہیں ہے جو مجھ سے چھینی جائے۔ نہ ہی اب مجھے سر کے علاوہ اور کوئی خوف ہے۔" اس کا یہ قول بعدازاں اکثر ہماری گفتگو کا موضوع رہا۔

میری شہرت محض بحیثیت حکیم نہ تھی بلکہ یہ بھی افواہ تھی کہ میں لوگوں کے جسموں سے بدروحوں کا اخراج بھی کر سکتا ہوں۔ یہ بات اس لئے پھیلی کہ میں گفتگو کرنے کا اہل تھا جس میں میں حسب موقع اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرتا تھا۔ اسی سبب سے بہت سے لوگ میرے پاس آتے تھے۔ ان میں بہت سی ایسی عورتیں بھی شامل تھیں جو بدروحوں کے سائے کا بہانہ کرتی تھیں۔ (جب وہ گھروں سے باہر نکلنا چاہتی ہیں تاکہ چالیں چل سکیں اور اپنے عاشقوں سے مل سکیں تو وہ یہی کرتی ہیں۔) اور یہ عام خیال تھا کہ میں انھیں ٹھیک کر سکتا ہوں۔ اس کا علاج ڈرانا دھمکانا، چھلکے دینا، رقعے اور دوائیں، حقنہ جو لوگوں کے لئے کافی عجیب بات تھی، پھر گرم لوہے سے داغنا اور گندی چیزوں کی خراب مہک والی دھونی تھی۔ پھر یہ بھی کہ میں اس وقت تک نہ رکتا جب تک کہ مریض بہت پریشان ہونے کے بعد یہ نہ کہہ دیتے کہ اب بدروح نکل چکی ہے۔ اس طور سے میں نے بہت سے لوگوں کو ٹھیک کیا۔ اس سے میری شہرت بھی بہت بڑھی اور یہ میرے لئے تفریح بھی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ میرے بہت سے پڑھنے والے مجھ پر یقین نہ کریں مگر وہ یورپی جو مغل مملکت اور ہندوستان میں میری شخصیت سے واقف ہیں وہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ میں اس قسم کے کئی عملی مذاق کا اہل ہوں۔ سب سے زیادہ قابل یقین بات یہ ہے کہ میں اپنا مزاج کبھی برہم نہ ہونے دیتا اور مجھے یہ معلوم تھا کہ کس طرح مخصوص وقت و مقام پر بے ضرر قسم کی دلچسپیوں سے دل بہلانا چاہیئے۔

باب یازدہم

جب اورنگ زیب نے یہ دیکھا کہ مہابت خاں کی مہم بھی پٹھانوں کے خلاف مہم کا خاطر خواہ نتیجہ نکالنے میں سود مند ثابت نہ ہوئی تو اس نے باعزت طور پر پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے فدائی خاں اور دوسرے سپہ سالاروں سے یہ طے کیا کہ وہ دربار عام میں اس بات کا اعلان کر دیں کہ پٹھانوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہے اور فدائی خاں ان کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ اس طرح اس نے اپنی فوج کو مطمئن کیا مگر اب فوج کا بہترین حصہ ختم ہو چکا تھا۔ یوں دو برس اور دو ماہ بعد اورنگ زیب دلی کو واپس ہوا۔ واپسی میں وہ اپنے دادا جہانگیر کے مقبرے کے پاس سے گزرا مگر یہاں اس نے فاتحہ پڑھنے سے انکار کر دیا کہ وہ ایک بے دین کا مقبرہ ہے۔ اس کے بجائے اس نے یہ احکامات دیئے کہ مقبرے سے قیمتی پتھر اور جواہرات اکھاڑ لئے جائیں اور خیرات بند کر دی جائے جس کے سبب اُسے بادشاہت ملی تھی۔

اسی دوران میں جبکہ بادشاہ دلی کی طرف کوچ کر رہا تھا فدائی خاں نے، جس نے پٹھانوں کو خاموش کرنے کی ذمہ داری لی تھی، اپنی فوج کو کچھ فاصلے پر پیچھے چھوڑا اور پٹھانوں کی ملاقات کو گیا۔ وہ ہر ایک سے ملا اور انھیں یہ جتایا کہ اسی نے بادشاہ کو واپس جانے کا مشورہ دیا ہے اور اس طرح علاقہ

میں امن قائم کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے ساتھ صلح و آشتی سے رہنا چاہتا ہے اور اب تک یہی ہوتا رہا ہے۔ محمد امین خاں نے اس صلح کو توڑ دیا جو قدیم وقتوں سے چلی آ رہی تھی لیکن اب وہ ان سے عہد کرتا ہے کہ وہ ان کے سابقہ حقوق کو برقرار رکھے گا۔ چالاک فدائی خاں نے خود کو انھیں جیسا بنا لیا۔ وہ ان کے درمیان ہلا ڈھالا قوار لگائے گھومتا پھرتا تھا تاکہ وہ یہ ظاہر کر سکے کہ اُسے ان پر کامل اعتماد ہے اور اس طرح اس نے انھیں اپنا دوست بنا لیا۔ مگر وہ اس موقع کی تاک میں رہا کہ ان کے سرداروں کو چھوڑ اور بآسانی ختم کر کے اپنے منصوبے کو عملی شکل دے۔

اسی مقصد کے حصول کے لئے اس نے بہانہ کیا کہ اپنے ایک بیٹے کا ختنہ کرے، اور جیسا کہ مسلمانوں میں رواج ہے اس نے خاص خاص پٹھان سرداروں کو مدعو کیا۔ انھوں نے دعوت نامہ تو قبول کر لیا مگر یہ درخواست کی کہ انھیں ہتھیار سجا کر آنے کی اجازت دی جائے۔ اس نے ان کے اس طرح حاضری دینے پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ انھیں یہ رعایت دینے کہ وہ اپنے برچھوں، تیروں، تلواروں اور ڈھالوں سمیت آئیں، ہر قسم کے شکوک کو زائل کر دے گا۔ جب سب کے سب بیٹھ گئے تو فدائی خاں نے ایک تربوز منگوایا اور اس میں اپنی چھری داخل کرتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر اپنی انگلی پر زخم لگا لیا۔ اب اس نے مہمانوں سے ذرا دیر کی غیر حاضری کی اجازت چاہی کہ وہ اپنے زخم کی دیکھ بھال کر سکے اور فوراً ہی واپسی کا وعدہ کیا۔ وہ ایک کمرے میں چلا گیا اور اس اثنا میں اس کے سپاہیوں نے، جو پہلے ہی سے کارگذاری کے لئے اپنی بندوقوں اور تیروں سے لیس موجود تھے، تمام پٹھان سرداروں کا جو تعداد میں باون تھے، صفایا کر دیا۔ اس طرح اس نے پٹھان سرداروں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ اب پٹھان بغاوت نہ کر سکتے تھے، اور اس بات سے بادشاہ بہت مطمئن ہوا۔ اب چونکہ بغاوت کی توقع نہ تھی اس لئے بادشاہ نے فدائی خاں کی جگہ شہزادہ اکبر کو اسد خاں، وزیر اعظم کے ہمراہ روانہ کیا۔ راستہ میں ان لوگوں نے خلعتیں تقسیم کیں اور یہ اعلان کیا کہ بادشاہ نے فدائی خاں کو فدائی اور صلح کی شرائط کو توڑنے کی سزا دینے کے لئے دربار میں طلب کیا ہے۔ پٹھان مطمئن ہو گئے، لیکن اکبر باپ کے خلاف بغاوت کرنے کے موقع کا متلاشی تھا لہٰذا وہ اس کام میں پٹھانوں کو استعمال کرنا چاہتا تھا بشرطیکہ وہ اس کا ساتھ دیں۔ مگر دوراندیش اسد خاں نے اس کے دل سے یہ خیال نکال دیا۔

جب اورنگ زیب دلی آیا تو اس نے بہادر خاں کو حکم بھیجا کہ وہ شیوا جی سے صلح توڑ کر مستقل جنگ شروع کر دے۔ اس کے ساتھ ہی اسے شاہ گولکنڈہ کو بھی اس بات پر پریشان کرنا تھا کہ اس نے شیوا جی کو جو مغل سلطنت کا دشمن تھا کرناٹک جانے کے لئے اپنی مملکت سے راستہ کیوں دیا جس کے باعث اس نے قلعوں کو فتح کر کے اپنی قوت بڑھائی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ گولکنڈہ سے راستہ دینے کی سزا کے طور پر کثیر دولت، سامان حرب، ہیرے جواہرات اور ان کے علاوہ بادشاہ کا ایک خاص ہاتھی طلب کیا گیا۔ یہ سب کچھ دینا اس نے منظور کیا۔ یہ ہاتھی محض بڑے ڈیل ڈول کا ہی نہ تھا بلکہ اس کے دانت بھی مڑے ہوئے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ دوسرے ہاتھیوں کے دانتوں کی طرح سیدھے نہ تھے بلکہ بھینس کے سینگوں کی طرح مڑے ہوئے تھے، اس طرح پورا ایک دائرہ بنانے کے بعد وہ سرے کے پاس آ کر ملتے تھے۔ ان دانتوں کے دائرے اتنے بڑے تھے کہ اورنگ آباد کے قلعے کے پھاٹک کی چوڑائی کا نصف تھے۔ باوجود یہ ضروری تھا کہ ہاتھی کو بڑی احتیاط کے ساتھ لے جایا جائے تاکہ وہ پھاٹک کے کناروں سے نہ ٹکرائے۔ اسی خصوصیت کے باعث ایک بار جب وہ تیزی سے جا رہا تھا تو ایک دانت پھاٹک میں اٹک گیا اور دو ٹکڑے ہو گیا۔ اسے ایک چمڑے کے چھلے سے جوڑا گیا مگر اس کی مرمت اس طرح کی گئی کہ اس کا حسن برقرار رہے ممکن نہ ہو سکا۔

شاہان گولکنڈہ اور بیجاپور سے اورنگ زیب کا رویہ مصلحت اندیشی پر مبنی تھا۔ اس طرح وہ آہستہ آہستہ ان کی قوت کم کرتا گیا۔ آج وہ گولکنڈہ سے ایک چیز طلب کرتا تو کل دوسری۔ ایک سال روپیہ طلب کرتا تو دوسرے سال سامان حرب۔ ہر سال بیجاپور سے بارش کے موسم میں وہ صلح کر لیتا اور ان سے شرائط کے مطابق کبھی کوئی قلعہ حاصل کرتا، کبھی روپیہ کبھی کوئی علاقہ یا صوبہ۔ بالآخر اس نے اپنے بیٹے اعظم تارا کی شادی کے لئے شاہ بیجاپور کی بیٹی کا رشتہ مانگا اور عہد کیا کہ اس اتحاد کے بعد کوئی جنگ نہ ہوگی مگر جب بارش کا موسم ختم ہو گیا تو اس نے پھر جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ اس نے بادشاہ کے تمام ملک پر قبضہ کر لیا اور اسے قیدی بنا لیا جیسا کہ میں مناسب جگہ پہ بیان کروں گا۔

اورنگ زیب کو یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں کوئی طاقتور شخص پٹھانوں کی بہادری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کابل کی سلطنت حاصل کرنے کے لئے اقدام نہ کرے لہٰذا اس مملکت میں کچھ عرصے اکبر

کے قیام کے بعد اس نے اکبر کی جگہ شاہ عالم کو متعین کیا کہ وہ پٹھانوں کے پڑوسیوں کو قابو میں رکھے۔
یہاں شاہ عالم لہو و لعب میں مبتلا ہو کر شراب و کباب اڑانے لگا، اس لئے کہ یہاں شراب اچھی ملتی ہے۔
یہاں لوگ ایک عجیب کام کرتے ہیں۔ شراب بنا کر اُسے مٹی کے برتن میں رکھتے ہیں اور ان میں
سے چند میں جنہیں وہ رکھنا چاہتے ہیں، ایک مٹی کا گولا ڈال دیتے ہیں جس کے اندر خول ہوتا ہے۔
پھر وہ برتن ہر طرف سے بند کر دیا جاتا ہے دو سال کے بعد جب برتن کو کھولتے ہیں تو گولا تہہ میں ہوتا
ہے یہ اس بات کی نشانی ہے کہ گولے میں شراب بھری ہوئی ہے۔ یہ شراب محض بڑے بڑے روسا
ہی کو دی جاتی ہے، کیونکہ وہ سارے برتن کی روح ہوتی ہے۔

شاہ عالم نے اس شراب سے اپنی روح کو اتنا زیادہ تر و تازہ رکھا کہ بالآخر اس کے استاد نے
بادشاہ کو خط لکھ دیا۔ بادشاہ نے اُسے تنبیہہ کا خط لکھا اور اسے دربار میں طلب کر لیا۔ لیکن استاد کو
واپسی کے سفر میں جاسوسی کرنے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ شاہ عالم نے اپنے ایک سردار کو یہ حکم دیا کہ جب
وہ فوج سے ذرا علیحدہ ہو کر رہا ہو تو اسے قتل کر دے۔ ابھی جب شاہ عالم کابل میں ہی تھا تو یہ کام
اسی طرح سر انجام پایا۔

جب میرے پاس کافی سرمایہ جمع ہو گیا تو میری خواہش یہ ہوئی کہ میں مغل سلطنت سے نکل کر
ایک بار پھر عیسائیوں کے درمیان زندگی گزاروں۔ گوا جا کر میں یہ کام نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ ان
حضرات کا طرزِ زندگی میرے موافق نہ تھا۔ میں نے ایک گاؤں میں رہنا طے کیا جس کا نام بندورا تھا
جس کے مالک جیسوٹ پادری تھے۔ یہ لوگ اپنے لوگوں کے علاوہ کسی پرتگالی کو یہاں رہنے نہیں دیتے۔
جیسے ہی کوئی سفید فام یہاں آتا ہے وہ اس پر اپنا ایک جاسوس مقرر کر دیتے ہیں جو اس کا مستقل
پیچھا کرتا ہے۔ ایسے شخص کو وہ کسی قیمت پر بھی گاؤں میں سونے کی اجازت نہیں دیتے۔ بہر حال
چونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ میں مضرت رساں شخص نہیں ہوں اس لئے انہوں نے مجھے وہاں قیام کرنے
دیا۔ یہ تجارتی جگہ تھی اس لئے گاؤں میں مختلف اقوام کے تاجر رہتے تھے۔

یہ خبر مشہور ہو گئی کہ میں لاہور چھوڑنا چاہتا ہوں، اور میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ خبر غلط ہے
اس لئے کہ وہاں کے چھوٹے بڑے سب مجھے وہاں سے جانے کی کبھی اجازت نہ دیتے۔ وہاں میرا
بڑی شہرت تھی اور ہر شخص میرا لحاظ کرتا تھا۔ مجھے وہاں روکنے کے لئے انہوں نے مجھ پر جاسوس مقرر

گئے تاکہ میں نکل نہ سکوں۔ لیکن میں نے اپنے ارادے کو اس طور سے عملی جامہ پہنایا کہ جاسوس دھوکا کھا گئے۔ کسی کو اطلاع دیئے بغیر میں نے رات کو روانگی اختیار کی اور اس طرح سفر پر نکلا کہ سارا بھاری سامان پیچھے چھوڑا۔ گھر کی ہر چیز کو حسب معمول رہنے دیا اور آخرکار بندورا پہنچ گیا۔

یہاں مجھے بہت سے لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ میں ایک جہاز خرید لوں اور اس طرح اپنے سرمائے کو بے خطر رہنے دوں۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے جہاز کا سربراہ ایک پرتگالی شخص اگنیشیو دا تیدہ کو بناؤں جس کے بارے میں عام شہرت یہ تھی کہ وہ بہت اچھا عیسائی ہے۔ میں نے اپنا جہاز اور اس کے سامان کو اس شخص کے سپرد کیا جس کی کل لاگت چودہ ہزار روپے ہوئی۔ یہ دیکھ کر کہ میں اس شخص پر اعتماد کر رہا ہوں اور لوگوں نے بھی اُسے گراں قدر رقمیں دیں۔ اس شخص کو میرے احکامات یہ تھے کہ وہ قافلے کے ساتھ رہے۔ لیکن اس کے دل میں اور ہی خیالات تھے۔ وہ قافلے کے ساتھ تھوڑی مدت ہی رہا۔ اس کے بعد وہ پیچھے رہ گیا اور جہاز کو چھوڑ کر غائب ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے جہاز کے سامان کی ضمانت پر کثیر رقم بطور قرض جمع کی تھیں جسے جہاز کی محفوظ واپسی پر ادا کرنا تھا۔ اب اس نے یہ کہانی بنائی کہ بحری قزاقوں نے اس کا جہاز چھین لیا۔ اس طرح وہ قرض کی رقم واپس کرنے کا ذمہ دار نہ ٹھہرا۔ اس طرح میرا سارا سرمایہ ڈوب گیا اور اب میرے پاس روزمرہ کے خرچ کے لئے معمولی رقم کے علاوہ کچھ نہ بچا۔

یہ دیکھ کر کہ اب کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں اور میں بیمار بھی ہو رہا ہوں میں نے یہ ارادہ کیا کہ تندرست ہونے کے بعد مغل سلطنت میں واپس جا کر ایک بار پھر قسمت آزمائی کروں۔ پس جب میں صحتیاب ہوا تو اپنے ہمراہ ایک پادری جس کا نام میں احتراماً ظاہر نہیں کروں گا اور ایک شخص انٹونیو ماخادو کو لے کر بندورا سے روانہ ہوا۔ یہ شخص اپنی شیخیوں اور اکڑفوں کے لئے بہت مشہور تھا اور بالآخر اس کا یہی رویہ گویا اس کے قتل کا باعث ہوا۔

آگرے پہنچ کر میں نے پادری کو وہیں چھوڑا جسے وہاں کچھ کام تھا۔ دوسرے شخص نے میرے ساتھ دلی جانے کی خواہش کی۔ وہاں اس نے زبردستی میرے ساتھ رہنے کی کوشش کی مگر میں نے انکار کر دیا اور وہ کہیں اور قیام کرنے پر مجبور ہوا۔

جیسے ہی میں دلی پہنچا بہت سے امرا کو میری آمد کی اطلاع ہوئی اور انھوں نے مجھے

بڑا دیا۔ ان میں خاص طور پر شاہ عالم کا امیر تشریفات تھا جس کی بیوی بہت بیمار تھی اور اسے دو بڑے طبیبوں نے جواب دے دیا تھا اس کے علاج سے میری شہرت بڑھ گئی جو میری ایک برس کی غیر حاضری سے کچھ ماند پڑ گئی تھی۔ اس خاتون کے علاج کے بعد جسے وہ جواب دے چکے تھے، ایرانی طبیبوں نے دربار سے میرے مستقل تعلق کو پسند نہ کیا۔ اس سبب سے میں نے لاہور منتقل ہونے کا فیصلہ کیا کیونکہ میں نے یہ محسوس کیا کہ دربار میں میری جگہ نہیں ہے۔

اس ارادے سے میں خفیہ طور پر وہاں سے چل پڑا، مگر شہزادی یعنی شاہ عالم کی بیوی کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ میں نے امیر تشریفات کی بیوی کو اچھا کیا۔ پھر اس نے اپنے دل میں ان تمام معالجوں کا تصور کیا جو میں نے لاہور میں اس وقت سرانجام دیئے تھے جب شاہزادی کے والدین وہاں تھے۔ علاوہ ازیں میں نے خفیہ طور پر اس کے کان کی چھینسی کا بھی علاج کیا تھا۔ اس باعث ایک رات کو اس نے شہزادے سے یہ بات کہی کہ وہ مجھے اپنی ملازمت میں لے لے اور مجھے درباری امیر کی تنخواہ دے۔ شہزادی کے التماس کی خاطر جسے وہ بہت پیار کرتا تھا، شہزادے نے میری تنخواہ تین سو روپے ماہانہ مقرر کی اور مجھے منصب یعنی امیر کا عہدہ ملا۔ میرے ساتھ ایک خاص رعایت تھی اس لئے کہ مسلمان عیسائیوں کو اتنی عزت نہیں دیتے۔ علاوہ ازیں ایسے حکما و جراح سب سے بڑے حکیم کے ماتحت ہوتے ہیں۔ لیکن میرے ساتھ خاص رعایت ہوئی اور میں نے اس شرط پر ملازمت اختیار کی کہ مجھے آزادی ہو اور کوئی دوسرا شخص مجھے احکامات نہ دے۔ اس طرح میں نے شاہ عالم کی ملازمت اختیار کی گو میرے عیسائی دشمنوں نے اس بات کی ہر امکانی کوشش کی کہ شہزادہ مجھے ملازم نہ رکھے۔ یوں میں جو اورنگ زیب کی نوکری کو تیار نہ تھا اب اس کے بیٹے کا ملازم ہو گیا۔ میں نے یہ ملازمت ۱۶۷۸ء میں شروع کی۔

۱۶۷۶ء میں یہ ہوا کہ اورنگ زیب نے شیواجی اور بیجاپور کے خلاف بہادر خاں کی مہمات سے غیر مطمئن ہو کر اس کی جگہ دیر خاں کو تعینات کیا اور اسے دربار میں واپس بلا لیا۔ وہ واپس آیا مگر اس نے تصنع اور بے جا شان و شوکت کا مظاہرہ اس قدر کیا کہ بالآخر اورنگ زیب ناراض ہو گیا۔ اس نے اس کا عہدہ اور تنخواہ ضبط کر لی اور پھر اس کی جانب کوئی توجہ نہ دی۔ کچھ عرصے تک وہ اسی حالت میں رہا۔ بعد ازاں شاہ عالم نے اس معاملے میں اس طرح مداخلت کی کہ آخر کار بادشاہ نے شہزادے کی درخواست منظور کر لی اور اس کی تنخواہ اور عہدہ برقرار کر دیا۔ اس کے باوجود بہادر خاں کے رویے میں فرق

نہ آیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس بات پر قائم رہا کہ اس کے عہدے اور تنخواہ کو برقرار رکھنا یا اس میں مزید اضافہ کرنا بادشاہ کا فرض ہے۔

اس اثنا میں جو کچھ دلیر خاں سے ہو سکتا تھا اس نے خود کو شیوا جی سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا۔ جو سوا اس کے کہ ہر چہار جانب لوٹ مار کرے اور کچھ نہ کرتا تھا۔ شیوا جی نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ شاہ عالم کی مطلق پرواہ نہیں کرتا ایک بار تو اورنگ آباد کے صدر دروازے تک پہنچ گیا اور شاہ عالم کچھ نہ کر سکا ـــــ یہی نہیں اسے خوف ہوا کہ کہیں شیوا جی گرد و نواح میں حملہ کر کے چاروں طرف لوٹ مار نہ مچا دے۔ شیوا جی کے جاسوس اتنے تیز تھے کہ اسے ہر اس جگہ کا علم تھا جہاں لوگ اس کے خوف سے اپنی دولت زمین میں دفن کر دیتے تھے۔ لیکن شیوا جی زیادہ مدت تک یہ نہ کر سکا اس لئے کہ اِدھر اُدھر بھاگ کر اس نے خود کو تھکا دیا اور ۱۶۸۰ء میں خون تھوک تھوک کر مر گیا۔ اورنگ زیب نے اپنے اس عظیم دشمن کی موت پر سکون محسوس کیا۔

اسی سال دریائے سندھ کے اس پار راجہ جسونت سنگھ فوت ہو گیا۔ اس کی موت کی خبر سن کر اورنگ زیب نے صوبیدار کو یہ حکم بھیجا کہ وہ راجہ کے دونوں بیٹوں کو دربار روانہ کر دے۔ اس نے انہیں بھی براہ راست خط لکھا کہ وہ ان کے باپ کی خدمات کا انعام دینا چاہتا ہے۔ یہ دونوں پانچ سو سواروں کے ہمراہ آئے اور باقی ماندہ سوار اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

جب وہ دلی میں وارد ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ انعام و اکرام کے بجائے اورنگ زیب ان کے سر کٹانا چاہتا ہے۔ یہ سن کر صبح ہونے سے پہلے ہی وہ شہر سے فرار ہو گئے اور ڈھائی سو سواروں کو بارہ محرابوں والے پل پر جو ہمایوں کے مقبرے کے سامنے ہے متعین کیا کہ وہ وہاں سے کسی کو گذرنے نہ دیں تاکہ کم عمر راجہ پکڑے نہ جائیں۔ صبح کو اورنگ زیب کو یہ اطلاع ملی کہ راجہ فرار ہو گئے ہیں۔ اس نے فوراً ایک دستہ روانہ کیا کہ ان کا پیچھا کر کے انہیں گرفتار کرے۔ لیکن ڈھائی سو راجپوتوں نے نہایت بہادری سے راستے کی حفاظت کی اور کسی کو ادھر سے گزرنے نہ دیا۔ دونوں جانب لوگ مارے گئے مگر کوئی گذر نہ سکا۔ پھر جب رات آئی تو یہ راجپوت اپنے ان ساتھیوں سے مل گئے جو راجاؤں کے ساتھ تھے۔ جو لوگ مرے ان میں مردانہ لباس میں ملبوس دو عورتیں بھی تھیں جنہوں نے اورنگ زیب کے ظلم کے خلاف اپنے راجاؤں کی حفاظت کرتے ہوئے بخوشی اپنی جانیں نثار کر دی تھیں۔

راجہ جسونت سنگھ کی موت نے اورنگ زیب کے لئے ہندوؤں پر مزید مظالم کا دروازہ کھول دیا اس لئے کہ اب کوئی بہادر اور طاقتور راجہ ایسا نہ رہا تھا جو ان کو بچا سکتا۔

راجپوتوں کے فرار پر ناراض ہو کر اورنگ زیب نے مشہور رانی جسونت سنگھ کی بیوی کے خلاف معرکہ گرم کیا، مگر اس رانی نے اورنگ زیب کو بہت سے خطوط روانہ کئے جن میں اس کی ناراضگی کی وجہ دریافت کی۔ اس نے اُسے ان تمام مراعات کی یاد بھی دلائی جو تمام سابقہ مغل بادشاہوں کی طرف سے ریاست کو ملی تھیں۔ لیکن طاقتور شخص کے سامنے دلائل بیکار ہوتے ہیں۔ پس رانی کو مجبوراً ایک صوبہ اور شہر مانڈل اورنگ زیب کی نذر کرنا پڑا۔

رانی سے صلح ہو جانے کے بعد اورنگ زیب آگرے گیا کہ وہاں باپ کے بنوائے ہوئے محلات اور باغات میں چند دن آرام کرے۔ لیکن وہ زیادہ دن وہاں نہ ٹھہرا۔ وہ پیدا ہی اس لئے ہوا تھا کہ دوسروں کو تکلیف دے اور خود ان سے تکلیف اٹھائے۔ گو وہ شیواجی اور ان دو ریاستوں بیجاپور اور گولکنڈہ سے حتی الامکان جنگ کر چکا تھا لیکن اور جنگ کے لئے بیتاب تھا۔ اس نے رانا اودے پور کے خلاف جنگ کی جس کے بعد ایک اتنی بڑی تباہی ہوئی جس میں وہ مکمل تباہی کے قریب پہنچ گیا۔

اورنگ زیب نے اس رانا کے خلاف جنگ کا مکمل ارادہ کر لیا۔ چونکہ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ بے سبب جنگ نہیں کر رہا ہے اس لئے اس نے اس کے پاس سفیر بھیجے جو ایسے مطالبے لے کر گئے جن کا مطلب یہ تھا کہ یا تو وہ مسلمان ہو جائے یا پھر اورنگ زیب کے برچھیوں کی طاقت، اس کی تلوار کی کاٹ، اس کے تیروں کی تیز اڑان، اس کی توپ خانے کی آگ اور اس کے سپاہیوں کی جان لیوا شجاعت کا مقابلہ کرے۔ پیغام کی تمہید کچھ اسی طرح کی تھی۔ پیغام ایک عصا بردار لے کر گیا جس کے پاس سونے کا عصا تھا۔ پہلا مطالبہ یہ تھا کہ رانا اپنی بیٹی کی شادی اورنگ زیب کے کسی بیٹے سے کر دے۔ یہ ایک ایسا مطالبہ تھا جسے رانا کبھی پورا نہ کرتا۔ گو اور کئی راجپوتوں نے مغلوں کو اپنی بیٹیاں دی تھیں مگر انہوں نے یہ اس لئے کیا کہ وہ رانا کے مقابلے میں بہت چھوٹے راجہ تھے۔

یہ بات دوسرے مطالبہ کے مقابلے میں کچھ نہ تھی۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ وہ اپنے نام کا سکہ چلانے کے بجائے اورنگ زیب کے نام کا سکہ چلائے۔ یہ بات دراصل یہ کہنے کے مترادف تھی کہ رانا اپنی ریاست کا حکمران نہیں بلکہ محض ایک صوبیدار ہے اس لئے کہ سکہ تو اورنگ زیب کے نام کا ہوگا۔ تیسرا مطالبہ یہ

تھا جو ہندو مذہب سے متعلق تھا۔ اس نے اس بات کی اجازت چاہی کہ رانا کی مملکت میں گائے ذبح کی جائے۔ ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں اور اسے بہت زیادہ محترم خیال کرتے ہیں لہذا گائے ذبح کرنے کی اجازت طلب کرنا ہندوؤں کے لئے ان کا دھرم ختم کرنے کے برابر تھا۔

ہندو مذہب کو سلطنت میں ختم کر دینے کے منصوبے کا ایک اظہار چوتھا مطالبہ تھا جس کے مطابق رانا سے یہ تقاضہ کیا گیا کہ وہ تمام مندروں کو گرا کر ان کی جگہ مسجدیں بنوائے۔ سب سے آخر میں رانا کی سلطنت پر اپنے مکمل اختیار کے اعلان کے طور پر اس نے یہ تقاضہ کیا کہ وہ اپنی سلطنت میں قاضی کے اختیارات کو تسلیم کرے یعنی یہ کہ وہاں شرعی قوانین نافذ ہوں۔ اگر رانا ان مطالبوں کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ سلطنت چھوڑ دے۔

رانا نے اس کا یہ جواب دیا: جہاں تک پہلے مطالبے کا تعلق ہے ہمارے خاندان کا یہ کبھی رواج نہیں رہا کہ مغلوں کو اپنی بیٹیاں دیں۔ میں اپنے اجداد کی قدیم رسم کو نہیں توڑ سکتا۔ نہ ہی یہ بات مجھے زیب دیتی ہے کہ خاندان کے نام کو سستے میں بٹہ لگاؤں۔ دوسرے مطالبے کے بارے میں رانا کا جواب یہ تھا کہ وہ ان تمام مراعات کے خلاف ہے جو رانا کو بادشاہ سے کہ اس زمانے تک تمام مغل بادشاہوں سے ملتی رہی ہیں۔ اتنا کافی ہوگا کہ اورنگ زیب اپنے خاندان کے عظیم اور مشہور بادشاہوں کے واقعات پڑھ لے جن سے اس بات کی صداقت کا پتہ چل جائے گا۔

جہاں تک تیسرے اور چوتھے مطالبے کا تعلق ہے خود بادشاہ کی عقل اس بات کا فیصلہ کر سکتی ہے کہ کوئی بادشاہ ایسے مطالبے کو کیسے مان سکتا ہے جو اس مذہب کے خلاف ہو جو ہندوستان میں کئی صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ بادشاہ سلامت نے جو مطالبے کئے ہیں وہ ایسے ہی ہیں گویا رانا کا سر اور اس کی سلطنت کی تباہی کا مطالبہ کیا جائے۔

اورنگ زیب کے آخری مطالبے کے متعلق رانا نے یہ جواب دیا کہ چونکہ تیسرا اور چوتھا مطالبہ ہی قابل قبول نہیں ہے اس لئے وہ پانچویں کو بہت کم اہمیت دیتا ہے۔ ویسے ہر مذہب کی اپنی عدالتیں ہوتی ہیں جو اس کے عقائد سے مطابقت رکھتی ہیں۔ جہاں تک بادشاہ کے اس مشورے کا تعلق ہے کہ اگر مجھے یہ مطالبات منظور نہ ہوں تو میں سلطنت چھوڑ دوں، تو میرا جواب یہ ہے کہ سلطنت میرے اجداد نے جائز حق کی بنا پر حاصل کی تھی۔ انھوں نے کسی اور کی سلطنت میں بیجا مداخلت نہیں کی اور ہمیشہ اسی تھوڑے بہت

پرشاکر رہے جو ویژناؤں سے انہیں ملا۔ بادشاہ سلامت ان تمام باتوں کو ضرور خاطر میں لائیں گے اور پھر اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم میدان جنگ میں بہت سے ایسے سورماؤں کو اکٹھا کر سکتے ہیں جن کی شجاعت نے ہمیں وہ طاقت بخشی کہ تیمور کے ہندوستان کی سرزمین پر وارد ہونے سے بہت پہلے ہم نے ہندوستان کے بہت سے راجاؤں کو زیر کیا۔ یہ تمام باتیں مبنی بر صداقت تھیں۔ ان کے علاوہ رانا نے اورنگ زیب سے بصدق دل یہ درخواست کی کہ اس کی ریاست کو امن سے رہنے دے ایسی بہتیری ریاستیں موجود ہیں جو اس کی مخالف ہیں اور جن کے خلاف وہ اپنی شجاعت کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اس کی طرف سے کبھی ایسا نہ ہوا کہ وہ سات ہزار سوار اورنگ زیب کے ماتحت نہ رکھے اور اگر وہ کسی اور مملکت کی تسخیر کے لئے زیادہ فوج چاہے تو رانا اس کے مطالبے کو پورا کر سکتا ہے۔

اورنگ زیب جانتا تھا کہ رانا اسی قسم کا جواب دے گا۔ تاہم اس نے جواب کا انتظار کیا اور جیسے ہی آسے جواب ملا اس نے فوراً پیغام بھیج کر شاہ عالم کو دکن سے بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ شاہان بیجاپور اور گولکنڈہ سے صلح کرے جیسے باپ اپنے چھوٹے بچوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح وہ ان بادشاہوں سے برتاؤ کرے اور وہاں ایک چھوٹی سی فوج کے علاوہ جو شیواجی کو روکتی رہے اور کچھ نہ چھوڑے۔ اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے اس نے بہادر خاں کو شاہ عالم اور دبیر خاں کی جگہ بھیجا تاکہ یہ لوگ فوراً کوچ کریں اور صحیح وقت پر اس مقام پہ پہنچ جائیں جہاں انہیں پڑاؤ ڈالنے کے احکام تھے

کچھ پیغام رساں بنگال میں اعظم تارا کے پاس بھیجے گئے۔ اسے یہ حکم ملا کہ اپنی فوج کے ساتھ کوچ کرے اور اس مقررہ مقام پہنچے جہاں سے اُسے رانا کی ریاست پر حملہ کرنا تھا۔ دبیر خاں کو جو نہایت تجربہ کار سردار تھا یہ حکم ملا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ اس شہزادے سے مل جائے۔ اورنگ زیب نے شہزادہ اکبر کو بھی جو اس وقت ملتان میں تھا یہ خط لکھا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ آئے اور اپنے محافظ تہور خاں کو بھی لائے۔ ان کے لئے بھی ایک مقام کا تعین کیا گیا جہاں سے انہیں رانا پر حملہ کرنا تھا۔ گجرات کے صوبیدار کو بھی خطوط بھیجے گئے کہ وہ جلد از جلد ان سے جا ملے اور رانا کے خلاف محاذ جنگ قائم کرے۔ پس اس مہم کے لئے اورنگ زیب نے سارے ملک کو ہلا دیا۔ لوگ اس بات پر حیرت زدہ تھے کہ ایک ایسی جنگ کے لئے سارے ملک کو تہ و بالا کیا جا رہا ہے۔ جس میں فریق ثانی جنگ پہ آمادہ

رہا ۔ جو محض اپنے اجداد کے حقوق پر بھروسہ کر رہا ہے ۔ محض اپنی ریاست کا دفاع کرنا چاہتا ہے اور مغل سلطنت کو ختم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا ۔

اس طرح اس مہم کا منصوبہ تیار کیا گیا ، رانا کی مملکت کو گھیر لیا گیا اور اورنگ زیب ۱۶۷۹ء میں اجمیر سے روانہ ہُوا ۔ وہ اجمیر پہنچ کر رک گیا اور وہاں سے اپنے سرداروں کو مناسب احکامات بھیجے کہ وہ پوری قوت سے حملہ کریں اور بہادری سے جنگ کریں ۔ اس نے ہمت و آرام کا خیال کئے بغیر خود اپنی سمت سے بھی ریاست پر حملہ کر دیا ۔ جب رانا کو معلوم ہوا کہ اورنگ زیب ایک بڑی فوج کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے تو اس نے ان علاقوں کے باشندوں کو جو پہاڑوں کے دامن میں واقع تھے یہ احکام بھیجے کہ وہ مکانات خالی کر کے پہاڑیوں میں چلے جائیں ۔ مزید براں اس نے یہ حکم بھی دیا کہ شاہی محلات میں قالین بچھے رہنے چاہئیں ۔ اس نے اورنگ زیب سے بھی یہ استدعا کی کہ وہ اب زیادہ آگے نہ بڑھے ۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ رانا کے حسنِ اخلاق کو دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ محل میں قالین تک بچھے ہوئے ہیں ، متاثر ہوتا اور اپنی خواہشات کو اعتدال پر لاتا ۔ اورنگ زیب نے یہ سمجھ لیا کہ وہ یہ سب اس کے ڈر سے کر رہا ہے ۔ رانا کو حتی الامکان اذیت پہنچانے کے لئے اس نے یہ حکم دیا کہ تمام مندر ڈھا دیئے جائیں اور ان میں گائے ذبح کی جائے ۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ اتفاقاً وہ اس محل میں ہے جس میں سابق راناؤں کے مجسمے رکھے ہوئے ہیں اور حکمران رانا کا بت بیویوں اور ان کی خواصوں سمیت ہے ۔ اس نے مزید اذیت کے لئے انتہائی حقارت سے یہ حکم دیا کہ ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے ۔ لیکن رانا نے ایک دن یہ ثابت کر دیا کہ وہ کتنی آسانی سے اُسے تباہ کر سکتا ہے اور اس کے باوجود اس سے دوستی کا خواہش مند ہے ۔

اس مقصد کے تحت رانا نے تمام سڑکیں اس طرح بند کر دیں کہ چونکہ مغل پہاڑوں میں گھرے ہوئے تھے اب ان کے لئے نکلنے کی کوئی راہ نہ تھی ۔ نہ ہی وہ یہ جانتے تھے کہ کدھر جانا چاہئے اس لئے کہ تمام سڑکیں گورکھ دھندا تھیں اور مقامی باشندوں کے علاوہ کوئی یہ نہ جانتا تھا کہ کون سی سڑک کدھر جاتی ہے ۔ اورنگ زیب کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ یکبارگی اس طرح گھر گیا ہے ۔ اب نہ تو وہ آگے جا سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا ۔ اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اگر رانا نے اس کے خلاف اب تک کوئی کارروائی نہیں کی تو اس کا سبب یہ نہ تھا کہ وہ کر نہیں سکتا تھا بلکہ یہ کہ وہ کرنا نہیں چاہتا

تھا۔ مزید برآں اُسے یہ تشویش بھی لاحق تھی کہ اس کی محبوب ملکہ اودے پوری نہ اب تک خود آئی اور نہ اس کی کوئی خیر خبر ملی ہے۔ سامان رسد کے بارے میں بھی کوئی اطلاع نہ تھی۔ رانا نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا خود اپنی ریاست سے اُسے رسد بھیجی مگر ایک دن اُسے بھوکا رکھا تاکہ بھوک کے باعث اس میں صحیح فہم و فراست پیدا ہو سکے، لہذا اورنگ زیب اور اس کی فوج کو تھوڑی سی کھچڑی پر گذارا کرنا پڑا۔

کھچڑی چاول اور دال کو تھوڑے سے گھی میں پکا کر بناتے ہیں۔

تمام گرفتار [illegible] نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ اودے پوری بیگم کو بھیج دیا اور اس سے پھر استدعا کی کہ وہ واپس چلا جائے اور اس کی سلطنت میں امن قائم رہنے دے۔ اس نے اس بات کی معذرت چاہی کہ اس کے سپاہیوں نے اس کے [illegible] کے بغیر سڑکیں بند کر دی تھیں۔ اتنی سی بات اس وحشی بادشاہ کو بھی مطمئن کرنے کے لئے کافی تھی جو [illegible] کے باعث غضبناک ہوا ہو۔ اس کے برعکس یہاں معاملہ یہ تھا کہ رانا پر بے انصافی سے حملہ کیا گیا تھا اور وہ اپنے دشمن کو بلا عذر قتل کر سکتا تھا، مگر اس کے باوجود وہ اُسے زندگی بخش رہا تھا۔ لیکن محض [illegible] اخلاق سے متاثر ہو کر اورنگ زیب اپنے ارادے سے باز رہنے والا شخص نہ تھا۔ اس کے برعکس وہ اپنے بیٹوں اور سرداروں کو علم پر حکم بھیجتا رہا کہ وہ ریاست میں پیش قدمی جاری رکھیں اور خود اجمیر لوٹ گیا تاکہ دوبارہ [illegible] جو اپنے پاس اس نے دو ہزار آدمیوں سے زیادہ نہ رکھا جو بیشتر غلاموں اور حبشیوں پر مشتمل تھے اور اپنی پوری فوج کے کئی حصے کر کے اسے مختلف محاذوں پر تقسیم کر دیا اور یہ حکم بھیجا کہ وہ بلا جھجک حملہ کریں۔ تاہم اس کے بیٹے اور سردار جو اس سے زیادہ فہم و فراست کے حامل تھے مستقل کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتے تھے [illegible] انہیں یہ معلوم تھا کہ گورکھ دھندے میں پھنس جانا بہت آسان ہے مگر اس سے گذر کر منزل مقصود تک پہنچنا اور پھر اس راستے سے واپس ہونا بہت مشکل کام ہے۔ انھیں اس پریشانی کا علم تھا جو خود بادشاہ کو لاحق ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود ضرورت سے زیادہ شجاعت کے باعث اورنگ زیب اپنی مہم جوئی سے باز آنے کو تیار نہ تھا اور اس بات پر مصر تھا کہ ہر مشکل پر قابو پائے۔

—— ٭ ——

باب دوازدہم

رانا نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اورنگ زیب اس کی سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے کس حد تک خطرات مول لے سکتا ہے لیکن وہ بھی اورنگ زیب پر حملہ نہ کرنے کا عہد کر چکا تھا۔ پس اس نے یہ طے کیا کہ معاملات کو اس طرح نپٹایا جائے کہ خود بادشاہ کے بیٹے اپنے ضعیف باپ کے خلاف جنگ شروع کر دیں۔

اس نے یہ معلوم کر لیا کہ سب سے چھوٹا ہونے کے باوجود اکبر سب سے زیادہ بہادر اور شورش پسند ہے جیسا کہ اس نے بچپن ہی میں ظاہر کر دیا تھا۔ اورنگ زیب کی فوج میں اکبر کے پاس منتخب آدمی بھیجے گئے جنھوں نے اُسے یہ رائے دی کہ وہ بادشاہ بننے کے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اگر وہ اس وقت جرأت سے کام نہیں لیتا جب کہ اس کے باپ کے پاس کوئی فوج نہیں اور دوسرے شہزادے رانا کے علاقے میں ہیں اور اس کے مقابلے میں باپ سے زیادہ فاصلے پر ہیں، تو تاج و تخت حاصل کرنے کا ایسا دوسرا بہتر موقع کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ شہزادے نے اس رائے کو دل و جان سے قبول کیا جو اس کے سرداروں اور سپاہیوں کو بھی پسند آئی لہٰذا اس نے باپ کی گرفتاری اور قتل کے لئے پیش قدمی شروع کر دی۔

جاسوسوں نے اس بغاوت کی اطلاع شاہ عالم کو دی مگر اس نے اس خبر پر اعتقاد نہ کیا کیونکہ

کم اسے قابلِ توجہ نہ سمجھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ معاملہ بہت اہم تھا جس کی اطلاع باپ کو دینی ضروری تھی
مگر وہ اورنگ زیب کو لکھتے ہوئے ڈرتا تھا کہ وہ اکبر سے محبت کے باعث اس (شاہ عالم) کے خطوط پر
اعتبار نہ کرے گا۔ اس کے برعکس شاید باپ کو یہ گمان ہو کہ شاہ عالم نے یہ خطوط کسی سازش کے تحت لکھے ہیں۔
تاہم چونکہ یہ خبر بہت اہم تھی اس لئے اس نے اپنے سرداروں کو بلایا اور ان کی موجودگی میں جاسوس
کے کہے ہوئے اصل لفظوں کو لکھوایا۔ جاسوس نے کہا کہ ایک طوفان کھڑا ہونے والا ہے اس لئے کہ
اکبر نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے اور اپنے باپ کو گرفتار کرنے کے ارادے سے پیش قدمی شروع
کر دی ہے۔ سرداروں نے جاسوس کے بیان کے نیچے اپنے دستخط ثبت کئے۔ اس طرح شاہ عالم نے فوراً
یہ خبر اورنگ زیب کو بھیجی۔ اورنگ زیب کو جو محبت اکبر سے تھی اس کے باعث اس نے شاہ عالم
کے خط پر یقین نہ کیا اور یہ کہا کہ یہ سب من گھڑت کہانی ہے اور بغاوت کا کوئی وجود نہیں ہے۔۔

لیکن اسی روز اورنگ زیب کو دوسرے حلقے سے یہ خبر آئی کہ اس نے فی الواقعی بغاوت کر دی ہے اور
اپنی فوجوں کے علاوہ راجپوت فوجوں کو بھی ساتھ ملا لیا ہے جو دوسرے تیس ہزار راجپوتوں کی جمعیت میں ہیں جس کے سالار دو
مشہور سردار درگا داس اور سونگ ہیں۔ وہ دہلی کی طرف یلغار کر رہا ہے۔ اورنگ زیب کو سخت
پریشانی لاحق ہوئی اور اس نے اس محل سے جو جھیل کے کنارے بنا ہوا تھا اور جہاں اس کی رہائش
تھی، مدافعتی کارروائی شروع کی۔ اس نے قلعہ بند ہونے سے انکار کر دیا اور جو تھوڑے بہت آدمی اس کے
پاس تھے انہیں دروازوں اور دریچوں کی نگرانی سپرد کی اور انہیں حکم دیا کہ وہ بہت زیادہ احتیاط برتیں۔ اس
نے یہ سمجھ لیا کہ اب اس کہاوت کا مفہوم سمجھنے کا وقت آ گیا ہے کہ ”جیسا کرنا ویسا بھرنا“۔ اس نے جیسا کیا
ویسا ہی پایا اور جو کچھ اس نے اپنے باپ کے ساتھ کیا تھا اب اسے اس کا عوض مل رہا تھا۔ بہر حال اب وہ
ہر ایسے طریقِ کار کا استعمال کر رہا تھا کہ اس مسئلہ سے درگذر کر سکے۔ اس نے اپنی رہائش گاہ کو محفوظ کرنے
کے لئے حتی الامکان ہر کوشش کی۔ اس کے گرد ہلکی توپیں نصب کیں اور سنتری مقرر کئے۔ اس نے شاہ
عالم اور دیگر سرداروں کو خطوط لکھے کہ وہ فوراً اس کی مدد کو پہنچیں۔ اس سبب سے شاہ عالم پیچھے مڑا تاکہ
اورنگ زیب سے مل سکے۔ اورنگ زیب نے اجمیر سے روانہ ہو کر اس مقام پر پڑاؤ ڈالا جہاں اس نے
دوسری بار دارا کا مقابلہ کیا تھا۔ ہم باغی شہزادے سے تین گھنٹہ پہلے اس مقام پر پہنچ گئے۔ اورنگ زیب
نے میدان میں آنے سے پہلے اکبر کو اس مضمون کا خط بھی لکھا کہ میں نے تمہاری فرمانبرداری سے متعلق

خط خبر یہ تنی ہیں اس سے جو تمھیں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے ۔ میں اس کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں اور اگر یہ سچ ہے کہ تم نے بغاوت کی ہے تو اس بغاوت کی وجہ کیا ہے تمھیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس حالت پر پیاری اولاد کی بغاوت مناسب نہیں ہے، بالخصوص اس وقت جبکہ باپ اپنی اولاد کی شان و شوکت میں اضافے کے لئے ایک بڑی مہم سر کرنے میں مشغول ہو تمھیں میرا مشورہ یہ ہے کہ اس موقع پر اپنے جوش و دلولے کو ختم کر دو اور سلطنت کو انتشار میں مبتلا نہ ہونے دو۔ اس وقت خاموش رہو تاکہ رانا کے خلاف مہم جاری رہ سکے۔ مناسب وقت پر تمھیں خود یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں تمھیں کتنا عزیز رکھتا ہوں۔

اس خط کے ملتے پر اکبر نے اپنے ارادوں کا اظہار ضرورت سے زیادہ وضاحت سے کیا۔ اس نے نہایت جرأت سے باپ کو لکھ بھیجا کہ میں نے فی الواقعی بغاوت کی ہے اور لڑنے کے پختہ ارادے سے پہاڑوں کی گھاٹیوں کو چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ میری بغاوت کا سبب وہی ہے جو میرے باپ نے مجھے سکھایا ہے۔ کیا آپ نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت نہیں کی تھی۔ آج ساری مملکت آپ کے مظالم سے تنگ آ چکی ہے۔ بالخصوص ان حقوق اور اختیارات کی ضبطی کے باعث جو آپ کے اجداد نے ہندوستان کے مختلف لوگوں کو بخشے تھے۔ لہٰذا آپ جنگ کی تیاری کیجئے اور گھوڑے پر سوار ہو جائیے کہ میں سیدھا آپ ہی سے جنگ کرنے کے لئے آ رہا ہوں۔

اس پیغام کو سن کر اورنگ زیب اور زیادہ پریشان ہوا ۔۔۔ وہ اپنے بیٹے سے اتنا زیادہ خوفزدہ نہ تھا جتنا کہ تیس ہزار راجپوت سواروں سے۔ وہ یہ جانتا تھا کہ ان راجپوتوں کے لئے ان ذلتوں کا بدلہ لینے کا اچھا موقع تھا، جو اس نے رانی اور جسونت سنگھ کے بیٹوں کے حق میں روا رکھی تھیں ۔۔۔ تاہم یہ دکھلانے کے لئے کہ وہ خوفزدہ نہیں ہے اس نے اکبر کو لکھا کہ تم آؤ اور میں گھوڑے پر سوار ہو کر تمہارا انتظار کروں گا۔ اس مقصد کے لئے اس نے فولاد کا ایک لمبا نیزہ بنوایا اور اپنے خوبصورت گھوڑے کے سر پر اسے نصب کرایا۔

جب ہماری فوج میں یہ خبر پہنچی تو خاصا شور و غوغا ہوا۔ وہ لوگ جو اکبر کی قوت و مقصد کا سے واقف تھے، اور یہ جانتے تھے کہ اورنگ زیب کے پاس محض تھوڑی سی فوج ہے وہ سوچنے لگے کہ انھیں اکبر سے مل جانا چاہیے، جو اس وقت زیادہ طاقتور حریف تھا۔ مجھے یہ بات معلوم ہے

کہ شاہ عالم کو اس نئی صورتِ حال سے بہت زیادہ تشویش لاحق ہوئی تھی۔ اکبر کی غلطی یہ تھی کہ اس نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں پھرتی نہ دکھائی۔ اگر اس نے بغاوت کے سبق کے علاوہ باپ سے یہ بھی سیکھا ہوتا کہ وقت ضائع کئے بغیر پوری قوت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ بادشاہ بن گیا ہوتا کیونکہ اورنگ زیب کے پاس مدافعت کے لئے آدمی نہ تھے۔ لیکن چونکہ اکبر کی فوج میں ایسے آدمی بھی تھے جو اورنگ زیب سے محبت کرتے تھے، لہذا اورنگ زیب نے یہ انتظام کر لیا کہ نجومی اکبر کو یہ بتائیں کہ وہ پیش قدمی سے پہلے چند دن انتظار کرے۔ یہ وقت تخت کی تیاری اور تاجپوشی کے جشن کے لئے ساز و سامان کی فراہمی پر صرف ہوا۔ انہوں نے یہ اس لئے کیا کہ اورنگ زیب کو وقت مل جائے تاکہ وہ اپنی مدافعت کے لئے فوج اکٹھی کر سکے۔

کچھ لوگوں نے آ کر شاہ عالم کو یہ بتایا کہ اکبر کا ہراول دستہ اتنے عزم سے پیش قدمی کر رہا ہے کہ ان کے جوش و غضب کو روکنے کے لئے ہماری تعداد بہت کم ہے۔ اس بات سے اورنگ زیب نے، گو وہ اب بھی دعا تعویذ پر بھروسہ کر رہا تھا، یہ جان لیا کہ اس کا خاتمہ یقینی ہے۔ گو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد لوگ آتے جا رہے تھے پھر بھی ان کے پاس کافی آدمی نہ تھے۔ ان علاقوں میں یہ زمانہ بارشوں کا تھا یعنی یہ کہ ۱۶۸۱ء کے جنوری کا مہینہ تھا۔ بارش ہو رہی تھی اور اس کے علاوہ ریت کی کیچڑ اور دلدل سے ہمیں بہت اذیت اٹھانی پڑی۔ بہرحال ہم اکبر اور اس کی فوج کے ظاہر ہونے سے گھنٹوں پہلے وہاں پہنچ گئے۔ حالانکہ اکبر کے مقابلے میں ہم زیادہ دور سے آ رہے تھے۔ اکبر نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں چار دن لگائے۔ گو وہ دو دن میں یہ کام کر سکتا تھا، جبکہ اورنگ زیب بلا کسی قوت و سپاہ کے تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت خود اس بغاوت کا اعلان کر رہی تھی۔ کیونکہ حضرت مسیح کی پیدائش سے ایک دن پہلے یعنی ۲۴ دسمبر ۱۶۸۰ء کو ایک بڑا دمدار ستارہ نمودار ہوا۔ اس واقعہ سے ہمارے لشکر میں فکر و ہراس پھیل گیا کہ خدا جانے اب کیا ہو۔

حالانکہ ہم اس سے مل چکے تھے لیکن اورنگ زیب راجپوتوں سے بہت زیادہ خوف زدہ تھا اور خود کو اب بھی غیر محفوظ سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ اپنی عام چالوں پر اتر آیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اگلے دن جنگ ہونے والی ہے اس نے اکبر کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں اس نے یہ لکھا کہ اس نے اکبر کو ہمیشہ فرمانبردار فرزند سمجھا ہے اور اس فرضی بغاوت سے یہ بات ضروری ہے کہ اس ساری کارروائی کو نہایت فرض شناسی

کے ساتھ پانچ میل تک پہنچا دیا جائے۔ اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ راجپوتوں کو میدان جنگ میں اوّلین صفوں میں رکھنا ہے اور جنگ کے دوران میں پیچھے جا کر اسے اپنا کام سرانجام دینا ہے۔ اس طرح وہ جتنوں کو بھی مار سکے مار دے۔ باقیوں کو شاہی فوج ختم کر دے گی۔ اس طرح راجپوتوں سے بدلہ لیا جا سکے گا۔ اور انہیں مکمل طور پر تباہ کر دیا جائے گا۔ اس نے یہ خط اس لئے لکھا کہ اسے یہ معلوم تھا کہ راجپوتوں نے خود کو اگلی صفوں میں جنگ کرنے کے لئے پیش کیا ہے اور اس طرح جب وہ خط پکڑ لیں گے تو اکبر پر شک کریں گے اور اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے ——— یہی ہُوا۔ کیونکہ جب راجپوتوں کے ہاتھ خط پڑا تو انہوں نے سمجھا کہ ان سے دھوکہ کیا گیا ہے اور وہ اکبر کو مطلع کئے بغیر فوراً میدان جنگ سے بھاگ گئے۔

اکبر آدھی رات کو ... کام کو سر کرنے اٹھا جب کہ اس کام کے آغاز کا وقت نکل چکا تھا۔ اسے یہ گمان تھا کہ راجپوت اپنی جگہ ... ہوں گے مگر اس کے برعکس اس کا پڑاؤ خالی ہو چکا تھا اور اب اس کی باقی ماندہ فوج بھی بھاگ ... تھی۔ اس کے پاس محض کُل تین آدمی رہ گئے تھے۔ یہ دیکھ کر کہ اس کے سپاہی اس کا ساتھ چھوڑ گئے شہزادے کو انتہائی ناامیدی ہوئی۔ اب وہ یہ فیصلہ نہ کر سکتا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ تہور خاں سے جو بادشاہ کا ... یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ منصوبہ غارت ہو گیا، اکبر کو بادشاہ بنانے کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ اس نے شہزادے سے یہ کہا کہ اب جبکہ ہمارے پاس کافی آدمی نہیں ہیں بغاوت کے منصوبے کی تکمیل نہیں ہو سکتی لہٰذا آپ اپنے ان آدمیوں کے ساتھ یہیں ٹھہریں اور میں بادشاہ کو قتل کرنے جاتا ہوں۔

اس منصوبے کو پورا کرنے کے لئے وہ شاہی پڑاؤ میں داخل ہوا۔ وہ زرہ بکتر میں ملبوس تھا۔ ہر چوکیدار کو جو اسے ٹوکتا وہ یہ کہتا کہ وہ تہور خاں ہے اور چونکہ اسے سب جانتے تھے لہٰذا بلا کسی وقت کے وہ گزرتا گیا۔ باد و باراں کے طوفان میں وہ شاہی خیمہ جات تک پہنچ گیا۔ اگر اس وقت اسے داخل ہونے دیا جاتا تو وہ اور اس کے آدمی بادشاہ، شاہ عالم اور اس کے بیٹوں کا خاتمہ کر دیتے۔ وہ اس وقت بالکل غیر محفوظ تھے اس لئے کہ سردی اور بارش کے باعث سپاہی خیموں میں بیٹھے تھے۔ اس وقت شاہی خیمہ کی حفاظت ایک یا دو دربان کر رہے تھے۔ محافظوں کا سردار لطف اللہ خاں خیمے کے دروازے کے اوپر تھا۔ اس نے اس غدار کو ٹوکا اور دریافت کیا کہ وہ کون ہے۔ اس شخص

نے یہ سمجھتے ہوئے کہ چونکہ وہ بادشاہ کا ملازم ہے اس لئے اُسے بہ آسانی گذرنے دیا جائے گا، نہایت بے باکی سے جواب دیا کہ وہ تہور خاں ہے۔ لیکن لطف اللہ خاں نے اسے روک لیا بادشاہ کو خبر پہنچائی۔ تہور خاں کو ہتھیار اتار کر اندر جانے کی اجازت ملی۔ لطف اللہ خاں سے یہ سن کر تہور خاں نے جواب دیا کہ میں اس تلوار کو اتار نہیں سکتا جسے خود بادشاہ میری کمر کی زینت بنایا ہے اس پر لطف اللہ خاں نے کہا کہ جب تک تم تلوار نہیں اتارو گے اندر نہ جا پاؤ گے۔ اس بات پر ان کے درمیان کچھ تکرار ہوئی۔ اس جھگڑے کو سننے کے لئے لوگ جمع ہو گئے۔ تہور خاں کے خون نے جوش مارا اور اس نے زبردستی اندر جانے کے لئے تلوار کھینچ لی۔ اس پر لطف اللہ خاں اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی تلواریں سونت لیں اور تیغ آزمائی ہونے لگی۔ تہور خاں زرہ پہنے ہوئے تھے اس لئے وہ انہیں خاطر میں نہ لایا۔ چند لمحوں میں بادشاہ نے بھی یہ شور و غوغا سن لیا اور اس نے زور سے کہا کہ مداخلت کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ بچاؤ کی کوشش میں تہور خاں کا پیر گھوڑے کی پچھاڑیوں اور خیمے کی رسیوں میں الجھ گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کا سر کاٹ لیا گیا۔ جب لوگوں نے بادشاہ کو بتایا کہ تہور خاں مارا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے خیمے کے دروازے پر دفن کر دیا جائے۔ اس طرح اکبر کو بادشاہ بنانے کی کوشش میں تہور خاں مارا گیا۔

جب اکبر کو تہور خاں کی موت کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے خیمے میں جا کر ہیرے جواہرات اور سونے کے سکوں کے صندوق توڑے اور خواتین کو زنانہ لباس پہنا کر راجپوتوں کی سلطنت میں نکل بھاگا۔ جب دن نکلا تو وہ راجپوت سرداروں اور سپہ سالاروں سے ملا۔ اس وقت تک انہیں اکبر کے فرار کا سبب معلوم ہو چکا تھا۔ وہ یہ بھی جان گئے تھے کہ کس طرح اورنگ زیب نے انہیں دھوکا دیا۔ مگر اب تہور خاں کی موت اور ان کے منصوبے کی خرابی کا کوئی علاج نہ تھا۔ سورج نکلا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود فطرت اورنگ زیب کو اس جال سے بچ نکلنے پر مبارکباد دے رہی تھی جو اس کے بیٹے نے اس کے لئے بچھایا تھا۔ لوگ اکبر کے پڑاؤ میں جاتے اور وہاں سے اپنے سارے سامان کے ساتھ واپس آ رہے تھے۔ دیگر اشخاص اورنگ زیب کے پاس اپنے کردار کی معافی طلب کرنے پہنچے۔ ان کا عذر یہ تھا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے اور اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیتے تو اکبر ان کے سر قلم کروا دیتا۔ اس باعث انہوں نے اندھیرے کا فائدہ اٹھایا اور ایسے بیٹے کو چھوڑ کر بھاگ نکلے جو

اپنے باپ سے باغی ہوا تھا۔ مگر ان اچھی مندرتوں کا اورنگ زیب نے محض ایک انعام دیا اور وہ یہ کہ انہیں تبدیلیوں کی حیثیت سے گوا لیار کے قلعے میں بھیج دیا۔

چونکہ اورنگ زیب اہم معاملات میں کبھی دیر نہ کرتا تھا لہٰذا یہ اطلاع ملنے پر کہ اکبر بھاگ گیا ہے اس نے شاہ عالم کو حکم دیا کہ وہ اس کا تعاقب کرے اور اسے گرفتار کر لے۔ شاہ عالم نے جواب دیا کہ میں اسے گرفتار کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا لیکن چونکہ اکبر مضبوط ارادوں کا آدمی ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ وہ جنگ پر آمادہ ہو جائے اور جنگ میں مارا جائے۔ لہٰذا اس نے بادشاہ سے استدعا کی کہ اگر میری خواہشات کے برعکس یہ نتیجہ برآمد ہو تو مجھے قصوروار نہ ٹھہرایا جائے۔ اورنگ زیب نے جواب دیا کہ اگر اکبر قتل بھی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ باغی بیٹا زندہ رہنے کا اہل نہیں ہوتا۔

پس ہم شاہزادے اکبر کے ساتھ ایک بڑا لشکر لے کر نکلے۔ حالیہ بارشوں کے باعث ہمیں کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ راناکی فوجوں سے بہت تیز چل کر اورنگ زیب سے ملنے کے باعث بھی ہم تھک ہار چکے تھے۔ اب ہم اکبر کی تلاش میں نکلے جو کہ راجپوتوں کی مملکت سے ہو کر فرار ہوا تھا، اور جس نے ہمیں مارچ ۱۶۸۱ء کے آخر تک مختلف منزلوں میں بھٹکائے رکھا۔ اس دوران میں شاہ عالم جس نے یہ سبق اپنے باپ سے سیکھا تھا، اکبر کو خط پر خط لکھتا رہا کہ تم ہتھیار ڈال دو اور میں کوئی ایسی راہ نکالوں گا کہ تمہیں باپ سے معافی دلوا دوں۔ اکبر کو اس وقت تک اورنگ زیب کی فطرت سے کما حقہٗ آگاہی ہو چکی تھی اور گو اسے اورنگ زیب پر بالکل اعتماد نہ تھا، تاہم اس نے بظاہر اعتماد کا اظہار کیا۔ اس نے شاہ عالم کو یہ خط لکھا کہ میں بڑی خوشی سے حاضر ہونے کو تیار ہوں لیکن چونکہ میرے اوپر کچھ قرض ہو چکا ہے، اس لئے مجھے چار ہزار اشرفیاں درکار ہیں ــــــ اس قرض کی ادائیگی کے بعد میں بلا تامل خود کو اپنے بھائی کی حفاظت میں دے دوں گا۔

شاہ عالم نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کا بھائی اس سے سچ بول رہا ہے، اکبر کو چار ہزار اشرفیاں روانہ کر دیں، جو راجپوتوں میں بانٹی گئیں۔ اس کے بعد اکبر نے دکن کی طرف کوچ کیا تاکہ وہاں سمبھاجی مرہٹہ کی پناہ حاصل کر سکے۔ ہم اس پہاڑی علاقے کی دشوار گذار راہیں طے کر کے اس کا تعاقب نہ کر سکتے تھے۔ شاہ عالم اور اکبر کی خط و کتابت کے دوران میں ایک بہت قریبی آدمی محمد خان عالم نے جو اکبر کا ساتھی تھا، شاہ عالم کو یہ لکھا کہ اگر آپ مجھے امان دینے کا عہد کریں تو میں اکبر کو چھوڑ

کر آپ سے مل جاؤں۔ شاہ عالم نے عہد کر دیا اور خان عالم نے خود کو شاہ عالم کے سپرد کر دیا۔ شاہ عالم نے اسے اپنی سفارش کے ساتھ دربار کو روانہ کر دیا لیکن اورنگ زیب جو اپنے بیٹوں کو معاف نہ کرتا تھا وہ خان عالم کو کیسے معاف کرتا۔ جیسے ہی وہ شخص آیا، تو اس کے لئے یہ حکم صادر کیا گیا، کہ اسے ایک کمرے میں بند کر دیا جائے اور محض ایک چھوٹے سے روشن دان کے ذریعے زہریلی ہوا کھانے دیا جائے اس شخص کو مجبوراً اسی جگہ رفع حاجت کرنی پڑتی تھی اور بالآخر وہ وہیں مر گیا۔

اس موقع پر شاہ عالم نے اکبر کے فرار کے متعلق بادشاہ کو اطلاع دی بادشاہ کے پاس ایسے جاسوس تھے جو اسے ہر واقعے کی اطلاع دیتے تھے۔ اس نے شاہ عالم کو یہ جواب دیا کہ پیشتر اس کے کہ تمہیں خط لکھنے کا خیال آیا ہو مجھے اکبر کے فرار کی اطلاع مل چکی تھی، اور چونکہ تم وہاں کوئی ٹھیک کام نہیں کر رہے ہو اس لئے دربار کو واپس آجاؤ۔ اس طرح اورنگ زیب کے حکم سے ہم نے واپسی اختیار کی۔ بادشاہ کو یہ معلوم تھا کہ اکبر کی بغاوت نے سارے ملک میں انتشار برپا کر دیا ہے۔ لہٰذا اس نے تمام نائبین سلطنت اور صوبہ داروں کو حکم بھیجا کہ وہ نقارے بجائیں اور جشن منائیں تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ بادشاہ نے اپنے باغی بیٹے اکبر پر فتح پائی ہے۔ اس دوران میں شکست خوردہ شہزادہ ادھر ادھر بھاگتا پھرا۔ اسے گرفتار کرنے اور مار ڈالنے کی تمام کوششوں کے باوجود کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس لئے کہ اس وقت تک اکبر کو سنبھاجی کی مملکت میں پناہ مل چکی تھی جو (اپنے باپ کے بعد) اس بات پر فخر محسوس کرتا تھا کہ اس کے جانی دشمن کا ایک بیٹا اس کی حفاظت میں ہے۔

رانا کی مملکت کو فتح کرنے کی کوشش میں کامیابی کا کوئی امکان نہ پا کر، اس لئے کہ اس سلطنت میں داخل ہونا بہت مشکل تھا اور یہ دیکھ کر کہ اکبر سنبھاجی کے علاقے میں فرار کر گیا ہے، اورنگ زیب نے رانا سے صلح کرنی چاہی جس کی خواہش خود رانا نے پہلے کئی بار کی تھی۔ اب اورنگ زیب دکن میں اپنی طاقت کو مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اسے یہ خوف تھا کہ اکبر سنبھاجی کی مدد سے خود کو طاقت ور بنانے میں موقع اور وقت ضائع نہیں کرے گا۔ اس طرح اسی علاقے میں جہاں خود اورنگ زیب نے تخت حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کی تھی اکبر بھی طاقت، دولت اور سپاہ حاصل کرنے لگا۔ سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ وہ رانا سے کیسے صلح کرے۔ اس لئے کہ بغیر عزت گھٹائے ہوئے وہ رانا سے صلح کی خواہش کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ اسے یہ بھی خوف تھا کہ رانا اور اس کی سلطنت کے دیگر سردار اور خود اس کے اپنے

جن میں سے بعض رانا کے دوست تھے، اس بات پر جنسیں گے کہ رانا کی صلح کے پیغام کو ٹھکرانے کے بعد اب وہ خود صلح کرنے پر مجبور ہو گیا ہے، ان اسباب کی بنا پر اس نے دلیر خاں کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کے اور رانا کے درمیان ثالث کی حیثیت سے کام کرے اور صلحنامہ کرے۔

دلیر خاں نے رانا کو یہ خط لکھا کہ راجپوت سلطنت اور مغل سلطنت کے درمیان قدیم دوستانہ تعلقات کو دیکھتے ہوئے اور اس شجاعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جس کے مطابق آپ نے جنگ کے زمانے میں اپنے دشمنوں کے ساتھ اعلیٰ برتاؤ کیا، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اب جنگ کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ لہذا میں نے ثالث بننے کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے تاکہ میں اپنے آقا شاہ اورنگ زیب اور آپ کے درمیان مصالحت کرا سکوں، بشرطیکہ آپ کو بھی یہ منظور ہو۔ رانا پر یہ بات واضح تھی، کہ یہ اورنگ زیب کی ایک چال ہے، جو خود صلح کا خواہش مند ہے۔ اس لئے اس نے اورنگ زیب پر یہ بات کھل جانے دی کہ اسے صلح کی شرائط پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ لہذا اس نے دلیر خاں کو ٹالنے کے انداز میں جواب دیا کہ مجھے فی الوقت صلح کی شرائط طے کرنے سے معاف رکھا جائے کیونکہ ابھی مجھے بہت سے معاملات سلطنت طے کرنے ہیں۔ لیکن اورنگ زیب کے احکام کے مطابق دلیر خاں صلح کی بات چیت پر زور دیتا رہا اور رانا کو خط پر خط لکھتا رہا۔ کبھی وہ مغل بادشاہ کی قوت اور شجاعت جتاتا، کبھی یہ بتاتا کہ رانا کے آباؤ اجداد نے کبھی مغل سلطنت کے خلاف جنگ جوئی نہیں کی۔ کبھی اسے یہ دھمکی دیتا کہ وہ پیش قدمی کر کے راجپوتانہ کو نذر آتش کر دے گا۔ اور کبھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا کہ ایسے موقع پر جب کہ بادشاہ اپنے بیٹے کی بغاوت سے پریشان ہے رانا اس سے صلح کر کے اس پر بڑا احسان کرے گا۔ لیکن رانا مزید جنگ سے گریز اور صلح کی خواہش کے باوجود حیلے بہانے کرتا رہا مثلاً یہ کہ یوں تو وہ صلح کا خواہشمند ہے لیکن خرابی صحت کی بنا پر وہ ایسے اہم معاملے میں کہ مغل بادشاہ سے مستقل اور مضبوط صلح نامہ ہو اپنی توجہ صرف نہیں کر سکتا۔

اس طرح وہ اورنگ زیب کو اُمید دلاتا رہا لیکن یہ تاخیر ناقابل برداشت تھی۔ اس لئے کہ اس دوران میں اس کا بیٹا اکبر اور بھیا جی نچلے بیٹھنے والے نہ تھے۔ یہ گفت و شنید تقریباً ایک ماہ جاری رہی اور بالآخر رانا نے اپنے بھائی کو صلح نامے کی تکمیل کے لئے دربار کو روانہ کیا۔ دربار میں اس کی بڑی عزت و تکریم ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ ایک طاقتور بادشاہ کے بھائی ہونے کے سبب اس کی یہ عزت افزائی اورنگ زیب کی حکمت عملی سے متوقع تھی تاکہ صلح کی بات چیت میں آسانی ہو۔ صلح ہو گئی، شرائط طے پا گئی تھی

شرط کا اضافہ نہ ہوا علاوہ اس کے کہ اورنگ زیب نے وہ صوبہ رانا کو دے دیا جو پہلے اس کی ریاست کا حصہ تھا مگر بعد ازاں اس کے اجداد نے مغلوں کے حوالے کر دیا تھا۔ رانا کے پرانے حقوق تسلیم کر لئے گئے۔ علاوہ ازیں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں رانا کے فرائض میں یہ تھا کہ وہ اپنے خرچ پر سات ہزار سوار مغل بادشاہ کی خدمت گذاری کے لئے تعینات کرے۔ لیکن یہ لوگ بڑے بدنام تھے اور مغل سلطنت میں بہت زیادہ مظالم کیا کرتے تھے۔ انھیں ٹوکنے کی ہمت کسی کو نہ ہوتی تھی۔ وہ چوریاں، مار پیٹ اور قتل و غارتگری کرتے مگر ان سے کوئی باز پرس نہ کر سکتا تھا۔ پس اورنگ زیب نے ان سواروں کو رکھنے کے بجائے انھیں واپس کرنے میں اپنا زیادہ فائدہ دیکھا۔ لیکن وہ یہ نہ چاہتا تھا کہ رانا پر اپنے حقوق کو کسی طور کم کرے، لہذا اس نے یہ تدبیر نکالی کہ رانا ہر سال اتنے سواروں کے اخراجات کی رقم ادا کر دیا کرے اور سواروں کو نہ بھیجے۔ اس طرح رانا کے بھیجے ہوئے کو رخصت کی اجازت ملی اور اورنگ زیب اس راجہ سے صلح کر کے مطمئن ہوا جس نے ایک بار اس کی جان بخشی کی تھی اور صلح کرنے میں ٹال مٹول کر کے وہ اُسے مزید نقصان پہنچا سکتا تھا۔

کئی باتیں ایسی تھیں جن کی بنا پر اورنگ زیب اکبر کا تعاقب کرنا چاہتا تھا مگر دور اندیشی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یہ دیکھے کہ کن واقعات کے ظہور پذیر ہونے کا امکان ہے۔ اسے خوف تھا کہ کہیں شاہ ایران اس موقع کو غنیمت جان کے اس پر حملہ نہ کر دے۔ لہذا اس نے مرزا رضا کو بلخ کے بادشاہ کے پاس بطور مستقل سفیر بھیجا کہ اگر ایرانی مغل سلطنت کے خلاف کوئی کارروائی کریں تو شاہ بلخ اُن کے خلاف صف آرا ہو جائے۔ اس کے عوض اورنگ زیب نہ صرف یہ کہ سارے اخراجات برداشت کرے گا بلکہ اُسے انعام و اکرام بھی دے گا۔

جیسے ہی رانا سے صلح کی بات چیت مکمل ہوئی اورنگ زیب اوائل ستمبر ۱۶۸۱ء میں اجمیر سے روانہ ہوا۔ اب اس کا ارادہ سمبھاجی کے خلاف جنگ کرنے کا تھا۔ لیکن وہ اپنی قسمت سے بے خبر تھا ــــــ کہ یہ سفر آخری سفر ہوگا اور اب اس کے لئے نہ آگرے کی واپسی تھی نہ دہلی کی۔ آج (یعنی سنہ ۱۷۰۰ء میں) اُسے انیس سال ہو چکے ہیں کہ وہ مستقل پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے اور باغی مرہٹوں کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہیں کر سکا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ جو خبریں مجھ تک پہنچ رہی ہیں وہ مستقلاً یہ بتاتی ہیں کہ مرہٹے اُسے ہر چہار جانب سے دبا رہے ہیں اور اس کا حال بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ پس آج تک وہ اس مہم کی تکمیل نہیں کر سکا ہے جسے وہ (جیسا کہ

اس نے خود کہا تھا) دو سال میں پورا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دکن کی طرف کوچ کرتے ہوئے اس نے اپنے تین فرزندوں، شاہ عالم، اعظم تارہ اور کام بخش کے علاوہ پوتوں کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ ایک بڑا خزانہ بھی لے چلا جو اس جنگ کے دوران اس بری طرح ختم ہوا کہ بالآخر وہ اکبر، نور جہاں، جہانگیر اور شاہجہان کے خزانوں کو کھلوانے پر مجبور ہو گیا۔ چونکہ اخراجات بہت ہی زیادہ تھے اور چونکہ محصول کی ادائیگی جلد نہ ہوتی تھی، اس لئے جب اس کے پاس بہت کم زر نقد رہ گیا تو اس نے مجبوراً اورنگ آباد میں محل کے سارے چاندی کے برتن پگھلوا ڈالے۔ ان سب باتوں کے علاوہ اس نے یہ بھی ارادہ کیا کہ وہ مال گودام کھلوائے جن میں لاوارث مرنے والوں کے سامان جمع ہوتے تھے یعنی اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانے میں ادنیٰ و اعلیٰ شاہی ملازمین کے جو ساز و سامان ان مال گوداموں میں جمع کئے جاتے تھے۔ لیکن بعد ازاں اس نے ان مال گوداموں کو کھولنے کے احکامات واپس لے لئے کیونکہ اسے بجا طور پر یہ خوف لاحق ہوا کہ اس کی غیر موجودگی میں اوسط سے زیادہ سامان خود ملازمین ہی خورد برد کر دیں گے۔

لیکن ہمیں یہاں شاہی بیگمات کا ذکر کرنا ہے۔ بیگم صاحب یا بادشاہ بیگم کے سوا جنھوں نے ضعیف العمری کے سبب آگرے ہی میں قیام کرنے کی خواہش کی، ہمارے ساتھ عورتیں بھی تھیں۔ ہمارے دکن کی طرف کوچ کے دوران میں انھوں نے خود اپنی پیشین گوئی کے مطابق اس دار فانی سے کوچ کیا۔ اورنگ زیب کی آگرے سے روانگی کے وقت اس شہزادی نے اسے راجا کے خلاف مہم شروع کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اورنگ زیب کو یہ بتایا تھا کہ اس منصوبے پر عمل مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس نے اس بات کا امکان بھی ظاہر کیا تھا کہ شاید وہ دوبارہ نہ مل سکیں اور یہ بات بالآخر سچ ثابت ہوئی۔ اپنی موت سے پہلے شہزادی نے جواہرات اور جائداد اپنے عزیزوں میں تقسیم کی اور ہر ایک کے لئے کافی رقم اور جواہرات چھوڑے۔ اپنی پیاری جانی بیگم کو اس نے نظر انداز نہیں کیا بلکہ اس کے نام زیادہ رقم اور بہترین جواہرات کئے۔ جب یہ خبر پہنچی تو ہم نے اورنگ زیب کے حکم سے تین دن قیام کیا۔ اورنگ زیب نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اس لائق شہزادی کی موت سے بہت متاثر ہوا ہے، جو اپنی خامیوں کے باوجود، اپنی موت کے بعد بحیثیت مجموعی ایک ذی شعور خاتون کی شہرت چھوڑ گئی

دکن میں اورنگ زیب کی آمد کی خبر سن کر بھی سمبھاجی نے ہر چہار سمت لوٹ مار جاری رکھی وہ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اسے اورنگ زیب کی زبردست فوج کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ جہاں سے برہان پور

پہنچنے سے پہلے اس نے ایک بڑے گاؤں کو لوٹا جو شاہی پڑاؤ سے چار کوس کے فاصلے پر تھا۔ اس بات پر شاہ عالم بہت خوش ہوا اس لئے کہ اورنگ زیب نے ناراض ہو کر اسے دکن سے اس لئے بلا لیا تھا کہ اس کی حکومت کے زمانے میں شیواجی نے اس علاقے میں لوٹ مار کی تھی جو اس کے اتنا قریب تھا۔ اب شاہ عالم اس لئے خوش تھا کہ سمبھاجی اس کے باپ کو بھی خاطر میں نہ لایا اور اس کے برعکس شاہی پڑاؤ سے بہت قریب لوٹ مار کی۔

سمبھاجی کی بے باکی پر طیش کھا کر اورنگ زیب تیزی سے اورنگ آباد کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں سے اپنی فوج کو مختلف محاذوں پر بھیج سکے اور یہ دیکھ سکے کہ کیا وہ سمبھاجی کو گرفتار کر کے اپنے دل سے وہ کانٹا نکال سکتا ہے جو اسے اس قدر تکلیف دے رہا تھا؟ جب اورنگ آباد پہنچے اور یہاں بادشاہ نے اپنا دربار قائم کیا۔ اس نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو اپنے پاس رکھا اور سرداروں کو سمبھاجی کی مملکت پر حملہ کرنے کے لئے مختلف سمتوں میں روانہ کر دیا۔ اس زمانے میں سمبھاجی دکن میں لوٹ مار کر رہا تھا۔ اس نے مغل دستوں کو اپنی ریاست کے حدود میں داخل ہونے دیا اور وہاں پانی میں زہر ڈلوا کر یا راستہ بند کر کے انہیں ختم کر دیا۔ اس طرح اس نے اورنگ زیب کی فوجوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ بادشاہ کو یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ سمبھاجی کو روکنے اور اس کی مملکت کو فتح کرنے کے لئے کیا راہ اختیار کرے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ بیجاپور کی سلطنت کو فتح کر لے، اس نے ایک بار پھر شاہ بیجاپور کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اسے بچہ سمجھتے ہوئے اورنگ زیب ایک طرف تو اس کے خلاف جنگ کر رہا تھا اور دوسری طرف اسے مشفقانہ خطوط بھی لکھتا تھا۔

بیجاپور کے خلاف جس سپہ سالار کو بھیجا گیا وہ دلیر خاں تھا جس نے اچھے سپاہی کی طرح اپنا فرض سرانجام دیا۔ لیکن شاہ عالم کو اس سے یہ شکایت تھی کہ اس نے اس کی بادشاہت کے کاغذ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور یہ بھی کہ وہ اس کا خاطر خواہ احترام نہ کرتا تھا۔ اب شاہ عالم کے لئے یہ زریں موقع تھا کہ اس مشہور سپہ سالار کی زندگی کا خاتمہ کر دے اور اس نے دلیر خاں کو اس وقت زہر دلوا دیا جب وہ بیجاپور کے خلاف مہم کی نگرانی کر رہا تھا۔ اورنگ زیب کو اس عظیم اور انتہائی وفادار سپہ سالار کی موت کا بہت رنج ہوا جس سے وہ اس کے پٹھان ہونے کے باوجود بہت محبت

کرتا تھا۔ مغل سلطنت میں لوگ بالعموم اس نسل پر بھروسہ نہیں کرتے۔

بیچارے بیجاپور کے حکمران کو اورنگ زیب کی فوجوں کے حملے کے ساتھ سمبھاجی کے حملے کا وار بھی سہنا پڑا جس نے اس سے کچھ قلعے چھین لئے۔ اس طرح وہ مغلوں کے خلاف خود کو اور زیادہ مستحکم بناتا جا رہا تھا۔

یہ دیکھ کر کہ وہ سمبھاجی کے خلاف کوئی قابلِ قدر کارنامہ سرانجام نہ دے سکا، اورنگ زیب نے بیجاپور کی سلطنت پر مکمل قبضہ کرنا چاہا۔ اس مقصد کے تحت اس نے اس سلطنت کے سپہ سالاروں سے خط و کتابت شروع کی اور انہیں بڑے بڑے تحفے تحائف اس امید پر بھیجے کہ شاید وہ اپنے بادشاہ سے باغی ہو کر اس سے الگ ہو جائیں۔ ان سپہ سالاروں میں جنہوں نے اورنگ زیب کی پیشکش کو قبول کیا ایک عبدالحکیم بھی تھا۔ یہ شخص جو اپنے تجربے کی بنا پر گوا کے پرتگالیوں کی بہادری سے واقف تھا کیونکہ وہ اسے شکست دے چکے تھے، اس نے اورنگ زیب کو مشورہ دیا کہ وہ ان پرتگیزیوں سے دوستی کرے۔ اگر وہ سمبھاجی کے خلاف کارروائی کریں تو اسے دو فوجیں میدان میں رکھنی ہوں گی: ایک دکن کی طرف اور دوسری پرتگالیوں کے برخلاف۔ اس طرح اسے ہر جارحیت لوٹ مار سے روکنا زیادہ آسان ہو جائے گا۔

اورنگ زیب نے گوا کے حاکم کو خط لکھا کہ وہ سمبھاجی کے خلاف جنگ کرے اور اس سے وعدہ کیا کہ جتنا علاقہ وہ فتح کرے گا سب اسے مل جائے گا۔ مزید براں یہ کہ وہ اورنگ زیب کے نافرمان بیٹے اکبر کو جو سمبھاجی کے ساتھ ہے نہ کوئی مدد دے اور نہ اسے بھاگنے کے لئے راستہ دے۔ بلکہ اگر وہ اس کو گرفتار کر کے قتل کر دے تو یہ اورنگ زیب پر ایسا احسان ہو گا جس کا بدلہ وہ وقت آنے پر چکائے گا۔ ان تمام باتوں کو عملی صورت دینے کے لئے اس نے شیخ محمد کو اپنا سفیر بنا کر ان کے پاس بھیجا۔ اسی دوران میں عبدالحکیم ہی کے مشورے پر اس نے شاہ عالم کو گوا کی سمت بھیجنے کی تیاریاں کیں تاکہ وہ سمبھاجی کے علاقے پر حملہ کرے۔ یہ بھی انتظام ہوا کہ سورت سے سمندر کی راہ جہازوں کا ایک بیڑا شاہ عالم کی فوج کے لئے سامان رسد لے کر جائے۔

اسی زمانے میں نفرت کے سبب میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب میں مسلمانوں کے درمیان نہیں رہوں گا اب میرے پاس رقم بھی کافی جمع ہو چکی تھی۔ شاہ عالم میری تنخواہ کبھی وقت پر نہیں دیتا تھا۔ میں نے گوا واپس جانے کا ارادہ کیا جہاں میں نے تھیاٹائن پادریوں کے پاس کچھ رقم جمع کر رکھی تھی۔ خیال یہ تھا

کہ بالآخر یورپ چلا جاؤں۔ اسی سبب سے میں نے کئی بار اپنی ملازمت سے سبکدوشی چاہی مگر ہر بار شاہ عالم نے انکار کیا آخر کار میں نے اسے یہ بتایا کہ بعض فوری ضروریات کے تحت سورت میں میری موجودگی ضروری ہے لہذا مجھے کم از کم دو ماہ کی چھٹی دی جائے۔ اس نے یہ درخواست منظور کی اور میں سورت چلا گیا۔ وہاں فرانسوا مارتین نے جو اس وقت فرانس کی شاہی فوجی دستہ کا سپہ سالار تھا مجھے ایک جنگی کشتی دی جس کے ذریعے میں ڈامن کے پرتگالی علاقے میں پہنچ گیا۔ وہاں سے میں گوا چلا گیا اور وہاں باغات میں قیام کیا۔ جب اورنگ زیب کا خط گوا کے حاکم کو ملا تو اس نے خط کو پرتگالی میں ترجمہ کرنے کے لئے مجھے بلوایا۔ اس خط کی پیش کش کو دیکھ کر میں نے اسے مشورہ دیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ جنگ پرتگالیوں کے لئے کسی طور سود مند نہیں ہوگی کیوں کہ سمبھاجی کو تباہ کرنے کے بعد مغل اس بات پر قانع نہ ہوں گے کہ پرتگالیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ اس کے باوجود حاکم گوا نے سمبھاجی کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور اس طرح بجز اس کے کہ گوا ہاتھ سے نہیں گیا باقی سب کچھ ہوا۔

سمبھاجی کو اس بات کی اطلاع ملی اور اکبر جو اس وقت گوا سے قریب ہی اس کے علاقے میں مقیم تھا سمبھاجی کو اس عزت و احترام کا بدلہ چکانے کے لئے بے چین تھا جو اس نے اسے بخشا تھا۔ وہ اس موقع کی تلاش میں بھی تھا کہ وہ ایران کو فرار کرنے کی تیاری کرے جس کا اس نے منصوبہ بنا رکھا تھا۔ پس وہ یہ چاہتا تھا کہ اس مقصد کے لئے گوا کے حاکم سے ایک جہاز مانگے۔ اس نے حاکم گوا کے پاس اپنا ایک سفیر بھیجا اور فروخت کے لئے کچھ لعل و جواہر بھی بھیجے۔ اس نے درخواست کی کہ اسے ورلیئے گوا پر ایک جہاز بنانے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنے باپ اورنگ زیب کے مظالم سے بچ کر ایران کو فرار ہو سکے۔

یوں تو وہ واقعی جہاز بنانا چاہتا تھا مگر اس کے ساتھ ہی اسے یہ امید بھی تھی کہ وہ تھوڑے تھوڑے کر کے کافی تعداد میں اپنے آدمی اتار دے اور پھر یکبارگی گوا پر قبضہ کر لے۔ میں مسلمانوں کی چالوں سے واقف تھا لہذا میں نے حاکم کو یہ مشورہ دیا کہ وہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے یہ معلوم کرے کہ کتنے آدمی اتر رہے ہیں کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ حال جاہ کی روک تھام سے پہلے ہی وہ گوا کو نقصان پہنچا دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سمبھاجی کا ارادہ یہی تھا کہ وہ جزیرے میں کافی آدمی پہنچا دے اور جب اس کے

آدمیوں نے جزیرے میں پہنچ کر اہم مقامات پر مورچے لگا لئے ہوں تو وہ خود آ کر حملہ کر دے اور اس طرح وہ اپنے مقصد کی تکمیل کرے۔ حاکم نے میرے مشورہ پر کان دھرا اور اسے یہ معلوم ہوا کہ دوسرے دن سمبھاجی کے علاقے سے بہت سے آدمی جہاز بنانے آئے مگر رات میں بہت کم لوگ واپس گئے۔ لہٰذا یہ احکامات نافذ کئے گئے کہ سب لوگوں کو واپس چلے جانا چاہیے نیز یہ کہ دوسرے دن سے جتنے آدمی کام پر آئیں اتنے ہی رات کو واپس جائیں۔

جب جہاز تیار ہوگیا تو اکبر نے اسے گوا سے بارہ کوس کے فاصلہ پر سمبھاجی کے علاقے میں ونگورلا کی بندرگاہ میں بھجوا دیا۔

یہ دیکھ کر کہ جو فائدہ اسے جہاز کے سلسلے میں ملا تھا اس سے اس کی مطلب براری نہ ہوئی تو سمبھاجی نے گوا کے حاکم کو اپنے سکھائے ہوئے جاسوس بھیجے جنھوں نے اُسے بتایا کہ پونڈا کے قلعے میں بہت مال و دولت جمع ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح حاکم گوا سے ایک بہت بڑی فوج لے کر اس قلعے کی تسخیر کو نکلے تو وہ پرتگالیوں کی فرار کی راہ روک دے اور انھیں واپس نہ ہونے دے اور اس طرح خود گوا پر قبضہ کر لے۔ یہ واقعات ایک فرانسیسی تاجر کو معلوم ہوگئے جو اس وقت راجہ پور میں تھا اور اس نے مجھے لکھا کہ میں سمبھاجی کے مقاصد سے حاکم کو مطلع کر دوں۔

میں نے عالی جاہ کو سب کچھ بتا دیا لیکن انھوں نے میری بات نہ مانی۔ وہ آٹھ سو سفید فام سپاہیوں اور آٹھ ہزار کناریوں کو لے کر نکلے۔ ان کے ساتھ وہ دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچے اور وہاں سے جنگ شروع کر دی۔ ان کے ساتھ بارہ چھوٹی توپیں بھی تھیں۔ پونڈا کے قلعے کے سپاہیوں نے اپنی مدافعت کی یہاں تک کہ سمبھاجی اکبر کے آدمیوں سمیت وہاں پہنچ گیا۔ انھوں نے حاکم گوا کی فوج پر نہایت شدت سے حملہ کیا اور اسے اس کی توقع کے مطابق نقصان پہنچایا۔ اس کے بہترین سپاہی کام آئے اور اگر وہ سواروں کی یورش کو روکنے کے لئے راہ میں لکڑی کی باڑ جیسی رکاوٹ کھڑی کروا دیتا تو وہ گوا کو کبھی واپس نہ ہو سکتا نہ ہی وہ اپنی مدافعت کر سکتا تھا۔ موسم باراں کے باعث اس کی بندوقیں نہ چل سکیں اور ایک راجپوت سپاہی نے بہت قریب آ کر عالی جاہ کی پسلیوں پر تلوار کا وار کیا۔ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہوئے وہ دریا کے کنارے پہنچ گیا اور ایک بار پھر گوا میں داخل ہوگیا۔

حاکم گوا سے لڑتے ہوئے سمبھاجی کا وار کارگر نہ ہوا۔ اگر وہ دریا کے ساحل پر قبضہ کر لیتا تو اس کے لئے یہ آسان ہوتا کہ وہ سب کو قتل کر دے اور آسانی سے گوا پر قبضہ کرے۔ تاہم اپنی مہم میں کامیابی کے امکان سے اسے ناامیدی نہ ہوئی۔ حاکم گوا کی شکست کے بعد اس نے سالسٹ اور بار دیس کے علاقوں پر، جن کے درمیان گوا کا جزیرہ واقع ہے، قبضہ کر لیا اور سخت جنگ کے بعد جزیرہ گوا پر اپنی فوجیں اتارنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن پرتگالیوں نے زبردست مقابلہ کیا، سب سے زیادہ انتقامی پادریوں نے جو ایک ایسے موڑ پر تھے جہاں سمبھاجی کا سب سے زیادہ زور تھا۔

پس یہ دیکھ کر کہ وہ اپنے مقاصد میں ناکام رہا نیز یہ کہ وہ فوجی طاقت سے فتح حاصل نہیں کر سکتا، اس نے وہ طریقہ استعمال کیا جس کا ہندوستان میں عام رواج ہے یعنی — فریب۔ پس اس نے اکبر کو ثالث بنایا اور اس سے حاکم گوا کو خط لکھوایا۔ اس خط میں اکبر نے یہ لکھا کہ اب جبکہ میں ایران جانے والا ہوں لہٰذا دونوں فریقوں کا دوست ہونے کے باعث میں یہ چاہتا ہوں کہ سمبھاجی اور پرتگالیوں کے درمیان صلح کا معاہدہ برقرار ہو جائے۔ کیا آپ اس مقصد کے لئے کسی قابل اعتماد شخص کو روانہ کریں گے جو اس مسئلہ پر گفت و شنید کرنے کا اہل ہو؟ میں فریقین کی مرضی کے مطابق بات چیت مکمل کراؤں گا۔

حاکم نے اس معاملے کے لئے میرا انتخاب کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ میں بہرحال پردیسی ہوں لہٰذا میں نے اپنے ساتھ ایک پادری اور ایک عام آدمی لے لیا جو پرتگالی تھے، تاکہ وہ میرے قول و فعل کے گواہ رہیں۔ میں نے حاکم گوا کو واضح الفاظ میں یہ بتا دیا کہ وہاں وہ مجھے اکبر سے کبھی ملنے نہ دیں گے اس کے برعکس وہ مجھے سمبھاجی کے پاس لے جائیں گے، لہٰذا میں نے اس سے دریافت کیا کہ ایسی صورت میں میں کیا کروں؟ اس نے جواب دیا کہ وہ کسی صورت میں بھی میرا سمبھاجی سے ملنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس بات کا پختہ ارادہ کر کے میں گوا سے روانہ ہوا۔

میں ابھی سمبھاجی کے علاقے میں داخل ہی ہوا تھا کہ لوگ مجھے اکبر کے بجائے سمبھاجی کے پاس لے جانے کے لئے آ گئے۔ اس پر میں نے یہ اعلان کیا کہ میں نہیں جاؤں گا۔ میں اپنا سر کٹوا دوں گا مگر ان احکامات کی خلاف ورزی نہ کروں گا جو مجھے ملے ہیں۔ اکبر نے یہ بات سنی اور اس نے سمبھاجی سے گفت و شنید کے دوران میں ورگادا سس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ ان حالات میں میں نے بھی شرکت قبول کی ورنہ

لوگ مجھے زبردستی لے جاتے ۔

ہم سمبھاجی کے سامنے پہنچے جس نے نہایت اخلاق سے ہمارا استقبال کیا۔ گفتگو کے دوران میں اس نے حاکم گوا کے خلاف یہ شکایت کی کہ اس نے شاہ پرتگال کے احکام کے برعکس ہم سے جنگ چھیڑی اسے بادشاہ کا حکم یہ تھا کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ صلح و آشتی سے رہے ۔ اس گفتگو میں اس نے حاکم کے خلاف اور کئی باتیں کہیں ۔ اس موقع پر اس نے مجھے بتایا کہ اس نے اپنی ہی تلوار سے اپنے خاص خاص سرداروں کا سر اڑا دیا اس لئے کہ وہ لوگ وفادار نہ رہے تھے ۔ اس نے مجھے وہ تلوار بھی دکھائی۔

بالآخر اس نے مجھے جانے کی اجازت دی اور یہ کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ حاکم گوا اپنا سفیر نہیں بھیجے گا اس لئے میں اس کام میں پہل کرتا ہوں اور اسے اپنا سفیر بھیجتا ہوں اور اس طرح میں اسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں پرتگالیوں سے صلح کرنے کا کتنا آرزو مند ہوں ۔

یہاں قاری کو یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سفیر کو کیا کرنا تھا ۔ اول یہ کہ وہ اپنے ساتھ کافی آدمی لے کر گوا جائے جہاں ساری چوکیوں کی حفاظت کے لئے کافی فوج موجود نہ تھی ۔ اس طرح اپنے آدمیوں کے ساتھ حاکم کے دربار میں حاضر ہو کر اس کے لئے اپنے مقصد میں کامیاب ہونا بہت آسان ہو جائے گا۔ چونکہ وہ اس ارادے سے ہی وہاں جائیں گے کہ وہ حاکم کو قتل کر دیں اس لئے خفیہ طور پر زرہ پہن کر جائیں گے ۔ اپنی مقصد براری کے بعد ان میں سے کچھ گھوڑوں پر سوار ہو کر اور ادھر اُدھر گھوڑے دوڑا کر شہریوں میں دہشت پھیلائیں گے اور ہر شے کو درہم و برہم کر دیں گے ۔ اس طرح سمبھاجی کو یہ موقع مل جائے گا کہ بلا کسی دشواری کے وہ اپنی فوجیں اتار دے اور غیر محفوظ گوا پر قبضہ کر لے۔

گوا واپس ہو کر میں نے حاکم کو سمبھاجی کے ارادوں اور سارے واقعات سے آگاہ کیا ۔ میرا خیال یہ تھا کہ فی الوقت اسے سفیروں سے دربار میں ملنے کے بجائے ڈو آگو کے قلعے میں جو سمندر کے قریب تھا، ملاقات کرنی چاہیے ۔ محافظوں کی ایک بڑی تعداد بھی متعین ہونی چاہیے تاکہ سفیر اپنے منصوبوں پر عمل نہ کر سکیں ۔ گو جو کچھ میں نے کہا اسے بجا لانے میں کچھ دقتیں تھیں لیکن یہ جانتے ہوئے کہ مجھے مرہٹوں کی چالاکیوں کا کچھ علم ہے حاکم نے میرے مشوروں پر عمل کیا ۔ پس میں سفیر کو آنے کی دعوت دینے کے لئے واپس گیا ۔ میں اپنے ساتھ تین کشتیوں سے زیادہ نہ لے گیا تاکہ اس کے ساتھ زیادہ لوگ نہ آ سکیں لیکن کشتیوں پر اتنے آدمی سوار ہو گئے کہ اس کے ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہو گیا ۔ میں نے سفیر سے اس

لاپرواہی کی شکایت کی اور وہ ناراض ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اتنے کم لوگوں کے ساتھ وہ اپنے منصوبے پر عمل نہ کر سکے گا۔ اس نے آنے کا ارادہ ترک کرنا چاہا لیکن میں اس کی ہمت افزائی کرتے ہوئے اسے متذکرہ بالا قلعے تک لے آیا۔ ایسے انتظامات کئے گئے کہ سات اشخاص سے زیادہ سفیر کے ساتھ داخل نہ ہو سکے۔ حاکم نے بڑی شان و شوکت سے ان کا استقبال کیا۔

دربار میں سفیر کا راز کھل گیا اس لئے کہ اس نے صلح کے متعلق کوئی گفتگو نہ کی۔ اس نے کہا کہ وہ صرف یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ کیا پرتگالی حضرات فی الحقیقت صلح چاہتے ہیں یا نہیں اور کیا وہ راجہ کو خراج دینے کو تیار ہیں؟ حاکم نے جواب دیا کہ وہ صلح کرنے کو تیار ہے مگر خراج ادا نہیں کرے گا۔ سفیر نے یہ کہہ کر رخصت چاہی کہ وہ یہ جواب راجہ کے پاس لے جائے گا۔ چونکہ وہ غداری کر کے نام پیدا نہ کر سکا تھا اس لئے کہ ان لوگوں میں [illegible] کرنا بڑی شجاعت کی بات سمجھی جاتی ہے، لہٰذا وہ ناامید واپس ہوا۔

گو صلح کی گفت و شنید جاری رہی مگر جنگ بند نہ ہوئی۔ اس لئے کہ سمبھاجی نے بڑے زور و شور سے گوا پر لڑائی جاری رکھی۔ ان مقابلوں کے دوران میں یہ خطرہ شدید تھا کہ کہیں سمبھاجی جزیرے میں اپنی فوجیں نہ اتار دے اس لئے کہ گوا میں کافی فوج موجود نہ تھی۔ لہٰذا حاکم گوا کو کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو ونگورلا کے پاس مغل جہازی بیڑے تک پہنچے اور امیر البحر سے یہ درخواست کرے کہ وہ اپنے جہازوں کو گوا تک لے آئے۔ اس طرح سمبھاجی کے آدمیوں کو جو سالسٹ اور بار دیس میں تھے کچھ خوف محسوس ہو گا۔ سب سے بڑا مسئلہ ایسے آدمی کی دریافت تھا جو جانے کو رضامند ہو لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود ایسا کوئی شخص نہ مل سکا جو عوام کے نفع کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالے۔ پس یہ جانتے ہوئے کہ کس طرح میں نے ان کے لئے دل و جان سے کام کیا تھا حاکم نے مجھ سے کہا کہ کیا میں ایک ایسے شہر کے لئے جو اتنی مصیبت میں گھرا ہوا ہے یہ نیک کام کرنے کو تیار ہوں۔

میں نے حامی بھر لی۔ اور جب میں گوا سے رخصت ہو رہا تھا تو ڈوم روڈریگو دا کاستا نے جو پرتگالی بیڑے کا امیر البحر تھا مجھ سے کہا کہ میں تباہی کی سمت جا رہا ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو میری جان کی حفاظت منظور تھی۔ ایک صبح کو کہ ابھی اندھیرا تھا میری کشتی یکایک سمبھاجی کی [illegible] جنگی کشتیوں کے درمیان پھنس گئی۔ جیسے ہی ہمیں یہ معلوم ہوا کہ وہ بیڑا مغلوں کا نہیں بلکہ سمبھاجی کا ہے تو ہم [illegible] میں گھر گئے۔ اس بیڑے کے سردار اور چند دوسرے ملاح پانی میں چھلانگ لگانے کو تیار ہو گئے۔ میں

نے فوراً اپنی بندوق اٹھائی اور انہیں یہ کہہ کر خوفزدہ کیا کہ جو شخص بھی آگے بڑھے گا موت کے منہ میں جائیگا۔ اگر وہ اپنی پوری قوت سے کشتی کھینا شروع کریں تو میں گوا پہنچ کر انہیں پانچ سو اشرفیاں دوں گا۔ علاوہ ازیں میں نے وہیں ان میں سونے کے بہت سے سکے تقسیم کئے۔ وہ شخص جو ہماری کشتی کا ناخدا تھا بہت ہوشیار تھا اور ہم اس وقت تک یہ ظاہر کرتے رہے کہ ہم سمبھاجی کے بیڑے کے ساتھ ہیں جب تک کہ ہماری کشتی ان سب سے آگے نہ نکل گئی۔ تب ہم فوراً تیز ہوئے اور دشمنوں سے الگ ہو گئے اور وہ ہمیں گرفتار کرنے کی توقع میں ہمارا تعاقب کرتے رہے۔

اپنے راستے پر چلتے ہوئے ہم مغل بیڑے تک پہنچ گئے اور میں نے ہدایات کے مطابق اپنا کام کیا۔ لیکن امیر البحر نے یہ کہا کہ میں دنگور لا سے آگے نہیں بڑھ سکتا اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں شہزادہ اکبر راہ فرار اختیار نہ کرے۔ پس اب یہ پتہ چلا کہ میں نے بلا کسی فائدے کے خود کو موت کے منہ میں ڈالا۔ تاہم میں دوسرے راستے سے گوا واپس گیا اور وہاں میں نے یہ بتایا کہ مغل بیڑا سمبھاجی کے خلاف ہماری مدد کو چل پڑا ہے۔ یہ میں نے اس لئے کیا کہ تمام لوگوں کے دل بڑھیں اور وہ عزم و شجاعت سے جنگ جاری رکھیں ۞

باب سیزدہم

اورنگ زیب کو (جس نے اپنا سفیر گوا بھیجا تھا) حاکم گوا سے جواب ملا جس کے مطابق اس نے اورنگ زیب کے جہازی بیڑے کو، جو سورت سے اس کے بیٹے شاہ عالم کے لئے سامان رسد لا رہا تھا، دریا تک جانے کی راہ دینے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ نے شاہ عالم کو حکم دیا کہ وہ پینتالیس ہزار سواروں کی معیت میں ریاست بیجاپور سے گذر کر گوا کی سمت روانہ ہو۔ اس کی ہدایات یہ تھیں کہ وہ گوا کی ریاست پر دھوکے سے قبضہ کرے تاکہ اس طرح وہ بعدازاں سمبھاجی کی ریاست پر بہ آسانی حملہ کر سکے۔

اس پیش قدمی کے ساتھ شاہ عالم نے سمبھاجی کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور عین وقت پر گوا کے قریب پہنچ کر جزیرے کو سمبھاجی کے ہاتھوں سے بچا لیا۔ گوا بڑے خطرے میں تھا۔ سمبھاجی نے ہر ممکن کوشش کی کہ شاہ عالم کے آنے سے پہلے اس پر قبضہ کرے لیکن اس کی مراد بر نہ آئی۔ پس مغل بیڑے کی آمد سے وہ فرار پر مجبور ہو گیا۔

جیسے ہی شاہ عالم پہنچا، اس نے حاکم گوا کو ایک سفیر بھیجا جو دریا کے ساحل تک پہنچا۔ یہ سن کر حاکم گوا نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں سفیر کے پاس جاؤں اور اس سے گفتگو کروں۔ میں اس مقام پر

پہنچا اور کچھ دُور سے ہی میں نے ایسے یورپی طریق پر سلام کیا، لیکن وہ اپنی پالکی میں بیٹھا رہا اور میری طرف کوئی خاص توجہ نہ کی۔ اس نے ان آداب و اخلاق سے بھی درگذر کیا جو ہندوستان میں عام ہیں۔ اس بات پر میں ناراض ہُوا اور میں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ لیکن شاہ عالم کے خادموں و غلاموں نے اس کی مثال پر عمل نہ کیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا آقا مجھے دربار میں رکھنے کے لئے کتنا بے چین ہے، وہ سب نہایت احترام سے میرے سامنے کورنش بجالائے۔

میں نے بآواز بلند اس سفیر کے خلاف مناسب الفاظ استعمال کئے اور اس کی طرف سے منہ پھیر کر بڑی خوش طبعی کے ساتھ اپنے دوستوں کو سلام کیا۔ اس کے باوجود میں نے سفیر کے کہے ہوئے الفاظ پر بھی کان رکھا، یہ الفاظ کم و بیش یہ تھے کہ پرتگال شاہ عالم کے احسان تلے دب گئے ہیں اور انھیں فوراً لاکھوں کی رقم اکٹھی کرنی چاہیئے، جو انھیں سمبھاجی کے چنگل سے بچانے کے عوض شاہ عالم کو دینی پڑے گی اس پر جاسوسوں نے فوراً شاہ عالم کو یہ اطلاع دی کہ حاکم گوا نے مجھے سفیر کے استقبال کے لئے بھیجا تھا پر سفیر نے میری مناسب عزت افزائی نہیں کی۔

اس بات پر شہزادہ ناراض ہوا اور اس آدمی کی جگہ میرے دوست میر اعظم کو بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ مجھے ہر صورت سے رضا مند کرے۔ جب وہ دریا کے ساحل پر پہنچا تو میں اسے ملنے کے لئے گیا لیکن اسے پہلے آدمی سے مختلف ہدایات مل چکی تھیں۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ کھڑا ہو گیا اور میرے پاس آکر مجھے گلے لگایا، اس نے مجھ سے کہا کہ شہزادے کے احکامات یہ ہیں کہ میں ہر کام آپ کے کہنے کے مطابق کروں۔ اس لئے کہ میں حاکم گوا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہوں، اس کے بعد اس نے مجھے وہ خط دیا جو شہزادے نے مجھے بھیجا تھا۔ اس خط میں شہزادے نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں اس کے پاس جاؤں۔ کیونکہ وہ مجھ سے گفتگو کرنے کا بہت زیادہ خواہش مند ہے، نیز یہ کہ اسے کامل اعتماد ہے کہ میں انکار نہ کروں گا کیونکہ میں نے اس کے گھر کا نمک کھایا ہے۔

میں سفیر کو گوا نہ لے جانا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے اسے ایک چھوٹے سے جزیرے میں اتارا جس کا نام "الماداماڈول دامونا" تھا۔ وہاں رات کو میں نے اس کی ضیافت کی اور دوسرے دن میں اسے حاکم کے پاس لے گیا، جو گوا کے نزدیک ہی سنتیاگو کے قلعے میں تھا۔ سفیر نے شاہ عالم کا خط پیش کیا۔ خط کے شروع میں یہ درخواست تھی کہ حکیم نکولاؤ کو جو اس کا پرانا ملازم ہے اس کے پاس بھیج دیا جائے۔

جیسے ہی وہ آئے گا تو وہ ایسے معاملات طے کر لیں گے جو دونوں فریقوں کے لئے باعث اطمینان ہوں۔ خط میں دوسری بات یہ تحریر تھی کہ حاکم گوا نے جو خط شہنشاہ اورنگ زیب کو بھیجا تھا اس میں اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ دریا میں ان جہازوں کو گذرنے کی اجازت ہوگی، جو سیواجی کے خلاف لڑنے والی فوجوں کے لئے سامانِ رسد لائیں گے۔ لہٰذا اس وعدے کے ایفا کی درخواست کی گئی تھی۔

حاکم نے جواب دیا کہ وہ اپنے وعدے کو یقیناً پورا کرے گا، لیکن یہ راستہ دریائے گوا کے ذریعے نہیں ہوگا بلکہ دوسرے دریا یعنی دریائے باردس کے ذریعے ہوگا۔ لیکن سفیر نے اس بات پر زور دیا کہ جیسا کہ حاکم گوا پہلے وعدہ کر چکا ہے وہ دریائے گوا کے راستے جانا پسند کریں گے۔ بالآخر حاکم نے یہ جواب دیا کہ مجھے شاہ عالم کے پاس بھیجا جائے گا، وہاں یہ معاملات طے ہو جائیں گے۔

اس گفت و شنید کے دوران میں شاہی بیڑا جو بندرگاہ کے قریب تھا آگے بڑھنے لگا۔ جب اس کی خبر حاکم کو پہنچی تو میں نے دام راڈریگو دا کاستا سے کہا کہ اب وہ وقت ہے کہ وہ اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرے، اور جاتا جہازی بیڑے پر گولہ باری ہونی چاہیئے۔ وہ فوراً اس مقام پر پہنچا اور وہاں اس نے یہ دیکھا کہ اگواڈا کے سربراہ کی لاپرواہی کے سبب پچیس کشتیاں داخل ہو چکی ہیں اور قلعہ شاہاں کے قریب ہیں۔ جب وہ وہاں آیا تو اس نے فوراً تین توپوں کو چلانے کا حکم دیا تاکہ انھیں ذرا کر پیچھے ہٹایا جا سکے۔ انھوں نے کہا کہ وہ دوست ہیں اور حاکم گوا کے وعدوں کے مطابق آئے ہیں۔ اس لئے گولہ باری بند ہونی چاہیئے کہ دوستوں کے استقبال کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ جب اگواڈا کے قلعے میں یہ خبر پہنچی کہ قلعہ شاہاں نے راستہ دینے سے انکار کر دیا ہے تو انھوں نے بھی دو چار گولے داغ دیئے تاکہ بیڑے کے باقی ماندہ حصے کو اپنے مقاصد کی تکمیل سے روکا جائے۔ اس طور سے گوا کو اس بار بچا لیا گیا کیونکہ اگر کہیں جہازی بیڑا داخل ہو جاتا تو یقیناً گوا ہاتھ سے نکل جاتا۔ وہ پچیس کشتیاں جو پہلے داخل ہو چکی تھیں انھوں نے قلعہ شاہاں کے پیچھے ایک دریا میں پناہ لی جسے نیلر کہتے ہیں۔ یہاں ٹھہر کر وہ شاہ عالم کے احکام کا انتظار کرنے لگے۔ وہ ساحلی علاقے میں لوٹ مار کر کے ہر قسم کا سامان، عورتیں یا لڑکیاں جو کچھ پاتے اٹھائے جاتے۔

رات ہوئی تو میں سفیر کے ساتھ شاہ عالم کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہوا۔ جب ہم وہاں اترے تو جاسوسوں نے ہمیں اطلاع دی کہ دشمن سامنے ہے۔ میر اعظم کو میری زندگی کے بارے میں تشویش ہوئی

اور اس نے بیس سوار میرے ساتھ کئے کہ وہ مجھے پڑاؤ تک پہنچا ئیں۔ وہ خود تیس سواروں کے ساتھ پیچھے ٹھہر گیا۔ اس طرح میں پڑاؤ پر پہنچا جہاں بہت سے لوگوں نے جو مجھے جانتے تھے بلند آواز میں میرا استقبال کیا۔ جس پیار سے انھوں نے مجھے سینے سے لگایا میں اس کا بیان نہیں کر سکتا۔ میں شہزادے کے خیمے تک پہنچا اور وہاں ان خواجہ سراؤں نے میرا استقبال کیا جو یہ بات جانتے تھے کہ کتنی بے قراری سے شہزادہ اور شہزادی میرے منتظر تھے۔ خواجہ سراؤں کے سردار نے مجھے بتایا کہ شاہ عالم کا حکم یہ ہے کہ خواہ میں کسی وقت پہنچوں اسے فوراً اطلاع دی جائے۔ اس نے ساری فوج کو یہ حکم دے دیا تھا کہ وہ اگلی صبح کو بالکل تیار رہے، اس لئے کہ اگر میں نہ آتا تو وہ اپنی فوجوں کو پھر کر دریا پار کرنے کے لئے کہتا۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ شہزادے کو جگایا نہ جائے۔ اس لئے کہ آدھی رات گذر چکی ہے اور میں انتظار کر سکتا ہوں۔ یہ بات بھی کچھ اچھی نہیں ہے کہ ایک ملازم کی خاطر تھکے ماندے شہزادے کو جگایا جائے۔

جب شہزادہ صبح اٹھا تو اسے میری آمد کی اطلاع دی گئی۔ گوا پر قبضہ کرنے سے زیادہ وہ میری آمد کا خواہش مند تھا لہذا اب آسودہ ہو گیا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم بھیجا کہ وہ خیموں میں واپس جائیں اس لئے کہ اب وہ کوئی عملی کارروائی نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے بعد اس نے حرم میں شہزادوں اور شہزادیوں کو میری آمد کی اطلاع بھجوائی اور بڑی خوش طبعی سے ان سب کو اکٹھا بلوایا۔ پھر اس نے اپنی والدہ کو بھی خط لکھوایا کہ کس طرح اس نے مجھے پھانسا ہے۔ اس ملکہ نے اس بات پر سخت احتجاج کیا تھا کہ شہزادے نے مجھے چھٹی کیوں دی۔ اس نے مجھے پردے میں بلوا لیا جہاں میں پہلے یورپی طریق پہ پھر درباری انداز میں کورنش بجا لایا۔ مجھے یورپی لباس میں ملبوس دیکھ کر وہ بہت محظوظ ہوئی۔ میری داڑھی منڈی ہوئی تھی اور میں بالوں کا کنٹوپ پہنے ہوئے تھا۔ چونکہ ملکہ مجھے ایسے حلیے میں دیکھنے کی عادی نہ تھی لہذا اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے نوجوانی کی طرف واپسی کے لئے کیا دوائیں استعمال کیں۔ تب میں نے مذاق ہی مذاق میں انھیں کے سامنے اپنے دلائل پیش کئے اور اسے واضح طور پر بتایا کہ میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا اس لئے کہ حکام ان وعدوں کو پورا نہیں کرتے جو عالی جاہ نے مجھ سے کئے ہیں۔ شہزادے نے جواب دیا کہ مجھے اس کی کوئی فکر نہ کرنی چاہیئے۔ کسی قسم کی دقت ہو تو میں فوراً اسے درخواست پیش کروں اور میری خواہش کے مطابق وہ ہر کام کر دے گا۔ اپنی بیجا بے تکلفی پر ہنستے ہوئے میں نے اس سے کہا کہ اب میں عالی جاہ پر اتنا ہی اعتماد کر سکتا ہوں جتنا اوروں پر اس لئے کہ انھوں نے بارہا اپنے وعدوں کو توڑا ہے۔ اس

پر شہزادے نے اپنے بیٹے کو ضمانت کے طور پر پیش کیا اور میری سابقہ تنخواہ میں سو روپے کا اضافہ کر دیا۔
اس نے یہ حکم بھی صادر کیا کہ اس کے دربار سے میری غیر حاضری کی مدت کی ساری تنخواہ ادا کی جائے۔
علاوہ ازیں میرے سامان کی باربرداری کے لئے چار گھوڑے اور میری پالکی اٹھانے کے لئے آٹھ آدمی
مقرر کئے گئے اور شہزادے کے دسترخوان سے میرے کھانے کا انتظام ہوا۔

اس کے بعد حاکم گوا سے اختلافات کے سلسلے میں ہماری گفتگو ہوئی۔ چونکہ حاکم کی طرف سے
سفیر ہونے کی حیثیت میں میرا یہ فرض تھا کہ میں پرتگالیوں کا ساتھ دوں اس لئے میں نے شہزادے سے
کہا کہ حاکم گوا کسی شرط پر بھی شاہی بیڑے کو دریائے گوا سے گذرنے کی اجازت نہیں دے گا۔
چونکہ شاہ پرتگال کے یہی احکامات ہیں اس لئے اگر حاکم گوا انہیں نہ مانے گا تو اس کی جان کو خطرہ لاحق
ہو گا۔ شاہ عالم نے اس بات پر زور دیا کہ کم از کم ان کشتیوں کو جو قلعۂ شاہان کے پیچھے ہیں اپنی راہ جانے
دیا جائے۔ اس نے یہ استدلال کیا کہ چونکہ دوسرے جہازوں کو گذرنے کی اجازت دی گئی ہے اس
لئے ان کشتیوں کو بھی جو اندر داخل ہو چکی ہیں جانے دیا جائے۔ اس کا میں نے یہ جواب دیا کہ وہ
جہاز جنہیں گذرنے دیا گیا ہے وہ تجارتی جہاز تھے جن کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن عالی جاہ
کے جہازوں اور دوسرے بادشاہوں کے جہازوں کے لئے سخت احکامات ہیں کہ انہیں گذرنے نہ دیا
جائے۔ اگر حاکم گوا نے اورنگ زیب کو خط میں راستہ دینے کا وعدہ کیا ہے تو اسے دریائے
گوا نہ سمجھا جائے بلکہ پرتگالی علاقہ متصور کیا جائے۔ حاکم گوا وعدے کے مطابق کام کرنے کو تیار ہے
مگر دوسرے دریاؤں سے راستہ دینا چاہتا ہے۔ اعلیٰ جاہ کو یہ جتانے کے لئے کہ حاکم گوا
آپ سے اور آپ کے والد سے دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتا ہے وہ آپ کو ایسے آدمی بھی مہیا کرے
گا جو آپ کے جہازوں کو ان بندرگاہوں تک لے جائیں گے جہاں آپ جانا پسند فرمائیں۔

اس پیشکش کا شاہ عالم پر یہ اثر ہوا کہ وہ فوراً اس بات پر راضی ہو گیا کہ ان کشتیوں کو جو
اندر ہیں باہر نکلنے کا حکم دے۔ اس نے میرے ساتھ کچھ آدمی روانہ کئے کہ وہ جہازی بیڑے کے
امیرالبحر کو یہ احکام پہنچائیں، اور میں نے کچھ ایسے آدمی مقرر کئے جو اُسے خشکی کے راستے دریائے
بار دس کے دہانے پر پہنچا دیں۔

قصہ مختصر یہ کہ مجھے رخصت کرنے سے پہلے اس نے میرے لئے اعلیٰ خلعت اور ایک گھوڑا

بھیجا۔ مجھ سے یہ وعدہ بھی لیا کہ میں دوسرے دن دو بجے دوپہر کو اس کے پاس واپس پہنچ جاؤں گا۔ میں نے اپنے ساتھ ان لوگوں کو بھی لے لیا جو امیر البحر کے پاس واپس ہونے اور دریائے بار دس کے راستے شہزادے سے ملنے کے احکامات لے کر جا رہے تھے۔

میں گوا پہنچا اور جو کچھ ہوا تھا حاکم کو سنایا۔ میرے اس طرح معاملات طے کرنے اور جزیرے کے ہاتھ سے نکل جانے کے خطرے سے نجات پانے پر حاکم بہت ممنون ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ سفیروں کو تحفے تحائف دے کر جو وہ شہزادے کو بھیجنا چاہتا ہے انھیں رخصت دے۔ صبح کو میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مجھے سویرے سے بھیج دیا جائے مگر چونکہ حاکم یہ چاہتا تھا کہ میں شہزادے کے نام اس کا خط بھی لے جاؤں اس لئے اس نے مجھے کافی دیر روکے رکھا۔ جب شہزادے نے یہ دیکھا کہ میں وقت مقررہ پر نہیں پہنچا تو اس نے یہ حکم دیا کہ بار دس میں لوٹ مار کی جائے تاکہ حاکم گوا مجبور ہو کر مجھے فوراً روانہ کر دے۔

شہزادے نے یہ حکم دیا تھا کہ جیسے ہی وہ مجھے آتا دیکھیں فوراً لوٹ مار بند کر دیں۔ سنتریوں نے جو مجھے پہچانتے تھے دوڑ دوڑ کر اور چیخ چیخ کر سپاہیوں کو روکنا شروع کیا مگر اس سے ان غریبوں کا کیا بھلا ہو سکتا تھا جنھیں ننگا کر دیا گیا تھا۔ میں شہزادے کے پاس پہنچا اور وہاں میرا اچھی طرح استقبال کیا گیا۔ میں نے کسی قدر احتجاج یہ کہا کہ سپاہیوں کی بار دس میں لوٹ مار نامناسب تھی بالخصوص اس وقت جب کہ ہم دوست ہیں۔ شہزادہ مسکرایا اور اس نے کہا کہ "اگر تم دکھائی نہ دے جاتے تو ان کا حال اس سے بھی برا ہوتا۔ ہم نے یہاں اس وقت تک قیام کیا جب تک کہ فوج کے لئے سامان رسد نہ پہنچ گیا۔ میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں ان تحفے تحائف کی تفصیل پیش کروں جو سارے درباریوں یہاں تک کہ شہزادیوں اور شاہ عالم کے فرزندوں سے مجھے ملے۔ شاہ عالم کو یہ علم تھا کہ میں اس کی ملازمت پر رضامند نہیں ہوں لہٰذا اس نے ان تمام لوگوں کو اکسایا کہ وہ مجھے خوش کریں۔

اس دوران میں اکبر ونگورلا سے راجہ پور فرار ہو گیا۔ وہ اپنے تیار کئے ہوئے جہاز میں بھاگ نہ سکا اس لئے کہ شاہی بیڑے نے اُسے جلا دیا تھا۔ راجہ پور میں بعض فرانسیسی تاجروں کی مدد سے اس نے فرار کے ذرائع حاصل کئے اور ایران پہنچ گیا جہاں شاہ عباس کے بیٹے شاہ سلیمان نے بڑے تزک و احتشام سے اس کا استقبال کیا۔ اُسے بڑے بڑے تحفے تحائف دیئے گئے لیکن دربار

سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ وہاں وہ اس بادشاہ کی وفات تک مقیم رہا۔

جب اورنگ زیب کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا ایران بھاگ گیا ہے جہاں شاہ سلیمان نے اس کی عزت افزائی کی ہے تو اس نے شاہِ ایران کو اس مضمون کا خط لکھا "مجھے قابلِ اعتماد اطلاعات سے یہ خبر ملی ہے کہ باغی اکبر تمہارے پاس ہے۔ پس اس خط کو دیکھتے ہی اسے زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس بھیج دو۔ اگر تم میرے حکم کی تعمیل نہیں کرتے تو میں تمہیں سخت سزا دوں گا جیسی سزا میں نے دارا کو دی ہے۔" وزیر اسد خاں نے خط کو سربمہر کر کے بادشاہ کے سامنے رکھا اور کہا "جہاں پناہ کے حکم کے مطابق یہ خط تیار ہے، اب آپ اس شخص کو نامزد کریں جو یہ خط لے جائے، جواب کون لائے گا یہ خدا بہتر جانتا ہے۔" اس طرح اسد خاں نے بادشاہ کو یہ بتا دیا کہ جو شخص اس خط کو لے جائے گا قتل کر دیا جائے گا اور شاہ سلیمان بنفسِ نفیس ہندوستان پر حملہ کر دے گا۔ اس خیال کو سن کر اورنگ زیب نے ٹالنے کے لئے چند بہانے کئے مگر وہ خط کبھی نہ بھیجا گیا۔

ہم ونگورلا پہنچے اور شہزادے نے اس مقام کو بڑی آسانی سے تسخیر کر لیا اس لئے کہ تقریباً ہر شخص بھاگ نکلا۔ جہازی بیڑا ہمارے ساتھ ساتھ رہا۔ چند دنوں بعد پرتگالی سفرا حاضر ہوئے۔ ان کے نام جواؤ اینٹونس پرتگال اور مینوئل وا سینٹو بنٹو تھے۔ وہ اپنے ساتھ بھڑکیلے تحفے، کچھ مزین چینی کپڑے کچھ خوبصورت مرجان، کچھ چھوٹی چھوٹی توپیں اور کچھ دیگر ساز و سامان، جو بحیثیت مجموعی کافی رقم کے تھے، لائے۔

ان کا نہایت اچھی طرح استقبال ہوا اور ہر ایک کو سراپا سے سرفراز کرنے کا حکم ہوا۔ اس کے علاوہ انہیں دو ہزار روپے نقد بھی ملے۔ حاکم گوا کے لئے ایک گھوڑا مع جھول، ایک جڑاؤ خنجر اور عطر گلاب کی ایک چھوٹی بوتل دی گئی۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان سفیروں کی حاضری کے وقت میں نے ترجمان کا کام سرانجام نہیں دیا۔ اس کام کو کسی اور یورپی نے کیا۔ شرائط کو پڑھتے پڑھتے اس نے پرتگالیوں کے مفاد کے خلاف ایک نازیبا حرکت کی۔ ایک جگہ حاکم گوا نے شاہ عالم سے یہ درخواست کی تھی کہ یا تو وہ اُسے آٹھ سو گھوڑے مرحمت کرے یا اُسے اجازت دے کہ وہ اس کے فوجی پڑاؤ سے خرید لے۔ ترجمان یورپی نے حاکم گوا کی پیشکش کے طور پر اسے یوں پڑھا کہ اگر شہزادہ اسے آٹھ سو گھوڑے دے دے تو وہ خود

کو اس کی رعایا تسلیم کرے گا۔ بالفاظِ دیگر یہ بات یوں ہوئی کہ وہ گوا کو شہزادے کے ہاتھوں میں دے دے گا۔ جب میں نے یہ سنا تو میں نے شاہی منشی کو کہا کہ وہ قلم روک لے اس لئے کہ ترجمان حاکم گوا کی پیشکش کو نہیں سمجھتا۔ وہ محض اتنا کہتا ہے کہ اُسے سمبھاجی کے خلاف مہم جاری رکھنے کے لئے آٹھ سو گھوڑوں کی ضرورت ہے لہٰذا وہ ان آٹھ سو گھوڑوں کے لئے درخواست کر رہا ہے اور اگر عالی جاہ انکار کریں تو اس کی التجا ہے کہ شاہی پڑاؤ سے خرید کرنے کی اجازت دے دیں۔ ترجمان اس بات پر ناراض ہوا لیکن میں نے اس موقع پر بولنا ضروری سمجھا تاکہ اوّل تو میں حق کی حمایت کر سکوں۔ دوم کوشش یہ کہ گوا کو اس خطرے سے بچا سکوں کہ کہیں اورنگ زیب کسی حیلے بہانے سے گوا پر قبضہ نہ کرے۔

اُسی دن شام کو شہزادے کے خیمے کے دروازے پر میری مڈھ بھیڑ شیخ محمد سے ہوئی۔ یہ وہ شخص ہے جو گوا کو اورنگ زیب کا پہلا سفیر بن کر گیا تھا، اور اُس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ گوا پر شاہ عالم کا قبضہ کرا دے گا۔ اس نے مجھ سے شکایت کی اور یہ کہا کہ شاہی معاملات میں مداخلت کرنا میرا منصب نہیں ہے، نہ ہی میرا یہ کام ہے کہ میں پرتگالیوں کی نمائندگی کروں۔ رفتہ رفتہ ہماری آوازیں تیز ہونے لگیں یہاں تک شہزادے نے ہماری تکرار سن لی اور یہ دریافت کیا کہ اس کا سبب کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں جو اتنا شور کر رہے ہیں۔ خادموں نے بتایا کہ حکیم نکولاؤ اور شیخ محمد ان معاملات پر جن کے بارے میں گفت و شنید ہو رہی ہے آپس میں بحث و تکرار کر رہے ہیں۔ شہزادہ کسی قسم کا تشدد نہ چاہتا تھا لہٰذا اس نے شیخ محمد کو کہلوایا کہ وہ فوراً چلا جائے اور ان معاملات کے بارے میں اپنی زبان نہ کھولے۔ مجھے اس نے اندر بلوا لیا اور یقین دلایا اور عہد کیا کہ وہ پرتگالیوں پر ایک انگلی نہ اٹھائے گا۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر وہ شیخ محمد کی بات سن لیتا تو یقیناً گوا پر قبضہ کر لیتا کیونکہ وہ شخص اسی علاقے کا رہنے والا ہے اور وہاں کے چپے چپے سے واقف ہے۔

مانوئل واسا نتو پنٹو گوا واپس گیا اور وہاں حاکم کو ان دونوں باتوں کے متعلق اطلاع دی۔ اس سبب سے حاکم نے اس کے ذریعے مجھے یہ پیشکش کی کہ یا تو میں سینٹ ایاگو کے نائٹ بننے کا اعزاز قبول کروں یا پھر ہزار اشرفیوں کی آمدنی کا ایک گاؤں لے لوں۔ مجھے یہ دونوں باتیں قبول نہ تھیں مگر مانوئل واسا نتو پنٹو نے مجھ پر زور دیا کہ میں دونوں میں سے ایک ضرور قبول کروں اس لئے کہ میرا انکار حاکم کی توہین کے مترادف ہوگا۔ لہٰذا میں نے سینٹ ایاگو کے نائٹ کا اعزاز لیا

قبول کیا، جو اس نے فوراً مجھے بخشا اور اس کے ساتھ ایک سند بھی دی جس میں شاہِ پرتگال کے لئے میری دونوں متذکرہ بالا خدمات کا ذکر کیا گیا تھا:

باب چہاردہم

میں شاہ عالم کی ملازمت پر قائم نہ رہنا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے درمیان رہ کر مجھے خوشی محسوس نہ ہوتی۔ مجھے علم تھا کہ یہ مہمات جلد ختم نہ ہوں گی اور یوں مجھے مجبوراً شہزادے کی فوج کے ساتھ ادھر اُدھر مارا مارا پھرنا پڑے گا۔ پس اپنے ارادے کے مطابق میں نے فرار کی تدابیر سوچ لیں۔ پہلا کام میں نے یہ کیا کہ پرتگالیوں کے سفیر سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنی کشتی میں میرا انتظار کرے کہ جیسے ہی شہزادہ اپنی فوج کے ساتھ کوچ کرے گا تو میں اس کے (سفیر) ساتھ گوا واپس چلا جاؤں گا۔ سفیر نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میرا انتظار کرے گا ــــ تب میں نے یہ طے کیا کہ وہ دو ہزار روپے جو شاہ عالم نے مجھے فوج کے ساتھ روانہ ہونے کی تیاریوں کے لئے دیئے تھے اسے واپس کر دوں۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ میرے بارے میں یہ کہیں کہ حکیم نکولاؤ دو ہزار روپے لے کر بھاگ گیا۔ پس میں روپے لے کر شاہ عالم کے بیٹے کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ یہ روپے اپنے پاس رکھ لے اس لئے کہ انھیں رکھنے کی میرے پاس کوئی جگہ نہیں۔ اس نے اپنے خواجہ سرا کو حکم دیا کہ وہ یہ روپے وصول کرے۔

میں نے شہزادے کی روانگی تک انتظار کیا اور اس کے بعد وہاں سے چل نکلا، اس امید پر

کہ میں سفیر اور اس کی کشتی کو پکڑ لوں گا۔ لیکن سفیر وشندیری کی کوٹھی میں دعوت کھانے گیا تھا اور اس طرح میری یہ کوشش ناکام ہو گئی۔ جب شہزادے کو یہ معلوم ہوا تو وہ میری فرار کی کوشش پر غضبناک ہوا اور اس نے اپنے دودھ شریک بھائی میر محمد کو (میری نگرانی اسی کے سپرد تھی) یہ حکم دیا کہ میری تلاش میں جائے اور جب تک مجھے ساتھ نہ لائے اسے منہ نہ دکھائے۔ اس نے امیر البحر کو یہ حکم دیا کہ وہ میری تلاش میں روانہ ہو اور مجھے سمجھا بجھا کر یا زبردستی لے آئے۔ اس نے واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ وہ بہرقیمت مجھے اپنی ملازمت میں رکھنا چاہتا ہے۔

لیکن اسے یہ معلوم تھا کہ مجھے تشدد بالکل پسند نہیں ہے لہذا اس نے ساحل سمندر پر میری سواری کے لئے ایک جھول دار گھوڑا اور ایک ہاتھی بھیجا اور اس کے ساتھ پانچ سو سوار بھیجے جنہیں میرے ہم رکاب ہونا تھا۔ یہ سب کچھ میری عزت افزائی کے لئے تھا لیکن ان کے سپرد یہ کام تھا کہ اگر وہ مجھے دیکھیں تو پکڑ لیں۔

جب میں نے سفیر کو کشتی میں نہ پایا تو بہت گھبرایا۔ اس کا انتظار کرتے ہوئے میں اس بات پر خوش تھا کہ بالآخر فوج سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تب سنتریوں نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کی ایک کشتی قریب آرہی ہے۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر میر محمد کو دیکھا، اور اس کے ساتھ ہی میری ہمت و بہادری رفو چکر ہو گئی۔

اس نے سفیر کی کشتی میں آکر مجھ سے پر زور التجا کی کہ خدارا میری جان بچاؤ، اس لئے کہ جب تک تم شہزادے سے جا کر گفتگو نہ کرو گے جو تمہارا منتظر ہے، اس وقت تک وہ میری صورت نہ دیکھے گا۔ ابھی ہم بات ہی کر رہے تھے کہ سنتری نے یہ خبر دی کہ ونگورلا سے ساری فوج آگئی ہے۔ تب میں فرار سے ناامید ہوا اور میر محمد کی کشتی میں سوار ہو کر ہم شہزادے کے پاس چلے جو چار کوس اور آگے جا چکا تھا۔ امیر البحر نے شہزادے کو میری آمد کی اطلاع دی۔ چونکہ خشکی کے راستے میں دشمن ہر سمت لوٹ مار کر رہے تھے اس لئے یہ خطرہ تھا کہ کہیں ہاتھی نہ پکڑ لیا جائے، جو بڑی ذلت کی بات ہوتی۔ لہذا امیر البحر نے تمام گھڑ سواروں کو جو مجھے لینے آئے تھے جہاز سوار کرایا اور ہاتھی کو کسی اور جہاز میں منتقل کیا۔ اس طرح ہم سب ایک ایسی بندرگاہ پر پہنچے جس کا سفر ونگورلا سے دو دن کا تھا، جہاں شہزادہ ایک منڈ

کو تباہ کرنے گیا تھا جس کا نام "سفید گھوڑا" تھا۔ اُسے بارود کے ذریعے اُڑا دیا گیا۔

میری واپسی پر شہزادہ بہت خوش ہُوا۔ بڑے پیار کے انداز میں شکایت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ تمہارا کیا حال ہونے والا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ نہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو نہ میرے گھروالوں سے۔ دوسرے فرنگی بہرطور کسی نہ کسی شہزادے کی تلاش کرتے ہیں جو میرے مقابلے میں اُن کا عشر عشیر بھی خیال نہیں رکھتے۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس محبت کا جس سے عالی جاہ مجھے نوازتے ہیں بہت مداح ہوں لیکن میرے اخراجات بہت زیادہ ہیں اور جتنی تنخواہ دیگر طبیبوں کو ملتی ہے میں کسی طور اس سے کم کا مستحق بھی نہیں ہوں۔ لہٰذا میں آپ کی خدمت گذاری نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اس تھوڑی تنخواہ کے لئے بھی جو مجھے عالی جاہ سے ملتی ہے، آپ کے وزرا اور دیگر اہلکار مجھے کافی عرصے انتظار کراتے ہیں۔ اس طور سے اس ملازمت میں رہتے ہوئے مجھے اخراجات اپنے پاس سے پورے کرنے پڑتے ہیں اور سوائے پریشانیوں کے کوئی نفع نہیں ہوتا۔

میری اس تقریر پر اعتبار کرنے سے پہلے قاری کو میری طبیعت کا علم ہونا ضروری ہے۔

مزید برآں ان حیرت انگیز علاج معالجوں کا بھی جو میں نے مسلمانوں کے درمیان رہ کر کئے۔ اس لئے میں یہ باتیں کر بھی سکتا تھا کیونکہ نہ تو مجھے شہزادہ کی تنخواہ کی خواہش تھی اور نہ ضرورت۔ میں اس بات سے زیادہ خوش ہوتا اگر شہزادہ مجھ سے ناراض ہو کر یہ کہتا کہ "دفع ہو جاؤ"۔ لیکن اس کے بجائے کہ وہ مجھ سے ناراض ہوتا اور مجھے نکالتا اس نے مجھے سنا کر یہ حکم دیا کہ مجھے سواروں اور پیدل سپاہیوں کی نگرانی میں رکھا جائے اس لئے کہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں دوبارہ فرار ہو سکوں۔ یہ دیکھ کر کہ وہ اپنے ارادے میں پختہ ہے میں نے یہ عذر کیا کہ چونکہ میرے پاس ضروری ساز و سامان نہیں ہے اور میرا سارا سامان گوا میں پڑا ہے اس لئے میں اس کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ اس سبب سے میں نے اس سے یہ التجا کی کہ مجھے گوا جا کر اپنا سامان لانے اور اپنے رشتہ داروں کو الوداع کہنے کی اجازت دی جائے۔ میں نے اس سے یہ عہد کیا کہ میں سات دنوں میں واپس آجاؤں گا۔

وہ مجھے رخصت دینے میں ہچکچا رہا تھا مگر بالآخر اس نے اس شرط پر رخصت منظور کی کہ میں واپس آنے کی قسم کھاؤں۔ میں نے ہندوستان کی رسم کے مطابق یعنی عالی جاہ کے پیروں کی قسم کھائی۔ لیکن شہزادے نے اس قسم کا اعتبار نہ کیا اور مجھ سے کہا کہ میں حضرت مسیح کی قسم کھاؤں تب وہ میری

بات کا اعتبار کرے گا اور مجھے شاہی پڑاؤ سے نکلنے کی اجازت دے گا۔ یہ دیکھ کر کہ شہزادے کی مرضی یہی ہے میں نے حضرت مسیح کے پُرجلال، پُرتعظیم اور پُروقار نام کی قسم کھائی کہ میں اپنے وعدے پر قائم رہوں گا۔ تب اس نے مجھے رخصت دی اور ایک اور خلعت بخشی۔

گو میں اب گوا چھوڑنے پر مجبور تھا، جس کی میں حتی المقدور خدمت کرنے کی خواہش رکھتا تھا، تاہم میں نے یہ طے کر لیا کہ میں کسی ایسے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا جب کہ میں اس کی ان ضرورتوں کو پورا کر سکوں، جن کے ہاتھوں میں وہ آنا مجبور ہے۔ خوراک کی کمی کے باعث گوا میں قحط پڑ گیا تھا، بالخصوص گندم تو مطلق نہ تھی۔ اتنی بھی نہ تھی کہ حضرت مسیح کی نذر کے لئے روٹی تیار کی جا سکے۔ میں نے شہزادے سے درخواست کی کہ چونکہ اس کی فوج میں کافی رسد ہے لہٰذا مجھے گندم کا ایک جہاز عنایت کیا جائے۔ اس گندم کو تاجروں کے کھاتے میں گوا جانا تھا اس لئے کہ میں اپنے دوستوں کو الوداعی تحفے کے طور پر یہ فائدہ پہنچانا چاہتا تھا۔ میری درخواست منظور ہوئی اور میں اسی جہاز پر سوار ہو کر گوا پہنچ گیا۔ پرتگالی اس مراعت پر بہت خوش ہوئے جو میں نے ان کے لئے شہزادے سے حاصل کی اور تاجروں نے اپنا نفع الگ کمایا۔ دو دنوں بعد میں نے اپنے دوستوں اور حاکم گوا سے رخصت چاہی اور شاہی فوج میں واپس آیا جہاں شہزادہ شدت سے میرا منتظر تھا۔

جب میں یہاں وارد ہوا تو میں نے شہزادے کو کوچ کے لئے تیار پایا اس لئے کہ وہ سفید گھوڑا اور سمبھاجی کی دیگر عمارتیں تباہ کر چکا تھا۔ ہم ایک بار پھر دریائے باردس کی سمت روانہ ہوئے اور اس کے کنارے پر اترے۔ شاہ عالم نے یہ حکم دے دیا تھا کہ رات کو جو شخص بھی فوجی پڑاؤ میں داخل ہوتے یا وہاں سے نکلتے پکڑا جائے اسے ضرور قتل کیا جائے۔ یہ احکامات مخبروں کو خوفزدہ کرنے اور انھیں فوجی پڑاؤ میں راز جوئی کرنے سے روکنے کے لئے تھے۔ ایسا ہوا کہ انہوں نے دیگر اشخاص کے ساتھ چند کناریوں کو بھی پکڑ لیا جو فوجی پڑاؤ میں پھل، مکھن وغیرہ بیچنے گوا سے آئے تھے۔ صبح سویرے ہی انھیں قتل کرنے کے لئے لے جایا جا رہا تھا کہ میرے ملازموں نے اس بات کی خبر پا کر مجھے ان کناریوں کی مصیبت زدگی کی اطلاع دی۔ میں فوراً شہزادے کے پاس گیا جو کوچ کر رہا تھا اور اس سے گزارش کی کہ میرے آدمیوں کو رہا کر دیا جائے جو مجھے گوا سے لائے تھے۔ شہزادہ مسکرایا اور اس نے حکم دیا کہ جن جن اشخاص کے لئے میں نے درخواست کی ہے انھیں رہا کر دیا جائے۔ پس کچھ لوگ

جنھیں میں نے پہچان لیا کہ وہ عیسائی ہیں رہا کر دیئے گئے۔

اس کے بعد ہم نے کوچ کیا اور رام گھاٹ نامی پہاڑ پر چڑھے۔ یہ چڑھائی ڈیڑھ کوس کی تھی اس مقام پر سمبھاجی ہم سب کو قتل کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ یہاں چڑھائی بہت مشکل تھی۔ تنگ راستے تھے جو جنگلوں اور خارزاروں کے درمیان سے گذرتے تھے۔ لیکن سمبھاجی نے اس بات کی کوشش نہیں کی اور فوج میں یہ قیاس آرائی کی جانے لگی کہ وہ شاہ عالم سے مل گیا ہے

لیکن وہ کام جو سمبھاجی کے حملہ سے نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وبا نے کیا، جو فوج میں اتنی شدت سے پھیل گئی کہ سات دن میں جب تک کہ یہ بیماری رہی، جو شخص بھی اس کا شکار ہوا مر گیا۔ تقریباً ایک تہائی فوج ختم ہو گئی۔ روزانہ پانچ سو آدمی اس بیماری سے جان بحق ہو جاتے تھے۔ محض انسان ہی اس کا شکار نہ تھے بلکہ گھوڑے، ہاتھی اور اونٹ بھی اس کی زد میں تھے۔ اس کے باعث ہوا میں جراثیم پھیل گئے۔ راستے تنگ ہونے کے سبب سامان رسد کی فراہمی بھی رک گئی۔ اب یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ بھی کسی اور دشمن سے مقابلہ ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں گندم وافر مقدار میں تھی مگر اب انھیں لے جانے کے لئے جانور نہ تھے۔ سپاہیوں کے لئے یہ اذیت بہت زیادہ تھی بہت سے ایسے سپاہی جن کے گھوڑے مر گئے تھے، دوسرا گھوڑا خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، نہ ہی فوج میں کوئی گھوڑا بیچنے کے لئے تیار ہوتا تھا۔ لہذا ان لوگوں کو مجبوراً پیدل چلنا ہوتا۔ ان میں سے بہت سے لوگ گرمی اور پیاس کی شدت سے مر گئے۔

درّے کے دوسرے سرے پر پہنچ کر ہم نے ریاست بیجاپور کی طرف کوچ کیا۔ دشمن نے ہمیں کوچ کرتے ہوئے کئی بار دیکھا۔ جب کبھی انھیں موقع ملتا وہ ہمارے سامان اور آدمیوں کو نہ بخشتے اور ہر چہار سمت لوٹ مار کرتے رہتے۔ بالآخر ہم احمد نگر پہنچ گئے۔ یہاں ہم اورنگ زیب کی افواج سے مل گئے جو بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتوں میں مزید پیش قدمی کے لئے موسم باراں کے خاتمے کا منتظر تھا۔

موسم باراں کے خاتمے پر ساری فوج شولاپور پہنچی۔ اس مقام کے قریب پہنچ کر جب اورنگ زیب نے شاہ بیجاپور سے چھین لیا تھا، بادشاہ نے شاہ عالم کو حکم دیا کہ وہ بہادر خاں کے ساتھ بیجاپور سے ملنے کی سزا کے طور پر گولکنڈہ پر حملہ کرے۔ یہاں سے کوچ کر کے ہم گولکنڈہ کے نواح میں مالکھیر

کے مقام پر پہنچ گئے ۔ یہاں محمد ابراہیم ہمارے مقابلے پر تھا ۔ یہ شخص ایرانی النسل تھا اور نیل کی تجارت سے ترقی کرتے کرتے گولکنڈہ کے وزیر اعظم کے درجے پر پہنچ گیا تھا ۔ شہرۂ آفاق میر جملہ کی سی خوش قسمتی کے ساتھ ساتھ اس میں اُس جیسی غداری بھی آگئی تھی اس لئے کہ بعد ازاں اس نے بھی اپنے بادشاہ سے غداری کی جیسا کہ آگے اس کا بیان ہوگا ۔ بہرحال، آغاز میں اس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایک بہادر سپاہی ہے ۔ وہ گاہے گاہے ہمیں نقصان پہنچاتا رہتا تاہم اس کے لڑنے کے طریقے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی ساری قوت صرف کرنا نہیں چاہتا ورنہ وہ ہمیں اس سے زیادہ سزا دے سکتا تھا ۔

چونکہ میں اس کوچ کی زندگی سے تنگ آچکا تھا اس لئے یورپ واپس جانے کے طریقوں پر غور کیا کرتا تھا تاکہ جو کچھ تھوڑا بہت میں نے رزقِ حلال کے طور پر کمایا ہے اس سے وہاں فراغت کے دن بسر کر سکوں ۔ اس لئے میں نے شاہ عالم سے یہ اجازت چاہی کہ مجھے بعض نجی معاملات کے لئے سورت جانے دے ۔ لیکن چونکہ اُسے تجربے نے یہ بتا دیا تھا کہ میں بھاگنے پر تلا ہوا ہوں اس لئے میری بات کا کچھ جواب دینے کے بجائے اُس نے غلاموں سے کہا کہ وہ اچھی طرح میری نگرانی کریں تاکہ میں فرار نہ ہو سکوں ۔

یہ دیکھ کر کہ شاہ عالم اپنی بات پر اڑ گیا ہے میں نے دوسری ترکیب کی، وہ یہ کہ میں نے محمد ابراہیم کو یہ لکھا کہ از راہِ کرم فرار میں میری مدد کیجئے ۔ اس نے جواب دیا کہ وہ بخوشی مدد دینے کو تیار ہے ۔ اس مقصد کے لئے وہ روزانہ چار ہزار سوار بھیجتا تھا جو یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ ہم پر حملہ کرنے والے ہیں ۔ اس بات سے شاہ عالم کو کچھ تشویش بھی ہوئی ۔ کئی دنوں تک یہ ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ دن آن پہنچا جو میرے فرار کے لئے طے تھا ۔ میں نے اپنے مخبروں کے ذریعے ، جو بے خطر گھومتے پھرتے تھے ، اپنی کتابیں پڑاؤ سے باہر بھجوا دیں ۔ تب اپنے طلائی سکوں اور اوزاروں کو لے جانے پر اکتفا کرتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوا اور پیچھے پالکی لے کر، میں اپنے خیمے سے روانہ ہوا ، گویا محض ہوا خوری کے لئے باہر جا رہا ہوں ۔ میں اپنے ایک انگریز دوست ٹامس گڈ لینڈ کے خیمہ پر رکا اور وہاں شاہ عالم کے مخبروں کو دھوکا دینے کے لئے ایک دو پیالے پیئے ۔ پھر اس بہانے سے کہ شام کو مجھے چند دوستوں کی دعوت کرنی ہے میں نے سامان خورد و نوش کی خرید کے لئے مخبروں کو مختلف اطراف میں روانہ کر دیا ۔ میں نے اس بنا پر کہ میں شام کو گھوڑے پر ہی واپس آؤں گا ، اپنی پالکی بھی واپس کر دی ۔

خود کو مخبروں سے آزاد دیکھ کر میں نے اپنے دو وفادار ملازموں کو بھیجا کہ وہ دریا پار کے گاؤں میں میرا انتظار کریں جس کے قریب محمد ابراہیم کے چار ہزار سوار متعین تھے۔ وہاں پہنچ کر ان کا کام یہ تھا کہ وہ چھوٹی سی سفید جھنڈی لہرائیں جو اس بات کی علامت ہوگی کہ سوار وہاں موجود ہیں اور میں بے خطر آ سکتا ہوں۔ جیسے ہی مجھے یہ اشارہ ملا میں گھوڑے پر سوار ہو کر باہر چلا گویا ہوا خوری کر رہا ہوں، لیکن در اصل میں راہِ فرار اختیار کر رہا تھا۔ دریا پر پہنچ کر میں بڑے آرام سے آگے بڑھنے لگا گویا اپنے گھوڑے کو پانی پلانے جا رہا ہوں۔

جب پہرہ داروں نے دیکھا کہ میں دریا پار کر رہا ہوں تو وہ شور مچانے اور سواروں کو متنبہ کرنے لگے کہ میں بھاگا جا رہا ہوں۔ لیکن انھیں اتنی دیر ہو گئی تھی کہ وہ مجھے پکڑ نہ سکتے تھے۔ میں نے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی اور نہایت صفائی سے نکل گیا۔ شاہ عالم کے سواروں نے آدھے دائرے کی صورت میں اس اُمید پر میرا پیچھا کیا کہ وہ مجھے گھیر لیں گے لیکن محمد ابراہیم کے سوار ہاتھوں میں برچھے لئے آگے بڑھے اور شاہ عالم کے سواروں کو بھگا دیا۔ اس طرح بچ بچا کر میں گاؤں پہنچا اور وہاں سے فوج میں گیا جہاں میں نے محمد ابراہیم کے احسان کا شکریہ ادا کیا۔

یہاں مجھے ان عیسائیوں کا ذکر بھی کرنا چاہیئے جو شاہ گولکنڈہ کی ملازمت میں تھے اور جنھیں یہ علم تھا کہ میں شاہ عالم کی ملازمت سے فرار چاہتا ہوں۔ وہ میرے استقبال کو آئے اور مجھے بحفاظت لے چلے کہ کہیں گولکنڈہ کا کوئی سپاہی مجھے نہ روکے۔ میں ابھی محمد ابراہیم کے سامنے پہنچا ہی تھا کہ شاہ عالم کا ایک مخبر بھی پہنچ گیا۔ اس نے محمد ابراہیم کو خطوط پیش کئے اور اُسے چپکے سے یہ بھی بتا دیا کہ شاہ عالم میری بہت قدر کرتا ہے اور اگر ابراہیم ایسے شخص کی مدد کرے گا جسے اس نے کئی بار پکڑوا بلوایا ہو اور جس کے فرار کو روکنے کے لئے اس نے پہرہ دار مقرر کئے ہوں تو شہزادہ اس بات کا سخت برا مانے گا۔

جب مخبر چلا گیا اور دوسرے لوگ جو وہاں حاضر تھے وہ بھی چلے گئے تو میں محمد ابراہیم کے سامنے اکیلا رہ گیا۔ وہ مجھے بھاگنے میں مدد دے کر پشیمان تھا اور چونکہ وہ شاہ عالم سے مل جانے کی سوچ رہا تھا لہٰذا اُسے یہ خوف لاحق ہوا کہ شہزادہ اس سے برا سلوک کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے میرے کامیاب فرار پر مبارکباد دینے کے بعد، اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں چند دن اس کے پاس رہوں۔ اس نے کہا کہ میری طبیعت ناساز ہے اور میں شفایاب ہونا چاہتا ہوں۔ میں محمد ابراہیم کی چال کو سمجھ گیا کہ

وہ مجھے ایک بار پھر شاہ عالم کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اپنا ہاتھ اپنے خنجر پر رکھ کر اس سے یہ کہا کہ اگر آپ مجھے گولکنڈہ جانے کی اجازت نہیں دیں گے تو میں آپ کے سامنے ہی اپنا پیٹ چاک کر ڈالوں گا اور شاہزادہ شاہ عالم کی ملازمت پر مر جانے کو ترجیح دوں گا۔

مجھے اپنے ارادے میں پختہ دیکھ کر اُسے تشویش ہوئی۔ اس نے مجھ کو چند لمحے ٹھہرنے کو کہا اور اندر چلا گیا۔ وہاں اس نے ایک پروانہ راہ داری لکھا اور باہر نکل کر اُسے میرے حوالے کیا۔ اس نے مجھے چپکے سے کہا کہ میں جلد از جلد چلا جاؤں۔ چونکہ میں بس اسی کا منتظر تھا لہٰذا فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور تین دن کی مسافت طے کی، یہاں تک کہ میں گولکنڈہ پہنچ گیا۔ یہاں میں اپنے ایک دوست موسیو فرانسسکو گوئیتی کے گھر گیا اور وہ مجھے شاہ گولکنڈہ کے برادر نسبتی شریف الملک کے پاس لے گیا جس نے مجھ سے بہت سی باتیں کیں۔ بادشاہ کی بہن کو دل کی دھڑکن کا مرض تھا۔ میں نے اس کی بیماری کو بڑی حد تک کم کر دیا۔ اس طرح گولکنڈہ میں میری شہرت پھیل گئی۔

بادشاہ کو بھی میری آمد کی اطلاع ہوئی اور چونکہ اس کا یورپی طبیب موسیو دستر سیانی نامی فرانسیسی حکیم مرگیا تھا لہٰذا بادشاہ نے مجھے دربار میں بلوایا۔ یہاں کچھ گفتگو کے بعد اُس نے مجھے حکم دیا کہ میں حرم سرا میں ایک خاتون کی فصد کھولوں جسے بادشاہ بہت پسند کرتا تھا اس لئے کہ اُسے یہ پتہ تھا کہ قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ کا خزانہ کہاں دفن ہے۔ وہ گرجستانی نسل کی تھی اور اتنی توانا و تندرست تھی اور اس کی رگوں پر اتنی چربی چڑھی ہوئی تھی کہ خون نکالا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ الا اس کے کہ باریک نسوں سے نکالا جاتے۔ اس کے بازو نشتروں کے نشانات سے ڈھکے ہوئے تھے۔ میں نے نس کا پتہ کیا، پٹی باندھی اور معمولی نشتر سے دوگنا بڑا نشتر نے کر اتنی مہارت سے نس پر لگایا کہ خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ ہر شخص یہ منظر دیکھ کر، کہ ایسا اس خاتون کے ساتھ پہلے کبھی نہ ہوا تھا، ورطۂ حیرت میں غرق ہو گیا۔

بادشاہ جو یہ مجھے کھڑا دیکھ رہا تھا خود بھی فصد کھلوانے کا خواہش مند ہوا۔ گو مجھے مقررہ دن تک روکا گیا لیکن بالآخر اس نے انکار کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی نے اُسے اس بات سے خوفزدہ کر دیا ہو کہ کہیں میں شاہ عالم اور اورنگ زیب کا فرستادہ نہ ہوں اور اس کی فصد اس طرح کھولنے کو بھیجا گیا ہوں کہ اسے دوبارہ فصد کھلوانے کی حاجت ہی نہ ہو۔ اپنی فصد کھلوانے کے بجائے اس نے اپنے بھانجے کا علاج میرے سپرد کیا جس کے پیروں پر ناسور ہو گیا تھا۔ اس مقصد کے تحت اس نے میرے اخراجات

کے لئے مجھے سات سو روپے دیئے ۔

لیکن ابھی جب کہ میں بادشاہ کے بھانجے کا علاج کر رہا تھا تو خبر ملی کہ محمد ابراہیم شاہ عالم سے جا ملا۔ چونکہ گولکنڈہ کی فوجیں بلا سپہ سالار کے رہ گئیں تھیں لہذا شاہ عالم نے موقع غنیمت جانا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا ۔ گولکنڈہ کے سپاہی افراتفری میں تتر بتر ہوگئے ۔ جب فوج کو شکست ہوئی تو شاہ عالم تیزی سے گولکنڈہ کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی اس شکست کی خبر گولکنڈہ پہنچی بادشاہ اپنے دوستوں اور وزراء امراء کے ساتھ قلعہ بند ہوگیا جو ہندو برہمن اور مسلمانوں کے لئے قابل نفرت تھے رعایا نے ان دو برہمنوں کے مکانوں کو آگ لگائی اور سب ادھر اُدھر منتشر ہوگئے ۔ بلا تاخیر میں گھوڑے پر سوار ہوا اور خود کو ان تین سو سپاہیوں سے بچاتا ہوا جنہیں شاہ عالم نے مجھے گرفتار کرنے کو بھیجا تھا مسولی پٹم پہنچ گیا۔ وہاں دو دن قیام کرنے کے بعد میں نرساپور آیا۔ یہاں خود کو محفوظ سمجھتے ہوئے انگریزوں اور ولندیزیوں کے ساتھ پُرلطف صحبتیں گذاریں ۔ یہاں میں قیام پذیر تھا کہ بادشاہ نے ایک بار پھر مجھے طلب کیا ۔

بادشاہ ابوالحسن نے خود کو مصیبت میں دیکھ کر اپنے اور شاہ اورنگ زیب کے درمیان شاہ عالم کو ثالث بنایا کہ وہ صلح کرلے ۔ شہزادے نے اورنگ زیب کو لکھا کہ قلعہ پر قبضہ کرنے میں کافی مدت صرف ہوگی۔ لہذا اگر بادشاہ سلامت محض موجودہ صورت حال پر اکتفا کریں تو شاید یہ بہتر ہو، کہ گولکنڈہ کے بادشاہ سے صلح کرلی جائے ۔ غلطی بادشاہ کی نہیں بلکہ اس کے وزیروں کی ہے۔ معاملات اس طرح طے ہوں گے کہ شاہ گولکنڈہ ہر طرح سے اعلیٰ حضرت کی تشفی کرے گا ۔

اورنگ زیب نے بیٹے کو جواب دیا کہ وہ برہمنوں کی موت ، ایک گراں قدر رقم ، ہیرے ، جواہرات ، ہاتھی ، سامان جنگ اور بیجاپور کی امداد نہ کرنے کا وعدہ چاہتا ہے ۔ یہ جواب موصول ہونے کے بعد شاہ عالم نے شاہ گولکنڈہ سے صلح کی گفت و شنید شروع کی ۔ شاہ گولکنڈہ قلعہ میں قیدیوں کی طرح اسیر تھا ۔ پہلا کام اس نے یہ کیا کہ برہمنوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں قلعے کی دیوار سے نیچے پھینکوا دیں ۔ شاہ گولکنڈہ نے شاہ عالم کی تمام شرائط مان لیں اور شہزادے نے اس سے وعدہ کیا کہ اس کا باپ ، شاہ اورنگ زیب صلح نامہ پر قائم رہے گا ۔ جب معاملات طے ہوگئے تو شاہ عالم کو ہیرے کی صوبے کی طرف چلا گیا جو گولکنڈہ سے بیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے ۔ اس دوران میں اس کا سفیر گولکنڈہ میں مقیم رہا اور وہ شاہ سے خط و کتابت کرتا رہے ۔

اس اثنا میں شاہ عالم اس صوبے میں ٹھہر کر صلح نامہ کی شرائط کے مطابق روپے اور سامان جنگ کا انتظار کرتا رہا، اس نے شاہ کو یہ بھی لکھا کہ میری تلاش کی جائے اور چونکہ اسے میری ضرورت ہے لہذا مجھے اس کے سپرد کر دیا جائے۔ شاہ نے مجھے لانے کے لئے سوار بھیجے اور صوبیدار کو یہ حکم دیا کہ اگر میں اپنی مرضی سے نہ آؤں تو مجھے زبردستی بھیجا جائے۔ سپاہی میرے پاس نرساپور پہنچے اور شاہی فرمان دکھایا جس کے ذریعے بادشاہ نے مجھے دربار میں اس بہانے سے طلب کیا تھا کہ میں اس کے بھانجے کا علاج جاری رکھوں۔ اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب بھی رخصت چاہوں گا مجھے بلا عذر مل جائے گی۔

مجھ پر یہ واضح تھا کہ اب جائے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس لئے خواہ میں پسند کروں یا نہ کروں وہ مجھے دربار میں ضرور حاضر کریں گے۔ لہذا میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں بہت خوش ہوں اور دل سے چاہتا ہوں کہ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت کر سکوں۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور ان کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے چلا یہاں تک کہ ہم گولکنڈہ پہنچ گئے۔ جب میں بادشاہ کے سلام کے لئے حاضر ہوا تو اس نے میری آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔ میں نے فوراً یہ التماس کیا کہ چونکہ میں آپ کے وعدے کے مطابق حاضر ہوا ہوں اس لئے مجھے شاہ عالم کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس بات سے وہ کچھ پریشان ہوا۔ اس نے میری تنخواہ سات سو روپے ماہوار مقرر کی لیکن میں نے اس سے یہ کہا کہ میں تنخواہ نہیں لوں گا اور بغیر معاوضہ آپ کی خدمت کروں گا۔ اس کے باوجود اس نے سات سو روپے میرے گھر بھجوا دیئے اور چونکہ میں اس کی ملازمت میں تھا اس لئے اس نے حکم دیا کہ مجھے ایک خلعت بخشی جائے۔ اس نے پوشیدہ طور پر یہ احکامات دیئے کہ سو سواروں کو میری رہائش گاہ والی سڑک پر تعینات کیا جائے تاکہ کوئی شخص مجھے تنگ نہ کر سکے۔

چونکہ شاہ عالم کا سفیر حیلے بہانے سے مجھے شاہ عالم کے پاس لے جانا چاہتا تھا اس لئے سواروں کے حفاظتی دستے کے علاوہ ابوالحسن نے مجھے اپنے دیوان کی نگرانی میں دیا اور وہ میری حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرا۔ میں نے اس کے بھانجے کا علاج ایک بار پھر شروع کیا اور گولکنڈہ میں ڈیڑھ ماہ قیام کیا۔ اس مدت میں مریض شفایاب ہو گیا۔ لیکن مجھے خفیہ طور پر فرار ہو کر اپنی جان بچانی پڑی۔ شاہ عالم کے سفیر نے اپنی رخصت کے وقت ایک بار پھر بادشاہ کو اکسایا کہ وہ مجھے اس کے سپرد کر دے۔

بادشاہ نے جواب دیا کہ اگر وہ جاتے وقت مجھے اپنے ساتھ لیتا جائے تو کوئی شخص مزاحم نہ ہوگا۔ اس مقصد کے لئے اس نے سو سواروں کا دستہ ہٹا لیا جو میری حفاظت کے لئے متعین ہوا تھا۔

یہ گفتگو سفیر کے ایک سپاہی نے سن لی جو کئی برس پہلے میرے زیرِ احسان آچکا تھا۔ میں نے ایک بیماری میں اس کا علاج کیا تھا۔ اس نے سفیر کے ارادوں سے مجھے فوراً مطلع کیا۔ یہ اطلاع مجھے اس وقت ملی جب میں تاش کھیل رہا تھا۔ اپنی پریشانی کو چھپانے کے لئے میں کچھ دیر اور کھیلتا رہا۔ تب میں باہر نکلا اور ولندیزی سفیر لارنس پٹ کے گھر گیا۔ میں نے اِس نازک معاملے میں اس کی مدد چاہی۔ اس کے بعد میں نے گولکنڈہ میں مقیم سینٹ آگسٹین کے سلسلے کے پادری فرے فرانسسکو کو بلوایا اور اس سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے بھائی آگسٹینو کو جو بیمار ہے موسلی پٹم بھیجنے کی اجازت حاصل کرے۔

میں نے اُسے یہ نام اس لئے بتا دیا کہ اگر اس کے مریض بھائی کا نام پوچھا جائے تو کسے تذبذب نہ ہو اور یوں کسی دھوکے کا شک نہ گذرے۔ یہ معاملہ نہایت خوبی سے طے ہو گیا اور اجازت نامہ مل گیا۔ میں پالکی میں سوار ہوا اور بیماری کا بہانہ بنایا۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ جاسوس میرا سراغ نہ لگا سکے۔ پس شاہ عالم کے سفیر کو میری روانگی کی اطلاع ملے بغیر میرا سفر تمام ہوا۔ میں چلتا رہا یہاں تک کہ مدراس یا فورٹ سینٹ جارج پہنچ گیا جو انگریزوں کے قبضہ میں ہے۔ یہاں میں سارے خطرات سے بری ہو گیا۔ گولکنڈہ سے میرا فرار بادشاہ کے لئے باعثِ زحمت ہوا کیونکہ شاہ عالم نے مجھے گرفتار کرنے میں لاپرواہی دکھانے پر اس سے شکوہ کیا۔

مدراس پہنچنے پر وہ پرتگالی اصحاب جنہیں یہ معلوم تھا کہ میں نے کتنی تن دہی سے گوا میں ان کی قوم کی خدمت کی ہے، مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے میری آمد پر مجھے مبارکباد دی اور اپنی خدمات میرے سپرد کیں اور ہر خدمت کی بجا آوری کے لئے برضا و رغبت تیار ہو گئے۔ لیکن میں سینور فرانکو امارین سے، جو فرانس کے شاہی فوجی دستہ کے سربراہ تھے، اور جو سورت سے پانڈیچری کو پہنچ گئے تھے، ملنے کو بیتاب تھا۔ میں پالکی میں سوار ہو کر ان سے ملنے گیا۔ یہاں میرا استقبال اچھی طرح کیا گیا اور کئی دنوں تک میری ضیافت ہوتی رہی۔ انہوں نے مجھے یہ رائے دی کہ میں یورپ جاؤں بلکہ ہندوستان ہی میں شادی کر لوں اس نے مجھے ایک خاتون کے بارے میں بتایا کہ وہ ہندوستان میں پیدا ہوئی لیکن انگریز کیتھولک والدین کی اولاد ہے۔ اس کا قیام مدراس میں ہے اور نام ایلزبیتھ ہارٹلے ہے۔ وہ صدر موسلی پٹم کرسٹو فر ہارٹلے اور ایک

پرتگالی خاتون ڈونا ایگزیڈا پریا کی جائز اولاد ہے۔ یہ خاتون ٹامس کلارک صاحب کی بیوہ ہے جو مدراس کی عدالت کے منصف تھے اور شہر کے نائب حاکم تھے۔

سپہ سالار موسیو فرانکوا مارٹین نے مجھے یہ ساری اطلاعات دیں۔ چند کاپوچین پادریوں نے بھی ان کی تصدیق کی۔ اس طرح میں نے یورپ واپس جانے کے خیال کو ختم کرنا شروع کیا۔ ان سب نے مجھے یہ رائے دی کہ ہندوستان کی غذا اور آب و ہوا کا عادی ہو جانے کے بعد اور عمر زیادہ ہونے کے سبب یورپ میں زیادہ دن زندہ رہنا میرے لئے ممکن نہ ہوگا۔ پس میں پانڈیچری سے مدراس واپس آیا تاکہ اس خاتون کے ارادوں کا پتہ چلا سکوں۔ میں جون ۱۶۸۶ء کے آخر میں یہاں پہنچا۔ یہاں میں نے مدراس کے عیسائی مبلغوں کاپوچین راہبوں اور مشہور پادریوں۔ زینان اور افرانئم سے بات چیت کی۔ وہ سب اس خاتون کی خوبیوں اور نیک خیالات سے واقف تھے۔ انہوں نے اس کے اوصاف اور اعلیٰ صلاحیتوں کی اتنی زیادہ تعریف کی کہ بالآخر میں شادی کرنے پر رضامند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے اُسی سال سینٹ سائمن اور سینٹ جُوڈ کے دن میری شادی ہو گئی (۱۶۸۶ء)

میرے ایک بیٹا ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اس دنیا کے مصائب میں ڈالنے کے بجائے جنت میں فرشتہ بنانا زیادہ مناسب سمجھا۔ اس طرح میں نے فورٹ سینٹ جارج میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ یہاں میرے بہت سے آشنا اور وہ جنہوں نے دوسروں سے میری باتیں سنیں تھیں علاج کے لئے میرے پاس آتے رہے۔

شاہ عالم نے مجھے مختلف اطراف میں تلاش کرانے کی کوشش ترک نہ کی اور شہزادی نے ایک شخص کو جو میرا ملازم رہ چکا تھا، مجھے تلاش کرنے کے لئے مدراس بھیجا۔ اُس نے اسے تحفہ کے طور پر ایک خنجر دیا جسے اس شخص نے آٹھ سو پاچوں میں فروخت کیا۔ اس نے محض یہ جاننے کے لئے ایسا کیا کہ میں کہاں ہوں تاکہ وہ مجھے بلوا سکے۔

میرے سارے شناسا یہ جانتے ہیں کہ بہت کم مہینے ایسے گزرتے تھے جب میرے پاس مغل امراء کے تحفے نہ آتے ہوں۔ یہ لوگ مجھے تحفے تحائف بھیجتے تھے اور میرے پاس بڑے چھوٹے ہر قسم کے مریض علاج کے لئے بھجواتے تھے۔ تجربہ میرا سب سے بڑا استاد تھا جس کے سبب میں نے بعض ایسے از دریافت کئے جن میں اس بات کا امکان ہے کہ میں دنیا کو بھی اپنا شریک کروں۔ اس لئے کہ میرا کوئی ایسا وارث

نہیں ہے جیسے میں یہ دولت بے بہا بخش جاؤں جو ہماری صحت جسمانی کی ضامن ہے۔ دیگر باتوں کے علاوہ یہاں میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اخراجات کی پروا کئے بغیر بعض مفرح عرق ایسے بنائے ہیں جو بعض شکایتوں میں حیرت انگیز فائدے کے حامل ہیں جس کی گواہی بہت سے لوگ دے سکتے ہیں لیکن ابھی تھوڑے ہی عرصہ پہلے میں نے یہ عرق فروخت کرنے شروع کئے ہیں، اس لئے کہ میں ان لوگوں کی تقلید نہیں کرنا چاہتا جو دوسروں کی دولت پر انسانوں کی صحت سے زیادہ نگاہ رکھتے ہیں، مختلف چیزوں کے آمیزے کو عرق کے طور پر بیچتے ہیں۔ میں نے اپنا عرق اس وقت تک بیچنا شروع نہ کیا جب تک تجربے نے مجھے یہ نہ بتا دیا کہ خریدنے والے دھوکا نہیں کھائیں گے۔ مدراس کی رہائش سے میری تاریخ نویسی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا اس لئے کہ ان مخبروں کے علاوہ جو میں نے ملازم رکھے بہت سے امرا بھی از رہ نوازش مجھے ان تمام باتوں کے متعلق خبریں بھیجتے رہے جو فوجی پڑاؤ میں رونما ہوتی رہتی ہیں۔